تاریخ خط و خطّاطین

پروفیسر سیّد محمّد سلیم

تاریخ خط و خطاطین

خط خوش را بہتر از لعل و جواہر گفتہ اند
یک جواہر خانہ از اشعار آوردہ ام

تاریخ خط و خطاطین

مؤلف

پروفیسر سیّد محمد سلیم رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب

سیّد عزیز الرحمٰن

اہتمام

پروفیسر سیّد محمد سلیم اکیڈمی

ناشر

زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز

کراچی

نام کتاب	:	تاریخ خط و خطاطین
مؤلف	:	پروفیسر سید محمد سلیم رحمۃ اللہ علیہ
مرتب	:	سیّد عزیز الرحمٰن
تعداد	:	ایک ہزار
اشاعت اوّل	:	جمادی الثانی، ۱۴۲۲ھ / ستمبر ۲۰۰۱ء
صفحات	:	۴۶۴
کمپوزنگ	:	عبدالماجد پراچہ (الماجد پرنٹر) فون: 0333-2110941
اسکیننگ	:	آرٹ اسٹریم، گرافکس سسٹم، فون 6908662
اہتمام	:	پروفیسر سید محمد سلیم اکیڈمی (رجسٹرڈ)
قیمت	:	۴۵۰/= روپے
ناشر	:	زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، پاکستان

رابطہ

زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے۔۴/۱۷، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی۔۱۸، پوسٹ کوڈ: ۷۴۶۰۰۔ فون: ۶۶۸۴۷۹۰

E-mail: al_seerah@hotmail.com

فہرست مضامین

فصل چہارم

فصل پنجم

فصل ششم

فصل ہفتم

عرض مرتب

الحمدللہ، ایک طویل انتظار کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور محض اس کی توفیق سے نانا جان سیّد محمد سلیم رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار، تاریخی اور علمی پیشکش "تاریخ و خطاطین" اہلِ علم اور باذوق قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

یہ کتاب جن دشوار اور صبر آزما مراحل سے گزر کر یہاں تک پہنچی اس کا ذکر ضروری نہیں، مختصراً صرف یہ ذکر کرنا کافی ہوگا کہ یہ کتاب ۱۹۸۰ء میں لکھی گئی تھی، اس کی پہلی کمپوزنگ کا مرحلہ ۹۳ء، ۹۴ء میں آیا، جس کا ذکر مؤلف رحمہ اللہ نے حرفِ آغاز میں کیا ہے، یہ کمپوز شدہ مسودہ بغرض اشاعت راقم کے پاس غالباً ۹۷ء میں آیا، اس مسودے میں حوالہ جات کتاب کے آخر میں تھے، ہر صفحے کا حوالہ نمبر اسے شروع ہوتا تھا جس کی وجہ سے تلاش کرنا آسان نہ تھا، نیز حوالے بھی حد درجہ نامکمل تھے، اغلاط کا تناسب بھی کہیں زیادہ تھا، اس لئے دوبارہ کمپوزنگ کروائی گئی، یہ کمپوز شدہ کتاب مکمل تصحیح کے بعد، جسے ایک بار خود مؤلف رحمہ اللہ بھی ملاحظہ فرما چکے تھے، کمپیوٹر کی ہارڈ ڈسک اڑ جانے کے سبب ختم ہوگئی، چنانچہ ایک بار پھر کمپوزنگ اور تصحیح کا مرحلہ طے ہوا۔

اس کے بعد دوسرا اہم مرحلہ کتاب میں آنے والے مختلف خطوط کے نمونوں کا حصول تھا، یہ مرحلہ اس لئے دشوار تھا کہ کتاب کو تحریر ہوئے کوئی ۲۰ برس ہو چکے تھے، اس لئے مطلوبہ کتب اب نہ مؤلف کے پاس موجود تھیں، نہ لائبریریوں سے ان کا حصول آسان تھا، اس لئے اس کام نے بھی وقت لیا اور اس حوالے سے اگر کہیں کوئی کمی رہ گئی ہے تو اس کا سبب بھی یہی ہے، اب یہ کتاب آپ کے سامنے ہے۔

کتاب کی ترتیب کے دوران بھی محترم و مکرم جناب ملک نواز احمد اعوان صاحب کا تعاون احقر مرتب کو اسی طرح حاصل رہا، جیسا کہ مؤلف رحمہ اللہ کو حاصل رہا تھا، اور جس کا انہوں نے تذکرہ کیا ہے، سچ تو یہ ہے کہ اگر ان کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو یہ کتاب مزید تاخیر سے منظرِ عام پر آتی اور پھر بھی اسے اس حد تک جامعیت اور کمال حاصل نہ ہوتا، جس پر وہ صرف احقر مرتب ہی کی جانب سے نہیں بلکہ تمام شائقینِ فن خطاطی کی جانب سے شکریئے اور تحسین کے مستحق ہیں، فجزاھم اللہ عناجزاء حسنا،

کتاب کی ترتیب کے سلسلے میں مرتب ان حضرات کا بھی شکر گزار ہے۔ جناب محمد اسماعیل اسلفی، جناب محمد راشد شیخ، جناب سلیم اختر، جناب خالد جاوید یوسفی، جناب محمد علی زاہد، جناب عبدالرحمٰن، جناب منظور احمد ، جناب سعید قمر، جناب سید خالد محمود عثمانی، جناب احمد علی بھٹہ، جناب واجد محمود یاقوت رقم۔

مرتب کا کام کتاب میں صرف اس قدر ہے۔

۱۔ آغازِ کتاب میں مؤلف رحمۃ اللہ کے مختصر حالات دے دیئے گئے ہیں۔

۲۔ باب ۴۵ میں فنِ خطاطی پر متقدمین کی کتابوں میں مزید کتب کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۳۔ بعض مقامات پر حوالہ جات کم تھے یا نامکمل تھے، انہیں مکمل کیا گیا ہے۔

۴۔ کتاب میں بعض خطاطوں کے حالات مختصر تھے، یا شامل نہیں ہو سکے تھے، اسی طرح بعض دوسرے مقامات پر کچھ کمی محسوس کی جا رہی تھی، اس کمی کو دور کیا گیا ہے، اور حاشیئے پر اس کی تصریح کر دی گئی ہے کہ یہ اضافہ مرتب کی جانب سے ہے۔

۵۔ کتاب میں دیئے گئے تمام نمونے اگرچہ مؤلفؒ کی رہنمائی میں ہی حاصل کئے گئے تھے، مگر ان کے انتخاب کی مکمل ذمے داری مرتب کی ہے، اس سلسلے میں کمی و کوتاہی کا ذمے دار احقر مرتب ہے۔

۶۔ کتاب کے آخر میں باب ۴۶ کا اضافہ مرتب کا ہے، اگرچہ اس کی اجازت مؤلفؒ سے لے لی گئی تھی، مگر اس پر کام مؤلف کے انتقال کے بعد کیا گیا ہے۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش تھی کہ یہ کتاب ان کی زندگی میں شائع ہو جاتی، مگر ایسا نہ ہو سکا، اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرما کر مؤلف و مرتب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائیں۔ تمام معاونین کو اجرِ جزیل عطا فرمائیں اور کتاب کی قبولیتِ عامہ سے نوازیں۔ آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد و آله واصحابه اجمعین

سیّد عزیز الرحمٰن

یکم جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ / ۲۱ر اگست ۲۰۰۱ء، کراچی

تعارفِ مؤلف

پروفیسر سید محمد سلیم رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۲۸ محرم الحرام ۱۳۴۱ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۲۲ء کو تجارہ ریاست الور میں ہوئی، آپ کے والد کا نام عبدالوحید اور دادا کا نام عبدالحمید تھا، آپ نے شرفا کے دستور کے مطابق ابتدائی تعلیم کا آغاز قرآنِ کریم سے کیا، ناظرہ قرآن کریم مکمل کرنے کے بعد غالباً ۱۹۳۱ء میں اسکول میں داخل ہوئے، پہلی اور دوسری جماعت کا اکھٹے امتحان دیا، ۱۹۳۸ء میں پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل (عربی) اور ۱۹۳۹ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کرلیا، اس دوران اسکول کی تعلیم بھی جاری رہی، ۱۹۴۰ء میں میٹرک فرسٹ ڈویژن میں امتیاز کے ساتھ پاس کیا، ۱۹۴۲ء میں عربک کالج دہلی سے انٹر میڈیٹ کا اور ۱۹۴۴ء میں بی اے کا امتحان پاس کرلیا، اس کے بعد آپ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں داخل ہوئے، اور ۱۹۴۶ء میں ایم اے عربی امتیازی نمبروں سے پاس کرلیا، یونیورسٹی میں آپ کی تیسری پوزیشن تھی، اسی سال ایل ایل بی کا امتحان بھی فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا، آپ کے اساتذہ میں مولوی امتیاز علی، مولانا عبدالعزیز میمن اور مرزا محمود بیگ جیسے مشاہیر اہل علم وفضل شامل ہیں۔

فروری ۱۹۴۷ء میں آپ کی شادی ہوئی، قیامِ پاکستان کے اعلان کے بعد آپ تنہا بحری راستے سے بمبئی کے راستے ۲۹ر نومبر ۱۹۴۷ء کو کراچی پہنچے، ایک ماہ بعد اہل خانہ بھی کراچی آگئے، کچھ عرصے کے بعد والد ماجد جو الور کے مشہور حکیم تھے، نواب شاہ میں منتقل ہوگئے اور انہوں نے حمیدیہ دواخانہ قائم کرلیا، جو بہت جلد مقبول ہوگیا، پروفیسر سید محمد سلیم رحمۃ اللہ علیہ نے ملازمت کا آغاز محکمۂ ریونیو میں ڈسپیچر کی حیثیت سے کیا، پھر جلد ہی کراچی میں ایک اسکول میں ملازمت مل گئی، ۱۹۴۸ء میں آپ بطور لیکچرار گورنمنٹ کالج حیدر آباد میں تعینات ہوگئے، ۱۹۵۴ء تک آپ شکارپور، میرپور خاص اور نواب شاہ میں مختلف کالجوں میں اپنے فرائض انجام دیتے رہے، ۳۱، اگست ۱۹۵۷ء کو آپ نے جماعتِ اسلامی سے نظریاتی وابستگی پر اصرار کرتے ہوئے سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دیدیا، اور ۱۹۶۰ء میں تحریک اسلامی کے قائم کردہ شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج منصورہ ضلع حیدر آباد کے پرنسپل ہوگئے، ۷۳ء میں جب حکومت نے تمام نجی تعلیمی ادارے قومیانے کا فیصلہ کیا تو یہ کالج بھی حکومتی تحویل میں چلا گیا، اور آپ کا تبادلہ شکارپور کردیا گیا، وہاں سے آپ ۱۵ دسمبر ۱۹۷۳ء کو ریٹائر ہوئے، پھر ۱۹۸۴ء میں تنظیم اساتذہ پاکستان کے ادارے، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور کے ڈائریکٹر اور اس کے تعلیمی مجلے ماہنامہ افکار معلم کے نگران مقرر ہوئے، اور آخری وقت تک اسی حیثیت میں اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

آپ کے خدمات کا دائرہ کار بہت وسیع ہے، آپ نے ۳۵ سال باقاعدہ تدریس کی، تصنیف وتالیف میں آخری لمحے تک مصروف رہے اور ۶۰ر سے زائد مطبوعہ وغیرہ مطبوعہ کتب اور سینکڑوں مضامین یادگار چھوڑے ہیں، ابتدا میں شاعری سے بھی شغف رہا، دروس، تقاریر ولیکچرز کے ذریعے بھی تبلیغ علم وابلاغ دین میں مصروف رہے۔

آپ کے پسندیدہ موضوعات، تاریخ، تعلیم اور مسلم مفکرین کے حالات وافکار ہیں، تمام کتب انہی موضوعات کے گرد گھومتی ہیں۔ آپ کی وفات ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۰ء اسلام آباد میں ہوئی اور کراچی میں پاپوش نگر کے قبرستان میں آسودۂ خاک ہوئے۔

حرف آغاز

خطاطی اور خوش نویسی مسلمانوں کا خاص فن ہے۔ درحقیقت اس فن شریف کا تعلق قرآن مجید سے ہے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتابِ ہدایت ہے۔ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے محور قرآن مجید ہے۔ ہر مسلمان اس کتاب سے محبت رکھتا ہے اور روزانہ اس کی تلاوت کرتا ہے۔ اس کی تلاوت نے تجوید و قرأت کے فن کو پیدا کیا، اس کی کتابت نے تجویدِ خط یعنی خوش نویسی کے فن کو پیدا کیا۔

روزِ اول سے مسلمان معاشرہ اس فن شریف کا قدرداں رہا ہے، بادشاہ اور امراء سے لے کر عوام الناس تک اس کی توقیر و تقدیس میں برابر شریک رہے ہیں، ان قدردانوں کے زمرے میں خلفاء، سلاطین، امراء، علماء، حکماء، صوفیاء اور عوامی سطح پر معمار، حداد، زرکوب وغیرہ سب کے نام ملتے ہیں۔ درحقیقت خوش نویسی سے دلچسپی کا ذوق مسلمان معاشرے میں عام تھا۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے ۔

خط از جملہ ہنر ہا بے نظیر است
چوں روح اندر تن برنا و پیر است
اگر منعم بود آرائش اوست
وگر درویش باشد دستگیر است

جب تک مسلمانوں کو عروج رہا قدردانی کا یہ عالم بدستور قائم رہا۔ مگر جب سے بلادِ اسلامیہ پر فرنگی اقوام کی یلغار ہوئی ہے اور مغربی تہذیب نے مسلمانوں کے دل و دماغ کو متاثر کیا ہے اس وقت سے اس فن کا زوال شروع ہوگیا۔ سنگی طباعت اور آہنی طباعت نے فنِ خوشنویسی کی اہمیت گھٹادی۔ معیاری فن پاروں کی بجائے زود نویسی کی طلب بڑھ گئی۔ ماہر اساتذۂ فن بتدریج کسمپرسی کا شکار ہوگئے۔ فن خوشنویسی پر ادبار کے بادل چھاگئے۔ درس گاہوں میں فن کی ابتدائی تعلیم متروک ہوگئی۔

لیتھو کی طباعت میں چونکہ کاتبوں کی ضرورت پڑتی ہے لہذا اس وجہ سے یہ فن زندہ رہا۔ کتابت کی ضرورت نے زندہ رکھا۔ ان سخت نامساعد حالات میں بھی چند لوگ ہیں جو فن کی عظمت کا جھنڈا بلند کئے ہوئے ہیں۔ ورنہ بحیثیت مجموعی مسلمان معاشرہ اس فن کی سرپرستی اور قدردانی سے غافل ہو چکا ہے۔ البتہ حال ہی میں ٹیلی ویژن کی وجہ سے خطاطوں کی طلب پیدا ہو گئی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ فن کے احیاء پر اس کے اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔

ان حالات میں ہمارے دوست ملک نواز احمد اعوان، اس فن کے شیدائی بلکہ عاشق ہیں۔ ان کے غیر معمولی شوق کو دیکھ کر آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ وہ ہر دم اس فن کو زندہ کرنے اور مقبولِ عام بنانے کے جذبے سے سرشار رہتے ہیں۔ ان کی تمنا ہے کہ اس فن کا پھر احیاء ہو۔ وہ چاہتے ہیں کہ جامعات کے اندر شعبہ صحافت میں اس فن کی بھی تدریس ہو۔ انہوں نے احقر کو ڈھونڈ نکالا۔ اور پھر اپنی نوازشات اور لطیف اندازِ ترغیب سے احقر کو آمادہ کر لیا کہ وہ فنِ خطاطی کی تاریخ لکھے۔

مجھ سے غالب یہ علائی نے لکھائی ہے غزل

احقر اس عظیم فن کی باریکیوں سے ناواقف ہے۔ فن کا ایک ادنیٰ سا طالب علم ہے۔ اس کتاب کے اندر اس کی حیثیت ایک ناقل کی ہے۔ تمام مضامین دوسرے مصنفین کی کتب سے ماخوذ ہیں۔ خاص طور پر حبیب اللہ فضائلی اصفہانی کی قابل قدر کتاب ''اطلس خط'' سے میں نے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔ قاری کے لئے عام فہم کتاب تیار ہو گئی ہے۔ جس میں فن کے ارتقاء کو مرتب انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس سے قبل اردو زبان میں فن خطاطی پر کوئی جامع کتاب موجود نہیں ہے۔ اس میں پاکستان کے قلم کاروں کا حصہ نمایاں کرنے کی خاص طور پر کوشش کی گئی ہے۔

فن خطاطی پر لکھنے والے عام طور پر تین قسم کے اشخاص ملتے ہیں۔ بعض لوگوں نے مبتدیوں کو فن کی تعلیم دینے کے لئے ابتدائی نوعیت کی کتابیں لکھیں ہیں۔ بعض لوگوں نے اساتذہ فن کے حالات بیان کئے ہیں۔ بعض دوسرے اصحاب نے فن پاروں پر گفتگو کی ہے۔ اس کی تحسین اور توقیر کے پہلو بیان کئے ہیں۔ یہ تمام کوششیں مستحسن ہیں۔ مگر میرے خیال میں فن کی مرتب تاریخ کا معلوم ہونا نہایت ضروری ہے۔ یہ فن کن کن مراحل سے گزر کر موجودہ مقام عالی تک پہنچا ہے، کن اساتذۂ فن کی کوششِ بلیغ کے نتیجے میں فن نے ترقی کی ہے۔ راستے کے نقوش اور سنگ میل کیا کیا ہیں۔ جب تک فن کے ارتقائی ادوار پر نظر نہ ہو فن پاروں کی صحیح قدر و منزلت اور تحسین نہیں کی جاسکتی۔ اس کے بعد ہی مرقعات اور اساتذہ کی وصلیوں کی قدر و قیمت متعین کی جاسکتی ہے۔ اس مطالعے سے یہ دو فرق تحسین اور نگاہ حسن و خوبی بیدار ہو چکی ہوتی ہے۔ تنقید فن کا ملکہ پیدا ہو چکا ہوتا ہے۔

کتاب کے مطالعہ کنندگان سے ایک گزارش کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ فن خوشنویسی معروضی نہیں بلکہ موضوعی فن ہے۔ تحسین اور توقیر میں ذاتی آراء کو بہت زیادہ دخل حاصل ہے۔ اس کے دائرہ کار میں اختلافِ ذوق اور اختلافِ رائے کا پیدا ہونا بالکل فطری امر ہے۔ اس لئے ضروری نہیں ہے کہ ہر جگہ مؤلف کے نقطہ نظر کو تائید حاصل ہو۔ پھر میرے جیسے کم سواد کی اس کوشش میں تو اغلاط اور اسقام کا پایا جانا بھی کچھ بعید نہیں ہے۔ میں اساتذہ کرام اور ماہرین فن حضرات سے

درخواست کرتا ہوں کہ وہ چشم پوشی نہ کریں بلکہ اصلاحِ اغلاط اور سدِ رخنہ میں ساعی ہوں۔ تاکہ نقشِ ثانی اول سے بہتر نکلے۔

چونکہ یہ کتاب عمومی مطالعے کے لئے ہے اس لئے ہر بات کے لئے حوالہ دے کر کتاب کو بوجھل نہیں بنایا گیا ہے۔ جہاں کوئی خاص بات ہے وہاں میں نے حوالہ دیا ہے۔ البتہ آخرِ کتاب میں کتبِ استفادہ کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

آخر میں میں اپنے دوست اعوان صاحب کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ حالانکہ ان کی مہربانیاں رسمی شکرئے سے مستغنی ہیں۔ اگر وہ اس فن پر لکھی گئی تمام ضروری کتب مہیا نہ کر دیتے تو شاید میں لکھ بھی نہیں سکتا تھا اور جو کتابیں انہوں نے مہیا کر دیں وہ میں کوشش کے باوجود بھی جمع نہیں کر سکتا تھا۔ درحقیقت اس کتاب کی تیاری ان کی کوششوں اور نوازشوں کی مرہونِ منت ہے۔

اس کی تیاری میں ان کا حصہ کسی طرح کم نہیں ہے۔

غرض نقشے است کز ما یاد ماند
کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحب دلے روزے برحمت
کند در حق ایں مسکیں دعائے

اس کتاب کا مسودہ رکھا ہوا تھا۔ طباعت کی کوئی صورت بن نہیں رہی تھی۔ پیش رفت اس وقت ہوئی جب محترم خلیق احمد صاحب نے جو فن خطاطی کے شوقین ہیں، مجھ سے ملاقات کی اور اس مسودے کو نستعلیق کمپوزنگ کرنے کے ارادے سے اپنے ساتھ ریاض سعودی عرب لے گئے۔ اس پر بھی ایک مدت گزر گئی۔ پھر انہوں نے زید بن خلیل الحامدی کو دریافت کر لیا اور کمپوز کرنے کے لئے مسودہ ان کو دیدیا۔ زید صاحب نے محنت اور شوق سے اس کو نستعلیق کمپوز کیا۔ وہ چونکہ عربی زبان سے واقف ہیں، اس لئے اس کتاب میں آمدہ الفاظ اور اشعار صحیح طریقے سے تحریر کئے۔ بہرکیف محترم خلیق احمد صاحب کی عنایاتِ بے غایات شاملِ حال نہ ہوتیں تو معلوم نہیں یہ مسودہ کب تک پڑا رہتا۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں ان کی عنایات کا شکریہ ادا کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

بہت جی خوش ہوا حالؔی سے مل کر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

محمد سلیم

۲۴ر اکتوبر ۱۹۹۶ء

اظہارِ تشکر

صاحب مقدمہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے ضعیف العمری اور نقاہت کے باوجود اس ضخیم کتاب کا بالاستعاب مطالعہ فرمایا۔ اور پھر اس پر ایک گراں قدر مقدمہ تحریر فرمایا۔ جس میں انہوں نے کتاب کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے اور وجوہِ محاسن کو واضح فرمایا ہے۔ نیز محبی ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے بھی نوازش فرمائی اور دیباچہ تحریر فرمایا، ان دو گراں قدر اضافوں سے اس کتاب کی قدر و قیمت میں قابلِ تعریف اضافہ ہو گیا ہے۔

اس نوازش اور مہربانی کے لئے میں ان دونوں بزرگوں کا بے حد ممنون اور شکر گزار ہوں۔

اللہ تعالیٰ دونوں بزرگوں کو مزید عمر دراز دے اور صحت و توانائی سے نوازے۔

محمد سلیم

مُقَدّمۃ

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

پروفیسر ایمریطس، سندھ یونیورسٹی، حیدر آباد

باسمہٖ تعالیٰ حامداً و مصلیاً

پروفیسر سید محمد سلیم صاحب مشہور فاضل اور معروف محقق ہیں۔ وہ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ اسلام اور اہل اسلام کی تاریخ ان کا خاص موضوع ہے۔ نکتہ رسی ان کے مزاج اور مذاق کا خاصہ ہے اور وہ ایسی چیزیں نکالتے ہیں کہ قاری چونک پڑتا ہے۔

فن خطاطی سے متعلق یہ فاضلانہ کتاب انہوں نے ۱۹۸۲ء میں مرتب کی تھی۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں ۱- خط اور خطاطی کی تاریخ، ۲-پاک و ہند میں خطاطی۔ ان کے علاوہ بہت دلچسپ حصہ ان عظیم خطاطوں کے خطوں کے نمونے ہوں گے جن پر مسلمان قوم فخر کر سکتی ہے۔ پہلا حصہ زیادہ تر حبیب اللہ فضائلی اصفہانی کی کتاب اطلس الخط سے ماخوذ ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس "حدیث دیگراں" کو بھی یہاں دہرا لیا جائے۔

فن خوش نویسی معروضی نہیں، موضوعی ہے۔ زبان کس طرح بنی؟ خیالات کے لئے وہ آلہ کار کب اور کس طرح بنی؟ اس کی تصویر سازی کی گئی۔ خاکے تیار ہوئے۔ رمز یہ نقوش خاص خاص تصورات کے ساتھ وابستہ کئے گئے۔ پھر آواز نگاری کا دور آیا اور حروف ابجد شروع ہوئے، اس طرح خیالات اور افکار کو دور دور تک پہنچانا آسان ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ فن تحریر کا آغاز حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانے سے ہوا۔ پھر کاغذ تو کیا پتھر کی سلیں، اور

دھات پترے استعمال ہوئے۔ ہرن کی کھال، قرطاس اور قلم نے اپنا دور شروع کیا۔ بعد میں عراق کا خط شروع ہوا۔ علم نجوم (مہینوں، دنوں اور گھنٹوں کی تقسیم) وہیں کی یادگار ہے۔ وہیں کی قوم Sumer نے خط "خط میخی" ایجاد کیا۔ بعد میں کلدانی اور آشوری قوموں نے بھی اس خط کو قائم رکھا۔ (پانچ سو سال قبل مسیح)۔ دارا اوّل نے کوہ بے ستون پر ایک کندہ کرایا تھا۔ جس میں تین زبانیں تھیں ان کے پڑھنے سے بابلی تہذیب کے بہت سے نقوش ظاہر ہوئے۔ مصری تحریر میں قرآنی الفاظ اور بابلی تحریر میں ان الفاظ کی کتابت بھی ایک امتیازی چیز ہے۔ اس بحث کے بعد حروف ابجد کی ابتداء مذکور ہے۔ اس میں سامی نسل کی شاخ آرامی اور پھر اس کی شاخ فینیقی کا ذکر ہے، جس نے بڑا عروج پایا تھا۔ اس شاخ نے بحر و بر میں تجارت کی ابتداء کی۔ بحر اوقیانوس کو انہوں نے عبور کر لیا تھا اور کولمبس سے دو ہزار سال پہلے وہ جنوبی امریکہ بھی پہنچ چکے تھے۔ برازیل میں ایک کتبہ ملا ہے جو آرامی زبانوں میں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آرامی ملاح وہاں قبل مسیح پہنچ چکے تھے۔ بابل اور مصر میں علاماتی نقوش ایک منزل تک پہنچ کر رک گئے تھے لیکن آرامی قوم نے ان نقوش کی مدد سے الفاظ اور کلمات کے لکھنے کی قدرت حاصل کی، اور ۲۲ حروف ابجد، ھوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت لکھ لئے، اور یہ تمام حروف سامی زبانوں میں پہلے کے پائے جاتے ہیں۔ یہ ابجدی تحریر جو داہنی طرف سے لکھی جاتی ہے، بارہ سو پچاس سال قبل مسیح کی ہے۔ پھر ایک باب آرامی خط کے متعلق ہے۔ جوام الخطوط ہے۔ آرامی قوم نے بحر ہند اور دوسرے علاقوں تک تجارت کر رکھی تھی۔ اس لئے بہت سی اقوام نے اپنی سہولت کے لئے آرامی خط اختیار کر لیا تھا۔ اس کے ذیل میں یونانی، عبرانی، سریانی، قدیم ایرانی، مسند، نبطی، خروشتی، ناگری وغیرہ خطوں کا ذکر آجاتا ہے۔ کہ وہ کن ازمنہ میں مقبول تھے پھر عربی خط کا ذکر ہے۔ مکی اور مدنی خط کی خصوصیات بتائی ہیں۔

اس بحث کے بعد عربی خط کی تشکیل اور تکمیل پر بحث ہے۔ ایک باب میں کتابت کے لئے اشیاء کا ذکر بھی ہے۔ بھوج پتر، ناریل، کھجور، کھال، سل، دھات پھر کاغذ کا ذکر آتا ہے۔

ذیلی ابواب میں خط کوفی، خط معقلی، اور خط طومار کی کیفیت درج ہے۔ حسن نظر اور ذوق جمال ان سب کا پس منظر ہے۔ حسن قرأت اور حسن تعبیر بھی اسی پس منظر کے ارکان ہیں۔ خط کوفی مغربی، کیروانی، کرتبی، تونسی، جزائری، فاسی، سودانی، (تکرانی) بغدادی کی بحث بھی اسی ذیل میں ہے۔ خط محقق و ریحان، خط ثلث، خط توقیع، رقاع، غبار اور مسلسل کی تفصیل بھی آتی ہے۔ ابن مقلہ، ابن بواب اور یاقوت کے کارنامے بھی مذکور ہیں۔ خط و کتابت کے متعلقات یعنی رق، قرطاس، قلم کے ساتھ ساتھ شجرہ خطاطان اور کتب فن بھی یاد دلائی گئی ہیں۔ عربی خط کا عروج خط تعلیق، خط دیوانی، رقاع، اور سیاقت کی بحث بھی آجاتی ہے۔ خط نستعلیق کے ماہرین اور خط شکستہ کے بعض خطاط کا ذکر بھی آتا ہے۔ پھر دبستان ہرات، دبستان بخارا، دبستان ایران، دبستان ترکی، دبستان مصر کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ اسی کے ساتھ حجاز، عراق، ایران اور افغانستان کے خاص خاص خطاطوں کا ذکر ہے۔

یہاں تک حبیب اللہ فضائلی کی کتاب "اطلس الخط" کے مضامین کا خلاصہ ہے لیکن کتاب کا دوسرا حصہ جو پاک و ہند کی خطاطی کے متعلق ہے وہ محترم پروفیسر صاحب کی خاص کاوش اور سخت کوشی کا نتیجہ ہے۔ اس حصے میں ۱۸ ابواب ہیں۔ سب

سے پہلے عربی دور کے کتبات کا ذکر ہے، پھر غزنوی عہد کے کتبات پر بحث ہے۔ اسی کے ذیل میں خط بہار کا ذکر بھی ہے جو ساتویں صدی ہجری سے نویں ہجری تک لکھا جاتا رہا، پھر متروک ہو گیا۔ اس خط کی اصل بھی بتائی ہے کہ بہار، بہ آہار سے مرکب لفظ ہے۔ آہار کے معنی "چپکانے والی لئی" دو یا تین کاغذوں کو آہار (لئی) کے ذریعے چپکا کر "وصلی" بناتے تھے، پھر اس کو خشک کر کے اس پر خوبصورت خط میں اشعار یا کوئی آیت وغیرہ لکھا کرتے تھے۔ یعنی بغیر بہار کے "وصلی" تیار نہیں ہوتی تھی۔

اوپر غزنوی عہد کتابت کے ساتھ گجرات، مالوہ، دکن، اور بیجاپور کی کتابت کا ذکر بھی ہے۔ پھر داستان مغل شروع ہوتی ہے۔ جس میں بابر اور ہمایوں کے زمانے کی کتابت مذکور ہے۔ اس بعد اکبری عہد شروع ہوتا ہے۔ پھر جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگزیب کے زمانے میں اس فن کی ترقی بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد کے باب میں خط نسخ کا احیاء بتایا گیا ہے اور خاص خاص خطاطوں کا بھی ذکر ہے۔ پھر عہد مغلیہ کے زوال کے زمانے کے خطاط بھی ڈھونڈ نکالے ہیں۔ ساتھ ہی کتابت کی اشیاء جو اس زمانے میں رائج تھیں۔ ان کا ذکر بھی آتا ہے۔ ان اشیاء کے ساتھ پھر وصلی کا ذکر ہے۔ برطانوی عہد کی خطاطی، ریاستوں میں خطاطی، سندھ میں خطاطی، سرحد اور کشمیر میں، پنجاب اور بہاولپور میں بھی اس فن کی ترویج کی تفصیل ہے۔ پھر فن خوش نویسی کا احیاء کس طرح ہوا اور کس نے اس میں حصہ لیا، اس کی تفصیل ہے۔ آرائش اور زیبائش کے خطوط۔ مرقعات وغیرہ کی تفصیل بھی آتی ہے۔ آخر میں اس فن کے اصول (اور ان کے ساتھ صنائع بدائع)، نیز مسلمانوں میں اس فن کی قدر و منزلت کے اسباب بیان کئے ہیں ساتھ ہی ایک باب میں اس فن پر متقدمین کی کتابوں کا ذکر ہے۔ پھر فہرست مضامین اور حواشی (مفصل) کے ساتھ کتاب ختم ہوتی ہے۔ لیکن عظیم خطاطوں کے خطوں کے نمونے بھی ساتھ میں ہوں گے۔

کتاب کے اس سرسری جائزے سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اردو میں یہ منفرد کتاب ہے بلکہ اس قدر جامعیت کے ساتھ نہ صرف اردو میں بلکہ فارسی، عربی اور انگریزی میں بھی کوئی کتاب موجود نہیں۔

اللہ تعالیٰ مصنف فاضل کو اجر عظیم عطا فرمائے اور صحت کے ساتھ سلامت با کرامت رکھے۔ آمین ثم آمین!

احقر غلام مصطفیٰ خاں۔

۷ ربیع الآخر ۱۴۱۸ھ

○○○○○○○○○○○○○○○○○

ورفعنا لك ذكرك
١٣٩٧ھ
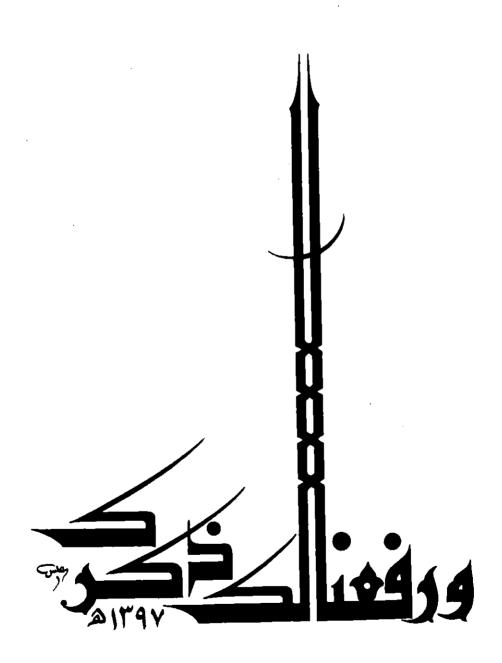
ڈاکٹر وحید قریشی

پروفیسر ایمریطس، پنجاب یونیورسٹی

دیباچہ

پروفیسر سید محمد سلیم کی کتاب ''تاریخ خط و خطاطین'' اس لحاظ سے امتیاز رکھتی ہے کہ ۱۹۹۰ء تک خطاطی کے سلسلے میں جتنا اہم کام ہوا ہے، اس سب کو انہوں نے سمیٹ دیا ہے۔ خصوصاً خط کے ارتقا اور اس کے اصل منابع کے بارے میں، بیسویں صدی کے اوائل میں جو مفروضے قائم تھے وہ سبھی ختم ہو چکے ہیں اور اب ہم کتب شناسی اور قدیم زبانوں کے لسانی پہلوؤں کے بارے میں نئی معلومات کی روشنی میں بعض مفروضے ترک کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ پروفیسر محمد سلیم عربی مآخذ پر گہری نظر رکھتے ہیں اور قدیم کتب تاریخ اور کتبہ شناسی پر دسترس کی بنا پر ہمیں بہت سا نیا مواد دینے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۸ء تک کے زمانے میں ایران میں جو نیا کام ہوا ہے، اگرچہ اس میں اس سے استفادہ نہیں کیا گیا، لیکن اس سے اپروچ میں کوئی بنیادی فرق نہیں پڑتا۔

اردو زبان میں خط کی تاریخ پر انجمن ترقی اردو نے ایک مفصل کتاب شائع کی تھی۔ سنسکرت اور قدیم فارسی کے باہمی اشتراک کے بارے میں بنیادی معلومات اٹھارویں صدی میں معلوم ہو چکی تھیں۔ خان آرزو غالباً پہلے آدمی ہیں جنہوں نے توافق لسانین کا نظریہ پیش کیا، اور زبانوں کے اس اشتراک کی بنیاد پر بعض لسانی مفروضے قائم کئے۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے بانیوں نے اس سلسلے میں کئی نئے پہلوؤں سے تحقیق کی۔ اس اشتراک کو بنیاد بناتے ہوئے پروفیسر محمد سلیم نے خط اور خطاطی کی تاریخ کو ترتیب دیا ہے۔ عموماً خطاطی کی کتابوں میں رسم الخط اور خطاطی کے سوانحی حالات پر توجہ رہی ہے اس لئے ہمارا بیشتر علمی ذخیرہ خطاطی کے بجائے خطاطوں کے حالات کا انسائیکلوپیڈیا بن گیا ہے۔ خوبی کی بات یہ ہے کہ پروفیسر صاحب

نے خطاطوں کے مقابلے میں خطاطی کے تکنیکی پہلوؤں کو زیادہ اہمیت دی ہے اور بعض آس پاس کے موضوعات کو بھی پیش نظر رکھا ہے، مثلاً کاغذ، قلم، قطن، کے علاوہ لفظوں کی پیمائش اور تناسب پر جو معلومات دی ہیں اس سے موجودہ دور کا قاری اس تاریخی سرمائے سے پوری آگاہی حاصل کرلیتا ہے، خصوصاً متعلقہ اور مربوط کلام کے بارے میں اصطلاحات کی وضاحت بھی کردی گئی ہے۔ جس سے قاری کو اس سرمایہ علمی سے استفادہ کرنے میں آسانی رہتی ہے۔ اگرچہ ان سے پہلے خطاطی کے جمالیاتی پہلوؤں اور خطاطی کے عہد بہ عہد ارتقاء کے بارے میں مجمل طور پر اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔ خصوصاً تناسب، سطح اور دور وغیرہ کی وضاحت کردی ہے۔ لیکن عہد حاضر کے قاری کو مروجہ زبان میں ان نکات تک پہنچانے میں پروفیسر محمد سلیم کی یہ کتاب بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ انہوں نے مختلف قلموں کے فرق، خصوصیات، علاقوں کے اسلوب خطاطی اور اس کے تکنیکی پہلوؤں کو بڑی عمدگی سے گرفت میں لیا ہے، اور جدید معلومات کی روشنی میں قاری کے سامنے ایک مفصل تصویر پیش کردی ہے۔ مختلف زبانوں کے رسم الخط میں جو اشتراک کے پہلو ہیں ان پر آغاز کتاب ہی میں پروفیسر صاحب نے مفصل روشنی ڈالی ہے۔ عربی رسم الخط کے بارے میں تین مفروضوں پر مفصل بحث کرکے انہوں نے بتایا ہے کہ عربی رسم الخط بنیادی طور پر آرامی رسم الخط کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے۔ اسی ضمن میں اشیائے کتابت کا بھی تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے اور بھوج پتر، ناریل اور کھجور، کھال، پتھر کی سلوں، دھات اور کاغذ کے بارے میں بڑی مفید معلومات شامل کتاب کی ہیں۔ اسی طرح قلم خط اور قط کے سلسلے میں پیمائش کا جو سلسلہ عربی اور فارسی میں رائج رہا ہے اس پر بھی انہوں نے مفصل روشنی ڈالی ہے۔

علاوہ ازیں متعلقات سامان تحریر خصوصاً "ورق" یعنی ورق الغزال، قرطاس، قلم، فن کتابت کی اصطلاحات مثلاً تحقیق، تشفیق، توفیق وغیرہ کی وضاحت سے موجودہ دور کا قاری پہلی بار روشناس ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے ہاں خطاطی کی ترقی اور پیش رفت دیگر علوم کی طرح قرآن کے حوالے سے ہوئی ہے۔ مطالعہ قرآن کے وسیلے سے مختلف علوم وفنون نے جنم لیا۔ اسلام کی سماجی تاریخ کا یہ ایک عجیب وغریب سلسلہ ہے کہ جملہ علوم، قرآنی ضرورتوں کے تحت وجود میں آئے اور انہوں نے نشوونما پائی۔ علم تجوید، قرآن کو صحت کے ساتھ پیش کرنے کا ایک طریقہ تھا، علم معانی و بیان میں بصرہ و کوفہ میں ترقی کی راہیں کھلیں، ان کا اصل منبع قرآنی مطالعہ ہی تھا۔ جس کی خاطر صرف ونحو کو ایک خاص انداز میں ترقی دی گئی۔ اس طرح خطاطی کے بنیادی مخرج دو تھے۔ ایک قرآن کی کتابت کے حوالے سے تزئینی خطوں کی ایجاد، خط کوفی سے نسخ اور نستعلیق تک کا سفر درحقیقت خطاطی کے اسی ذوق و شوق کی پیداوار تھا جس میں دوسری زبانوں میں تو مصوری میں انسانی اشکال کو اہمیت ملی لیکن مسلمانوں کے ہاں سنگ تراشی کو بت گری سے الگ کرکے ریاضی کے اصولوں کا پابند بنایا گیا۔ اس ارتقائی طریق کار کے نتیجے میں موسیقی بھی ریاضی ہی کی ایک شاخ رہی۔ قرآن کو لحن کے ساتھ پیش کرنے میں موسیقی کا جو دخل ہے اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ جیسے جیسے مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ بڑھا نظام حکومت کی ضرورتیں بڑھتی چلی گئیں، مسلمانوں نے دوسری تہذیبوں سے اخذ وانجذاب کا طریقہ برت کرنئے راستے نکالے۔

دفتری امور میں اور فرامین میں کتابت سے ضرور تا کچھ نئی شکلیں بھی اختیار کیں، اس سلسلے میں ایرانی تمدن سے بہت کچھ استفادہ کیا تھا۔ کاتبوں نے فرمان نویسی، مکتوب نویسی کے علمی پہلوؤں کے علاوہ کتابت کے حوالے سے بھی بعض نئے رجحان پیدا کئے جس سے خطاطی نے کسی حد تک دنیاداری کا رنگ بھی اختیار کیا۔ لیکن بنیادی نکتہ وہی قرآنی رویہ تھا جس میں مصوری بندھے ٹکے اصولوں کی پابندی ہوگئی اور خطاطی میں ایسے اصول وضع ہوئے جو ریاضی کے اصولوں پر مبنی تھے۔

الف کے پانچ قط، ب کے سات قط، اور ج کے دائروں کے درمیانی حصوں میں تین قط کا عمل دخل ہر صدی میں ایک خاص قسم کے ریاضیاتی اصول کا پابند رہا اور خطاطی، جانوروں اور پرندوں کے نمونے بنانے میں کم صرف ہوئی اور اپنے ریاضیاتی اصولوں، کے تحت جمالیاتی طرز احساس کو مہمیز کرنے کا سبب رہی۔ تزئینی خطوں کے علاوہ رسم الخط کے ارتقاء میں مختلف ادوار کی کارکردگی خصوصاً بنوامیہ اور بنو عباس کے زمانے میں فن کی تکمیل کا احساس، خطاطی کی متبرک حیثیت کو نظرانداز نہ کر سکا۔ کاتب کے لئے حسن خط کی خاطر پابند صوم وصلوٰۃ ہونا اور نیک خصلت ہونا ضروری رہا۔ خطاطی ایک فن ہی نہیں، وہ ایک عبادت بھی تھی جس کے حصول کے لئے محنت، اور خلوص نیت، نیکی اور نیک خصوصیات بھی ضروری رہیں۔ فن خطاطی کا ایک رشتہ زمانی بھی ہے۔ ہر عہد میں مختلف سماجی ضرورتوں، تخلیقی صلاحیتوں اور زمانی اثرات کے تحت، خطاطی کے فن میں بھی تبدیلیاں آتی رہیں۔ کوفی سے لے کر نستعلیق کا سفر زمانی اثرات کا پابند بھی ہے۔ روشنائی کے لئے جو چیزیں ایران میں تھیں، ہندوستان میں ان سے مختلف اشیاء سے کام لیا گیا۔ زیادہ تر نباتاتی اور جماداتی وسیلوں سے رنگ حاصل کئے گئے۔ اسی طرح کاغذ سازی میں بھی ریشم کے علاوہ چاول اور بعض دوسری اشیاء کی آمیزش سے مختلف علاقوں کے کاغذ، اپنی رنگ، جسامت اور سطح کے اعتبار سے مختلف ہوتے چلے گئے۔ ایران میں اگر سمرقندی کاغذ کی شہرت تھی تو برصغیر پاک و ہند میں کشمیری اور سیالکوٹی کاغذ نے شہرت پائی۔ یورپ میں اگر بیپرس کے درخت کو کاغذ کے طور پر برتا گیا ہے تو مسلمان ممالک میں بھی ابتداء میں لکھنے کے لئے دھات اور پتھر کے بعد جانوروں کی کھالوں سے اور درختوں کے پتوں سے یہی کام لیا گیا لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ یہ دیرپا نہیں اور بہت جلد انہیں کیڑا لگ جاتا ہے، کاغذ کی طرف توجہ مبذول ہوئی اور اس کو آگے چل برتری حاصل ہوگئی۔

مختلف قسم کے ریشوں سے کاغذ بنانے کا عمل ایران میں زیادہ ترقی پذیر ہوا۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی کاغذ سازی کے کارخانے پورے خطے میں پھیلے ہوئے تھے اور اپنی اپنی علاقائی ضرورتوں کو پورا کرتے رہے اور جن ریشوں میں دیرپائی کا امکان تھا اسے ملک کے دوسرے حصوں، بلکہ برصغیر پاک وہند سے باہر بھی بھیجا جانے لگا۔ اگر سمرقندی کاغذ دیرپائی، مضبوطی اور نمی کو روکنے میں اس لئے کارآمد تھے کہ اس میں نمک کے اجزا بہت کم تھے تو کشمیری کاغذ بھی دیرپائی میں آپ اپنی مثال تھا۔

پروفیسر محمد سلیم نے اگرچہ خط اور خطاطی کی تاریخ میں سے چار ابواب میں خطاطی کے مختلف استادوں اور عرب ایران میں مختلف اسالیب خط کی نشان دہی کی ہے اور ایران کے بعد مصر اور دیگر اسلامی ممالک میں عرب میں خطاطی کی تاریخ کو عصر حاضر تک بیان کیا ہے۔ لیکن ان کی زیادہ توجہ پانچویں باب سے برصغیر پاک وہند کی خطاطی کی طرف منتقل ہوگئی۔ اگرچہ

سنگلاخ کی کتاب اور ''صحیفہ خوش نویساں'' میں تفصیلات موجود ہیں مگر مختلف نکات ہندوستان میں سلاطین اور مغلوں کے عہد میں مقامی طور پر جس خطاطی کو فروغ حاصل ہوا خصوصاً جس طرح درباروں سے باہر مختلف مقامات، خطاطی کے مراکز کے طور پر ابھرے اس کی اتنی تفصیل ہمیں اور کہیں یکجا نہیں ملتی۔ سندھ میں خطاطی، پنجاب اور بہاولپور میں خطاطی اور پھر عہد حاضر میں بعض اہم خوشنویس اور ان کے انداز کتابت کو جس طرح مصوری کی ایک شاخ بنانے کی سعی کی گئی اور پرانے اصولوں سے انحراف کیا گیا ہے اسے پہلی بار پروفیسر صاحب نے بیان کیا ہے۔ آرائشی خطوط میں خط ناخن وغیرہ پر بھی پہلی بار تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ قلمی کتابوں پر درج کئی اصطلاحات کی وضاحت بھی پہلی بار کی کہ عرض دیدہ شد، بلغ، ترقیم اور تملقات وغیرہ کی اصطلاحوں کو انہوں نے عام قاری کے لئے حل کر دیا ہے۔ اس طرح فن خطاطی کے اصول اور صنائع اور بدائع کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ترکیب، کرسی، تناسب، قوت، ضعف، سطح دور اور صعود و نزول کی اصطلاحوں کے علاوہ ان صنعتوں پر بھی تفصیل سے بحث کی جو کاتب اپنی وصلیوں میں استعمال کرتے رہے۔ آخر میں مزید مطالعے کے لئے متقدمین کی خصوصاً شاعری کی کتابوں کو پیش کیا گیا ہے جس سے قاری، آگے چل کر بھی، مزید مطالعہ کر سکتا ہے۔

میری رائے میں پروفیسر سیّد محمد سلیم کی یہ کتاب اس مٹتے ہوئے فن کو زندہ کرنے اور آئندہ نسل تک پرانے علمی سرمائے کو پہنچانے میں بڑی مفید ہے۔ آج کے پرانے فنون مرتے چلے جاتے ہیں۔ نئی نسل، علم عروض، علم معانی و بیان، علم بدیع، تاریخ گوئی اور خطاطی سے ناواقف ہوتی چلی جارہی ہے۔ ضرورت تھی کہ ایک ایسی کتاب ان کے مطالعے کے لئے تیار کی جائے جو سادہ زبان میں لکھی گئی ہو اور جو بنیادی باتوں کو بیان کرے اور ان علوم کے سرچشموں کا جو تعلق دیگر علوم اور قرآنی آیات کے ساتھ ہے اسے پوری وضاحت کے ساتھ پیش کر دے۔ پروفیسر سیّد محمد سلیم نے خطاطی کے موضوع پر یہ مبسوط کتاب لکھ کر اس ضرورت کو کماحقہ پورا کر دیا ہے۔

ڈاکٹر وحید قریشی

۲۷ جون ۱۹۹۸ء

○○○○○○○○○○○○○○○○○

فصل اوّل

باب ۱۔ تحریر کی ایجاد

باب ۲۔ حروفِ ابجد کی ایجاد

باب ۳۔ آرامی خط ام الخطوط ہے

باب ۴۔ عربی خط کا آغاز

باب ۵۔ مکی اور مدنی خط

باب ۶۔ عربی خط کی تشکیل اور تکمیل

باب ۷۔ کتابت کے لئے اشیا

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ
١٤٢١

باب ۱
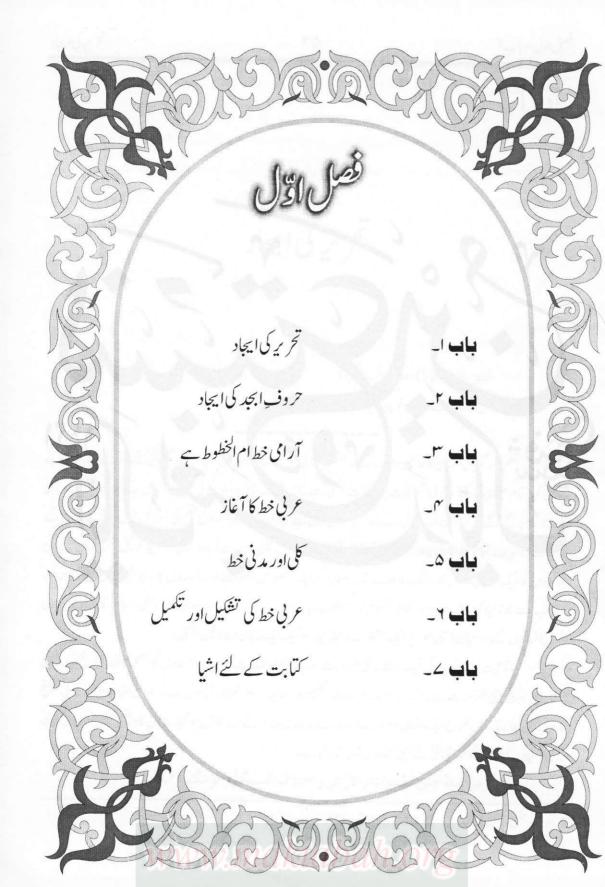
تحریر کی ایجاد

خَلَقَ الْانسان O عَلَّمَهُ الْبَیَانَ (۱)

اس (اللہ) نے انسان کو پیدا کیا اور اس نے اس کو گویائی عطا کی۔

تکلم اور گویائی انسان کا خاص وصف ہے۔ گفتگو کرنا بنی نوعِ انسان کا خاص امتیاز ہے۔ گویائی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام حیوانات بلکہ ساری مخلوقات پر فضیلت بخشی ہے۔ اس شرف میں دوسرا کوئی حیوان انسان کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ انسان کے گلے کی ساخت اللہ تعالیٰ نے کچھ اس طرح بنائی ہے کہ اس سے وہ ہزاروں قسم کی آوزیں نکال سکتا ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے تمام حیوانات چند مخصوص آوازیں تو نکال سکتے ہیں لیکن ان سے زیادہ نہیں۔ مزید توفیق پاکر انسان نے ان آوازوں کو ایک ضابطے میں اور ایک قاعدے میں منضبط کرلیا۔ مخصوص اصوات اور آوازوں کا ربط مخصوص مفہومات اور مطالب سے جوڑ لیا گیا۔ حروف اور الفاظ مفہوم اور مطلوب بیان کرنے لگے۔ الفاظ اور معانی میں باہمی ربط کو قائم ہوگیا۔ اس طرح انسانوں کے درمیان ذہنی طور پر ایک مشترک رابطہ تیار ہوگیا۔ ایک زبان وجود میں آگئی۔

اجتماعیت پسند انسان کی ایک بہت بڑی ضرورت اپنے افکار وخیالات دوسرے انسانوں کو سمجھانا تھا۔ ابلاغ اور تفہیم انسان کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ انسان کو ایک ایسا رابطۂ تفہیم اور ذریعہ درکار تھا جو انسانوں کے درمیان افکار وخیالات کی تبلیغ کا سبب بن جائے۔ اس طرح ایک انسان دوسرے انسان سے بات چیت کرنے کے قابل ہوگیا۔ زبان کا وضع کرنا انسان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں میں شمار کیا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ (۲)

۱۔ سورۂ رحمٰن، آیت ۳-۴،   ۲۔ سورۂ روم، آیت ۲۲،

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔

انسان نے دور دراز خطوں میں اور مختلف ماحول میں رہائش اور سکونت اختیار کی۔ صدیوں تک مختلف انسانی قبائل سب سے کٹے ہوئے الگ تھلگ زندگی بسر کرتے رہے۔ ماحول کی تبدیلی سے نئے الفاظ پیدا ہوئے، نئے معانی پیدا ہوئے۔ جس کے باعث مختلف زبانیں وجود میں آگئیں، آج دنیا میں ہزاروں زبانیں اور بولیاں پائی جاتی ہیں۔ بڑی بڑی زبانیں جن کو ام الالسنہ کہا جاتا ہے وہ بھی آٹھ دس سے کسی طرح کم نہیں ہوں گی۔

الَّذِی عَلَّمَ بِالْقَلَمِ - عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ (۱)

وہ (اللہ) ہے جس نے انسان کو قلم سے سکھایا اور وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

زبان کی ایجاد کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو مزید توفیق بخشی اور اس نے تحریر کا فن ایجاد کر ڈالا۔ تحریر کا فن کس نے ایجاد کیا؟ کب، کہاں اور کس طرح ایجاد ہوا؟ یہ ساری باتیں ماضی کی گم شدہ داستانیں ہیں۔ تحریر کے مختلف نقوش اور مختلف آثار جو مختلف زمان اور مکان میں دریافت ہو چکے ہیں ان کو سامنے رکھ کر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ فن تحریر کی تکمیل صدیوں میں ہوئی ہے اس سفر کے تین مرحلے بڑے نمایاں نظر آتے ہیں۔

نقل اتارنا انسان کی طبیعت میں داخل ہے۔ ابتداء میں محض تفریح طبع کے لئے انسان نے اپنے ارد گرد کے ماحول کی اشیاء خصوصاً جانوروں کی تصویریں بنانا شروع کیں۔ آغاز میں یہ تصویریں بہت بھونڈی اور بے تکی تھیں۔ لیکن بتدریج ان کے اندر صفائی آنے لگی، اور اصل سے مطابقت پیدا ہونے لگی۔ پھر تو تصویر سازی میں انسان نے بڑی مشاقی حاصل کر لی۔ جنوبی فرانس اور صحرائے اعظم میں واقع پہاڑوں کی غاروں میں اس دور کی بنائی ہوئی تصویریں ملتی ہیں۔ انسان نے تصویروں میں رنگ بھرنا بھی شروع کر دیا تھا۔ اس لئے کہ ان میں سے بعض تصویریں رنگ دار ہیں۔ اس زمانے کو تصویری دور کہتے ہیں۔ محققین کے نزدیک اس کا زمانہ پندرہ ہزار قبل مسیح ہے۔

تصویر سازی کے بعد انسان نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ پوری تصویر بنانے کی بجائے اس نے آڑی ترچھی لکیریں کھینچ کر تصویری خاکے بنانے شروع کر دیئے۔ پھر ان خاکوں کے ذریعے اس نے اپنے خیالات ظاہر کرنے کی کوشش، کی مثال کے طور پر ایک گول دائرہ بنا کر سورج کو ظاہر کیا جاتا تھا اور اس سے دن مراد لیا جاتا تھا۔ یا لہریں بناتے تھے اور دریا پانی مراد لیتے تھے۔ (۲) اس زمانے کو دور خاکہ نگاری کہتے ہیں۔ (Pictography)

خاکہ نگاری میں جب انسان نے مزید مہارت حاصل کر لی تو نقوش کی شکلیں مستحکم، پختہ اور خوبصورت ہو گئیں۔ ان کی شکلیں بھی متعین ہو گئیں، اور ان کے بنانے میں سہولت ہو گئی۔ بنانے میں وقت بھی کم خرچ ہوتا تھا۔ اس کو رمزیہ یا علامتی

۱۔ سورۂ علق، آیت ۴۔ ۲۔ تاریخ خط و نوشتہ ہائے کہن، ص ۱۲۳۔

دور (Symbolic) کہتے ہیں۔ پھر انسان نے ان رمزیہ نقوش کو خاص خاص تصورات کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ یہ در حقیقت ترقی کی جانب ایک انقلابی قدم تھا۔ اس کو تصور نگاری (Ideagraphy) کا دور کہتے ہیں۔ (ا)

آغاز میں خطِ میخی کی علامات

انسان کو مزید ترقی کی توفیق ملی۔ اس نے ان رمزیہ نقوش کو آوازوں کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ اس کو آواز نگاری (Phonography) کا دور کہتے ہیں۔ ترقی کا بھرپور قدم اس وقت اٹھایا گیا۔ جب انسان نے حلق سے نکلنے والی آوازوں کے لئے جداگانہ نقوش مخصوص کر لئے۔ ان صوتی نقوش کو حروف ابجد (Abecedary) یا حروف الفباء (Alphabet) کہتے ہیں۔ جس طرح حلق کی آوازوں کو جوڑ کر الفاظ بناتے ہیں، اسی طرح صوتی نقوش کو جوڑ کر تحریر لکھتے ہیں۔ اب ہر قسم کی آوازوں کو قلم بند کرنے کا طریقہ معلوم ہو گیا۔ اب گفتگو کو تحریر میں منضبط کرنا آسان ہو گیا۔ فن تحریر کا یہ سفر کئی صدیوں میں جا کر مکمل ہوا ہے۔ بہت سی قوموں نے مختلف ملکوں میں تحریری سفر کا آغاز کیا۔ بعض قومیں ایک سنگ میل پر جا کر ٹھٹک گئیں۔ مزید سفر جاری نہ رکھ سکیں۔ البتہ بعض ملکوں میں تحریر کا سفر منزل مراد پر پہنچ گیا۔

زبان کی تخلیق کے بعد فن تحریر کی ایجاد انسان کا سب سے عظیم الشان اور کار آمد کارنامہ ہے۔ اس کی اہمیت اور عظمت میں زمانے کے گزرنے کے ساتھ اضافہ تو ہوا ہے کمی نہیں آئی ہے، بلکہ دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ تحریر افکار اور خیالات کو محفوظ کرنے کا سب سے اہم طریقہ ہے۔ انسان کا حافظہ کمزور ہے۔ بہت سی باتیں وہ بھول جاتا ہے۔ تحریر کے ذریعے حافظے کو تقویت مل گئی۔ انسان کے افکار کو اور اس کے کارناموں کو تحریر کے ذریعے دوام اور استحکام حاصل ہو گیا۔ یہ کارنامے آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ ہو گئے۔ تحریر کے ذریعے بعد مسافت پر بھی قابو پا لیا گیا۔ تحریر کے ذریعے دور دراز ممالک میں آباد انسانوں تک افکار اور خیالات کا پہنچانا ممکن ہو گیا۔ تحریر کے ذریعے بعد زمانی پر بھی قابو پا لیا گیا۔ تحریر نے ماضی کا رشتہ حال سے اور حال کا رشتہ مستقبل سے جوڑ دیا۔ جس طرح گزشتہ زمانوں کے واقعات تحریر کی وساطت سے آج معلوم ہیں، اسی طرح آج کے واقعات آئندہ کے لوگ معلوم کر لیں گے۔ تحریر کے ذریعے انسان نے زمان اور مکان کی دشواریوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ تحریر کی ایجاد کے بعد ہی علوم و فنون، تہذیب و تمدن، مذہب و

ا۔ اطلس خط، از حبیب اللہ فضائلی، ص ۴۵، طبع اصفہان، ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء

اخلاق، تاریخ و تجربات کو ترقی اور فروغ حاصل ہوا۔ انسان کی حیرت ناک ترقی اور تہذیب و تمدن کی خیرہ کن چمک دمک میں فن تحریر نے غیر معمولی کردار ادا کیا ہے۔

صحیح طور پر یہ بات معلوم نہیں ہے کہ تحریری خط ایجاد کرنے کا شرف سب سے پہلے دنیا کے کس خطے کو حاصل ہوا؟ جدید دور میں آثارِ قدیمہ کے انکشافات ہوئے ہیں۔ قدیم تاریخ کے بہت سے گوشے بے نقاب ہوگئے ہیں۔ محققین اور ماہرین کا خیال ہے کہ دنیا میں وادیٔ دجلہ و فرات اور وادیٔ نیل دو خطے ایسے ہیں جہاں انسانی تمدن کے قدیم ترین نمونے دریافت ہوئے ہیں۔ اب تک کی معلومات کے مطابق تہذیب و تمدن کے اولین گہوارے یہی دو خطے ہیں۔ عراق (بابل) میں حضرت مسیح علیہ السلام سے نو ہزار سال قبل رہائشی مکانات کا سراغ ملتا ہے۔ اسی طرح مصر میں تمدن اتنی ترقی کر چکا تھا کہ مسیح سے پانچ ہزار سال قبل اہرام جیسی کوہ نما اور عجائب روزگار عمارات تعمیر ہو چکی تھیں جو اتنی مدت گزر جانے کے بعد بھی آج تک سالم اور محفوظ ہیں۔

یہودیوں کی مذہبی کتابوں میں قدیم زمانے کی تاریخ کے متعلق بعض روایات ملتی ہیں۔ تحریر کے متعلق ان کے یہاں روایت یہ ہے کہ!

اول من خط و خاط فهو اخنوخ سمي ادريس لكثرة درسه

پہلا شخص جس نے کپڑا سیا اور تحریر لکھی وہ اخنوخ ہیں۔ (Enoch) درس و تدریس کی کثرت کی وجہ سے وہ ادریس (۱) کے نام سے مشہور ہوگئے۔

حضرت ادریسؑ اللہ کے نبی تھے۔ ان کا زمانہ طوفان نوحؑ سے قبل بتایا جاتا ہے۔ طوفان نوحؑ کا زمانہ ۳۸۰۰ ق م متعین کیا گیا ہے۔ (۲) اسی طرح حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ اندازاً چار ہزار قبل مسیح کا ہوا۔ یہودی روایت کے مطابق تحریر کا فن چار ہزار قبل مسیح میں رائج ہوا ہے۔

قرآن مجید نے صحف ابراہیم (۳) کا ذکر کیا ہے۔ ان سے قبل کسی تحریری صحیفے کا ذکر نہیں ہے۔ وولی (Wooley) کی تحقیقات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ، ۲۱۶۰ق م سے لے کر ۱۹۸۵ق م تک ہو سکتا ہے۔ ان کی عمر ۱۷۵ سال

۱۔ قصص الانبیاء (حفظ الرحمٰن سیوہاروی) کے مطابق بابل کے قدیم ترین باشندے کلدانی (Chaldean) کہلاتے تھے۔ ان کے نبی کو یونانی میں ہرمس، عبرانی میں شیث اور عربی میں ادریس کہتے ہیں۔ وہب بن منبہ (تابعی) کی روایت کے مطابق تحریر کا فن انہوں نے ایجاد کیا تھا۔ واذکر فی الکتاب ادریس (سورۂ مریم) کے تحت تفسیر الصاوی علی الجلالین ج ۳- ص ۳۵، پر لکھا ہے!

وهوا اول من خط بالقلم و خاط الثياب واتخذ السلاح و قاتل الكفار و نظر فى علم النجوم و الحساب،

''وہ پہلا شخص ہے جس نے قلم سے تحریر لکھی، کپڑا سیا، ہتھیار بنائے، کافروں سے جنگ کی اور علم نجوم اور حساب میں مہارت پیدا کی''۔ یعنی یہ تمام علوم وفنون انہوں نے ایجاد و اختراع کئے ہیں۔

۲۔ تفسیر ماجدی، ۳۔ ان هذا لفى الصحف الاولىٰ صحف ابراهيم و موسىٰ، (سورہ اعلیٰ، آیت ۱۹)، ''یہی بات اگلے صحیفوں میں کہی گئی ہے۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔''

ہوئی ہے۔(۱) گویا یہ دو ہزار قبل مسیح کی بات ہو رہی ہے۔ اس وقت تک آرامی کنعانی خط شام میں رائج ہو چکا تھا۔(۲)

مصر میں ۳۲۰۰ ق م میں تصویری نقوش کے ذریعے تحریر کا فن رائج ہو چکا تھا۔ تصویری نقوش سے مزید ترقی کر کے جب وہ رمزیہ تحریر میں داخل ہوئے۔ تو اس کو ہیرو غلیفی خط (Hiero Glaphy) کہتے ہیں۔ ہیرو غلیفی یونانی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی مقدس تحریر کے ہیں۔ ابتدا میں تحریر کا تمام کام کاہنوں اور مذہبی پروہتوں کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ اس لئے اس کو مقدس تحریر یعنی ہیرو غلیفی کہتے تھے۔ رمزیہ مرحلے سے گزر کر خط جب تصویر نگاری کے دائرے میں داخل ہوا تو اس کو ہیرا طیقی (Hyratic) کہتے تھے۔ اس وقت یہ خط کاہنوں کے ہاتھوں سے نکل کر عمالِ حکومت کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔ تمام سرکاری مراسلت اس خط میں ہوتی تھی۔ استعمال کی کثرت سے اب لکھنے میں مزید روانی اور سہولت پیدا ہو گئی۔ اس وقت اس خط کو دیما طیقی (Demotic) کہتے تھے۔(۳)

الفبا ہیرو غلیفی

رموز ہیرو غلیفی	اس کے مقابل غیر عربی حروف	عربی حروف	رموز ہیرو غلیفی	اس کے مقابل غیر عربی حروف	عربی حروف
[illegible]	ꜣ	ا	[illegible]	ḥ	ح
[illegible]	i, y	إ	[illegible]	ḫ	خ
[illegible]	y	ی أو إ	[illegible]	ẖ	خ
[illegible]	ʿ	ع	[illegible]	s	س
[illegible]	w	و	[illegible]	š	ش
[illegible]	b	ب	[illegible]	ḳ	ق
[illegible]	p	پ	[illegible]	k	ك
[illegible]	f	ف	[illegible]	g	غ
[illegible]	m	م	[illegible]	t	ت
[illegible]	n	ن	[illegible]	ṯ	ث
[illegible]	r	ر، ل	[illegible]	d	د
[illegible]	h	ه	[illegible]	ḏ	چ أو ز

یہ خط مصر میں صدیوں تک رائج رہا۔ ۳۲۲-ق م میں اسکندر یونانی نے مصر کو فتح کر لیا اور اس کو اپنی وسیع سلطنت کا

۱۔ تفسیر ماجدی، ۲۔ اطلس الخط، ص ۴۹، ۳۔ اطلس الخط، ص ۵۳،

ایک جزو بنالیا۔ اس نے مصر میں یونانی زبان اور یونانی خط کو رواج دیا۔ یونانیوں کے بعد رومیوں نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ جولیس سیزر (Juluis Ceasar) نے ۴۵-ق م میں مصر کو رومی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس نے مصر میں لاطینی زبان اور لاطینی رسم الخط کو رائج کر دیا۔ اس طرح مصر کی قدیم زبان جس کو قبطی (Coptic) کہتے ہیں وہ بھی فنا ہو گئی اور مصری رسم الخط بھی گم شدہ ہو گیا، پانچویں صدی بعد مسیح تک مصری خط بالکل ناپید ہو چکا تھا۔ اس حال پر مزید بارہ صدیاں بیت گئیں۔

۱۷۹۹ء میں فرانس کے شہنشاہ نپولین نے مصر پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر لیا۔ اس زمانے میں ایک فرانسیسی سپاہی کو ساحلی شہر دمیاط کے قریب رشید نامی گاؤں میں سنگ سیاہ کی ایک لوح دستیاب ہوئی جس پر ایک کتبہ کندہ تھا۔ یہ لوح آج برٹش میوزیم لندن کی زینت بنی ہوئی ہے۔ یہ کتبہ مصری خط ہیروغلفی، دیموطیقی اور یونانی خط میں کندہ ہے۔ ایک فرانسیسی استاد کیمپولین (Jean Francois Champollion) نے ۱۸۴۱ء میں یونانی خط کی مدد سے مصری خط پڑھ ڈالا۔ اس سلسلے میں تاریخ الخط العربی (۱۹۳۹ء) کے مصنف محمد طاہر کردی لکھتے ہیں۔ کہ "۳۲۲ھ میں احمد بن وحشیہ نبطی نے پرانے خطوط کے متعلق ایک اہم کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام ہے۔"**شوق المستهام الى معرفة رموز الاقلام**" یہ برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے۔ نمبر 440H17 ایک سو بیس سال قبل اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ میں نے خود بھی یہ کتاب پڑھی ہے۔ اس کی مدد سے گم شدہ خط آسانی سے پڑھے جاسکتے ہیں۔ اس کتاب کی مدد سے اہل مغرب نے قدیم خطوط کو پڑھا ہے اور اس کو اپنا کارنامہ بنا کر پیش کیا ہے اور اصل حقیقت کو چھپایا ہے۔"(۱)

یہ تحریر بطلیموس افیفون (Ptolemy Eriphines) ۱۹۵-ق م کے عہد سے متعلق ہے۔ اس پر مشہور زمانہ قالہ قلو پطرہ کا نام یونانی دیموطیقی اور ہیروغلفی خط میں لکھا ہوا ہے۔ یونانی کی مدد سے ہیروغلفی کے حروف کے ہجے معلوم ہو گئے۔ اس طرح ہیروغلفی نقوش کا پڑھنا سہل ہو گیا، اور بتدریج ہیروغلفی خط کے ماہر پیدا ہو گئے۔ انہوں نے اہرام میں موجود ہیروغلفی تحریروں کو پڑھنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ اہرام کے رازہائے سربستہ اور فرعونوں کے حالات معلوم ہو گئے۔ مصریات (Egyptology) کے ماہرین پیدا ہو گئے۔ جنہوں نے قدیم تاریخ کے واقعات کے چہرے سے نقاب الٹ دی۔ ان معلومات کو عام کر دیا۔ مصری خط کے پڑھنے میں حجر الرشید (Rosetta Stone) نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ اب اصطلاحاً ایسے کتبے کو حجر الرشید کہتے ہیں جو دو زبانوں میں لکھا ہوا ہو اور ایک زبان کی مدد سے دوسری زبان پڑھ لی جائے۔

تحریر و کتابت کے سلسلے میں مصریوں نے بہت ترقی کی تھی۔ تحریر کے لئے انہوں نے ایک قسم کا کاغذ ایجاد کیا تھا۔ دریائے نیل کے کنارے پر پانی کے اندر سرکنڈے کی قسم کا پودا اگتا ہے۔ مصری زبان میں اس کو "بردیٰ" اور یونانی زبان میں اس کو پے پیرس (Papyrus) کہتے ہیں۔ کاغذ کے لئے انگریزی لفظ (Paper) اسی لفظ سے ماخوذ ہے۔ کاغذ بنانے کا طریقہ یہ تھا کہ سرکنڈے کے اندر سے گودا نکال کر اس کے پتلے پتلے ٹکڑے تراش لیتے تھے۔ ان ٹکڑوں کو اوپر تلے رکھتے تھے۔ درمیان میں چپکانے کے لئے گوند وغیرہ لگاتے تھے۔ ان کو پھر بھاری پتھر کے نیچے دباتے تھے اور خشک کر لیتے تھے۔ اس طرح ایک تختہ کاغذ

ا۔ تاریخ الخط العربی، ص۲۹-۳۰،

کا بن جاتا تھا۔ پھر ہاتھی دانت سے رگڑ کر اس کی سطح کو صاف اور ملائم بنالیتے تھے۔ اس پر اپنی تحریریں لکھتے تھے۔ اس گودے کو یونانی زبان میں بلوس (Billos) کہتے تھے۔ کتاب کے معنی میں (Bible) کا لفظ اسی سے مشتق ہے۔ ۲۵۰۰-ق۔م میں مصر کے اندر کاغذ کا پتہ چلتا ہے۔ کاغذ کے علاوہ پتھر کی سلوں کو اور دھات کے پتھروں کو بھی استعمال کرتے تھے۔ اس کے کافی عرصے بعد ہرن کی کھال کو بھی بطور کاغذ استعمال کرنے لگے تھے۔ کھال کو چھیل چھیل کر پتلی جھلی سی بنالیتے تھے۔ پھر اس کو بطور کاغذ استعمال کرتے تھے۔ یہ بڑا مضبوط اور دیرپا ہوتا تھا۔ اس لئے قدیم زمانے میں اس کی بڑی قدر و قیمت تھی۔ لکھنے کے لئے نرکل کا قلم استعمال کرتے تھے۔ یونانی میں اس کو (Calamus) کہتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرطاس اور قلم دونوں یونانی زبان سے ماخوذ ہیں، اور یونانی میں یہ الفاظ فینیقیوں کے ذریعے آرامی زبان سے آئے ہیں، قلم دراصل سامی السنہ کا لفظ ہے۔

قدیم تمدن کا حامل دوسرا خطہ وادی دجلہ و فرات یعنی موجودہ عراق ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چار ہزار سال قبل وہاں ایک قوم آباد تھی، جس کا نام سومر (Sumer) تھا۔ سومر قوم نے تہذیب و تمدن میں بہت ترقی کی۔ سب سے پہلے علم نجوم کی بنیاد انہوں نے ڈالی ہے۔ مہینوں، دنوں اور گھنٹوں کی موجودہ تقسیم ان ہی کی رائج کردہ ہے۔ وہ علم ریاضی کے بھی بڑے ماہر تھے۔ ساڑھے تین ہزار سال قبل مسیح انہوں نے تحریر کے لئے ایک خط ایجاد کیا تھا۔ ان کے خط کو میخی، مسماری اور پیکانی کہتے ہیں۔ (۱)

انگریزی میں اس کو (Cuneiform Script) کہتے تھے۔ اس خط میں حروف کی شکل تکونے پھل جیسی بن جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو پیکانی (تیر) کہتے ہیں کیل کو بطور قلم استعمال کرتے تھے۔، اس لئے اس کو میخی (فارسی کیل) اور مسماری (عربی کیل) کہتے تھے۔ سومریوں کے بعد کلدانی اور آشوری قومیں برسر اقتدار آئیں۔ ان کی زبانیں مختلف تھیں۔ مگر اپنی زبانوں کے لئے خط انہوں نے پیکانی ہی استعمال کیا۔ اردگرد کے تمام ممالک میں یہ خط رائج ہو گیا تھا۔ مگر بابل پر جب اہل ایران کا غلبہ ہو گیا تو اس خط کو زوال آ گیا۔ پھر دھیرے دھیرے یہ خط ناپید ہو گیا۔

وادی دجلہ و فرات میں لکھنے کا سامان مصر سے مختلف تھا۔ یہاں نہ تو بردیٔ گھاس ہوتی ہے، جس کے کاغذ بنائے جاتے، نہ پہاڑ تھے، جن کی سلوں پر تحریر لکھی جاتی۔ انہوں نے لکھنے کے لئے نیا سامان پیدا کیا۔ مٹی کی کچی نیم خشک اینٹوں پر نوکدار کیل سے تحریر لکھتے تھے۔ ایک پختہ اینٹ (۲) (Terra Cota) گویا ایک ورق تھا۔ ایسے خشتی کتب خانے ایران، عراق، شام اور ترکی میں مختلف مقامات پر دریافت ہوئے ہیں۔

یہ خط فراموش ہو چکا تھا۔ دو ہزار سال کی مدت بیت گئی تھی۔ ۱۸۳۵ء میں ہندوستان سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے سر ہنری رالن سن (Sir Henry Rawlinson) کو ایران میں اپنا سفیر مقرر کیا۔ اس شخص کو قدیم تاریخ سے بڑی دلچسپی تھی۔ شہنشاہ ایران دارا اول (۴۸۵/۵۲۱-ق م) نے کوہ بہستوں نقش رستم پر ایک عظیم الشان کتبہ کندہ کرایا تھا۔ یہ کتبہ تین

۱۔ اطلس خط، ص ۴۴، ۲۔ یہ پختہ اینٹ ہی سنگ گل ہے، جو معرب ہو کر سجل بنی، جس کے معنی تحریر اور آج کل رجسٹر کے ہیں۔

زبانوں میں لکھا ہوا ہے۔ بابلی، آشوری اور عیلامی۔ رالن سن نے بڑی مشقت کر کے پہاڑ پر چڑھ کر اس کتبے کا چربہ اتار لیا۔ اور پھر اس کو شائع کر دیا۔

اشاعت کے بعد سے ہی یہ کتبہ اہل علم کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ مختلف لوگوں نے اس کو پڑھنے کی کوششیں کیں۔ رالن سن نے اس کے پڑھنے میں بیس سال صرف کئے اور بالآخر اس خط کو پڑھ ڈالا۔ اس طرح خط میخی کے پڑھنے والے پیدا ہوگئے اور انہوں نے دریافت شدہ ہزارہا تحریر شدہ اینٹوں کو پڑھ ڈالا۔ اس طرح مشرق وسطی کی تاریخ تین ہزار سال قبل مسیح معلوم ہوگئی۔ بابلی تہذیب کے فراموش کردہ آثار و واقعات عیاں ہوگئے۔ مصر و عراق میں انسان کی معلومات کا دائرہ ۳۵۰۰ قبل مسیح تک وسیع ہوگیا۔

عرب، عراق اور مصر دونوں کے درمیان واقع ہے۔ اس لئے دونوں ملکوں کی علمی روایات عربی زبان میں آج تک محفوظ ہیں۔ قرآن مجید عربی زبان کی سب سے اوّل کتاب ہے۔ قرآن مجید میں مصری طریقہ تحریر اور بابلی طریقہ تحریر دونوں سے متعلق الفاظ پائے جاتے ہیں۔

مصری طریقے کے متعلق یہ روایت ملتی ہے!

اوّل من خط بالقلم بعد أدم فهو ادريس عليه السلام – (۱)

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد جس نے قلم سے لکھا وہ ادریس علیہ السلام ہیں۔

گویا قلم سے لکھنے کا طریقہ، مصری طریقہ، حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانے سے جاری ہوا ہے۔ مصری طریقۂ تحریر کے مندرجہ ذیل الفاظ قرآن مجید میں ملتے ہیں۔

۱- كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (۲)

کتب کے عام معنی تو یہ ہیں کہ اس نے لکھا۔ مگر اصلی لغوی معنی یہ ہیں کہ اس نے جوڑا، مصری کتابت میں حروف کو جوڑا جاتا تھا اس لئے اس کو کتب کہا گیا۔

۲- ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ (۳)

تحریر شدہ کاغذات کو جوڑ کر رکھتے تھے۔ اس لئے اس کو کتاب یعنی جوڑی ہوئی شئے کہا گیا۔

۳- كِتَابٌ مَّرْقُومٌ (۴)

موٹے قلم کی تحریر کو رقم کہتے تھے۔ اس سے رقم کرنا بنا ہے۔

۴- وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَاباً فِي قِرْطَاسٍ (۵)

تحریر جس پر لکھی جاتی تھی۔ اس کو قرطاس یعنی کاغذ کہتے تھے۔

ا۔ الصبح الاعشیٰ، ۲سورۂ انعام، آیت ۵۴، ۳۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲، ۴۔ سورۂ مطففین، آیت ۹، ۵۔ سورۂ انعام، آیت ۷،

۵- فِي رَقٍّ مَّنْشُورٍ (۱)

رق کھال کو کہتے ہیں۔ کھال کو چھیل کر باریک بناتے تھے۔ پھر صاف کر کے بطور کاغذ استعمال کرتے تھے۔ عام طور پر ہرن کی کھال استعمال کرتے تھے۔

۶- فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ (۲)

لوح دراصل پتھر کی سل کو کہتے تھے۔ تحریریں پتھروں پر بھی کندہ کرائی جاتی تھیں۔

بابلی طریقۂ تحریر کے متعلق یہ روایت ملتی ہے۔

اوّل من وضع الخط والکتاب فهو آدم ، کتبها فی طین و طبخه (۳)

سب سے پہلے جس نے خط وضع کیا اور کتاب بنائی وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

انہوں نے مٹی (اینٹ) پر لکھا اور پھر اس کو پکالیا۔

اینٹ پر لکھنا اور پھر اس کو پکانا حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے جاری ہے۔ بابلی طریقۂ کتابت کے متعلق مندرجہ ذیل الفاظ قرآن مجید میں ملتے ہیں۔

۱- بِأَيْدِي سَفَرَةٍ (۴)

سفرہ جمع ہے۔ اس کا واحد سافر ہے۔ سافر کے لغوی معنی ہیں چیرنے والا۔ اور ثانوی معنی ہیں کاتب کے۔ چیرنے والا کا لفظ سومری طریقہ کتابت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ نوکدار کیل سے اینٹ کی سطح کو چیرا جاتا تھا۔ پھاڑا جاتا تھا۔

۲- كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا (۵)

اسفار جمع ہے اس کا واحد ہے سفر بروزن عشق۔ مصدر بمعنی مفعول استعمال ہوا ہے۔ لغوی معنی ہوئے! "چیری ہوئی شئے" یعنی وہ اینٹ جس پر تحریر لکھی گئی ہے۔ ثانوی معنی ہوئے کتاب کے۔ اسفار اور سفرۃ بابلی طریقۂ کتابت کی طرف غمازی کر رہے ہیں۔

۳- كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ (۶)

سجل درحقیقت ایک معرب لفظ ہے۔ یہ پہلوی زبان سے آیا ہے۔ پہلوی زبان میں یہ سنگ اور گل دو لفظوں سے مرکب ہے۔ سنگ گل کے معنی ہیں وہ مٹی جو پختہ ہو کر پتھر بن جائے۔ مراد پختہ پکی اینٹوں سے ہے۔ سنگ گل معرب ہو کر سجل ہو گیا۔ یونانی میں اس کو (Terra Cota) کہتے ہیں۔ سومری طریقہ کتابت کے مطابق ایک اینٹ گویا ایک ورق ہوتی تھی۔ ایسی تحریر شدہ اینٹیں مختلف مقامات سے کھدائی میں دستیاب ہوئی ہیں۔ عربی میں یہ لفظ کتاب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مزید تصرف اس لفظ میں یہ ہوا کہ اصلاً تو یہ سومری تحریر کا لفظ ہے۔ لیکن

۱۔ سورۂ طور، آیت ۳، ۲۔ سورۂ بروج، آیت ۲۲، ۳۔ الصبح الاعشیٰ، ۴۔ سورۂ عبس، آیت ۱۵، ۵۔ سورۂ جمعہ، آیت ۵، ۶۔ سورۂ انبیاء، آیت ۱۰۴،

یہاں مصری طرز تحریر کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مصر میں کاغذ پر تحریر لکھتے تھے۔ کاغذ کے جوڑنے کے دو طریقے رائج تھے۔ اوراق کو برابر جوڑ کر ایک کتاب کی شکل میں مرتب کرنا، دوسرا طریقہ یہ تھا کہ ایک ورق کو دوسرے سے جوڑ کر لمبا ہی لمبا بنا لیتے تھے۔ اس کو طومار کہتے تھے۔ قرآن مجید میں یہ طومار کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جس کو لپیٹا جا سکتا ہے۔ قیامت میں زمین کے لپیٹنے کو طومار کے لپیٹنے سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔

تعدادِ نقوش			
۱-	خط ہیروغلیفی	۷۰۰	علامات
۲-	خط میخی سومری	۶۰۰-۸۰۰	علامات
۳-	خط میخی عیلامی	۳۰۰	علامات
۴-	خط میخی پارسی	۱۵۰	علامات
۵-	خط حِطی (ترکی)	۴۵۰	علامات
۶-	خط قبرصی	۵۶	علامات

باب ۲

حروف ابجد کی ایجاد

تین ہزار سال قبل مسیح میں سامی نسل کی ایک شاخ ارضِ بابل سے ہجرت کر کے شام کے علاقے کنعان میں آباد ہوگئی۔ اس شاخ کو آرامی کہا جاتا ہے۔ توراۃ نے اور قرآن مجید نے آرامی نسل کا ذکر کیا ہے۔ آرامی کی ایک شاخ فینیقی تھی۔(۱) مشہور یونانی مؤرخ ہردوط (Herodotus-425 B.C) نے اپنی تاریخ میں فینیقی قوم کا تذکرہ کیا ہے۔ اس وجہ سے مغربی مؤرخین بالعموم ان کو فینیقی (Phoenician) لکھتے ہیں۔

اس قوم کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ دمشق ان کا مرکزی شہر تھا۔ یہ دنیا کا قدیم ترین زندہ شہر ہے۔ بیروت، صور اور صیدا بھی ان کے آباد کئے ہوئے شہر تھے۔ (Sodom Tyre) مؤخرالذکر دونوں شہر قوم لوط کی تباہی میں غرقاب ہوگئے۔ دراصل یہ ایک تاجر قوم تھی۔ ساتھ ہی یہ اولوالعزم ملاح بھی تھے۔ بحر روم کے ساحل پر دور دور تک انہوں نے اپنی تجارتی نوآبادیاں آباد کر رکھی تھیں۔ اطالیہ، فرانس، ہسپانیہ اور ساحل افریقہ پر ان کی نوآبادیاں قائم تھیں۔ جنوبی فرانس کی مشہور بندرگاہ مارسلیز (Marsallies) انہی کا آباد کردہ شہر ہے۔ اس کا اصلی نام مرسیٰ ایلیا یعنی ''خدا کی بندرگاہ'' تھا۔ ساحل افریقہ پر موجود تونس کے پاس قرطاجہ (Carthage) ایک اہم شہر تھا جو ان کی افریقی سلطنت کا دارالحکومت تھا۔ بحر روم کے جزائر اقریطش (Crete) ارواد (Rhodes) صقلیہ (Sicily) سردانیہ (Sardania) میں ان کی بستیاں موجود تھیں۔

بحر و بر میں ان کے تجارتی کارواں گھومتے پھرتے تھے۔ یہ دنیا کی پہلی بین الاقوامی تاجر قوم تھی۔ ہندوستان سے لے کر وسط یورپ تک ان کے تجارتی قافلوں کی جولان گاہ تھی جدید انکشافات سے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ پہلی جہازراں قوم تھی، جس نے قدیم زمانے میں بحر اوقیانوس (Atlantic Oceon) کو عبور کر لیا تھا اور کولمبس سے دو ہزار سال قبل وہ جنوبی امریکہ میں

۱۔ مغربی مؤرخین فینقیوں کو قدیم مانتے ہیں اور آرامی کو متاخر مانتے ہیں۔ میں نے قرآن مجید کا اتباع کیا ہے۔ جس کا بیان ہے کہ عاد ارم قدیم ترین قوم تھی۔

پہنچ چکے تھے۔ برانڈرس (Branders) یونیورسٹی کے پروفیسر سائرس گارڈن (Cyrus. N. Gordon) کو برازیل کے جنگلوں میں ایک کتبہ ملا جو آرامی زبان میں لکھا ہوا ہے۔ یہ کتبہ احیرام بادشاہ شام (۹۲۹-۹۵۴-ق-م) کے عہد کا ہے۔(۱) اس سے صاف ظاہر ہے کہ آرامی ملاح ہزاروں سال قبل جنوبی امریکہ میں داخل ہو چکے تھے۔

شام کا ملک بابل اور مصر دو متمدن ملکوں کے درمیان میں واقع ہے۔ یہ دونوں ملکوں کے لئے گزرگاہ تھی۔ جائے وقوع کی اہمیت کی وجہ سے آرامی قوم نے تجارت میں بہت ترقی حاصل کی۔ یہ بابلی اور مصری دونوں تمدنوں سے پوری طرح واقف تھے۔ ان سے استفادہ کرتے تھے۔ دونوں ملکوں کے رسم الخط سے بھی یہ اچھی طرح واقف تھے۔ اپنے تجارتی معاملات میں ان کو استعمال کرتے تھے۔ تجارتی ضرورت نے ان کو سہل تر رسم الخط ایجاد کرنے کی ضرورت کا احساس دلایا۔ واضح رہے کہ بابل میں اور مصر میں علامتی نقوش ایک خاص منزل پر آکر رُک گئے تھے۔ انہوں نے ان کے کام کو آگے بڑھایا۔ انہوں نے حلق سے نکلنے والی مختلف آوازوں کے لئے جدا جدا نشانات مقرر کر لئے۔ ان نشانات یا حروف کی مدد سے وہ الفاظ اور کلمات کو لکھنے پر قادر ہوگئے۔ ان کی یہ سادہ سی ایجاد انتہائی غیر معمولی اہمیت کی حامل ثابت ہوئی۔ دو ہزار قبل مسیح میں ان کا یہ کارنامہ انسانی تاریخ میں اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ترقی اور عظمت کی راہ میں انسان کا یہ عظیم الشان اقدام تھا۔ حروف کی ایجاد نے تحریر کا مسئلہ آسان کر دیا۔ اس طرح انسانی ترقی اور عروج کا راستہ ہموار کر دیا۔ دنیا میں ابجد یا الفبا کی ایجاد کا سہرا آرامی نسل کے سر بندھتا ہے۔ یہ کل ۲۲ حروف تھے۔

ابجد	ہوز	حطی	کلمن	سعفص	قرشت
ا ب ج د،	ہ و ز،	ح ط ی،	ک ل م ن،	س ع ف ص،	ق ر ش ت

مغربی مؤرخین نے یہاں ایک عجیب سی بحث چھیڑ دی ہے۔ ان کے خیال میں یہ اختراع آرامی سامی نسل کی نہیں ہے۔ ضرور کسی دوسری قوم سے انہوں نے یہ اختراع حاصل کی ہے۔ پھر اس بات میں شدید اختلاف ہے کہ انہوں نے کس قوم سے یہ ایجاد حاصل کی ہے۔ بعض کے خیال کے مطابق یہ ابجد مصری ہیروغلیفی خط سے ماخوذ ہے۔ بعض کے نزدیک بابلی میخی خط سے اخذ کردہ ہے۔ بعض لوگ دور کی کوڑی لائے ہیں۔ وہ اس کو اقریطش کے خط سے ماخوذ مانتے ہیں۔ یہ ساری مغزماری صرف اس وجہ سے ہے کہ یورپ کا نسلی تعصب یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے کہ غیر آریہ نسل بھی کوئی کارنامہ سرانجام دے سکتی ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ اتنے بڑے کارنامے کا سہرا سامی نسل کے سر بندھے۔ حالانکہ مؤرخ کبیر ٹائن بی (Arnold Toynbee) نے اپنی مشہورِ عالم کتاب "مطالعہ تاریخ" (۱۹۵۴ء - ۱۹۳۴ء) میں لکھا ہے!" سامی نسل نے عالم انسانیت کو تین گراں قدر عطیات دیئے ہیں۔ ۱۔ توحید الٰہ کا تصور، ۲۔ بحر محیط اطلسی (Atlantic) کا انکشاف، ۳۔ حروف ابجد کی اختراع۔"

بے لاگ تحقیق کا فیصلہ اس نزاع میں آرامیوں کے حق میں ہوتا ہے۔

۱- جو شخص بھی ان حروف کے نام پر غور کرے گا وہ جان لے گا کہ یہ نام در حقیقت سامی الاصل ہیں۔ سامی زبانوں کی

۱۔ اطلس خط، ص ۲۰،

تمام شاخوں میں یہ نام پائے جاتے ہیں۔ یہ بامعنی نام ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی بابلی یا مصری زبان کا نام نہیں ہے۔ یونانیوں نے جب آرامیوں سے حروف لے کر اپنی زبان میں داخل کئے تو انہوں نے وہی سامی نام برقرار رکھے۔ واضح رہے کہ ہیروغلیفی خط اور میخی خط میں تحریری نقوش کے کوئی نام نہیں تھے۔ نقوش کے نام پہلی مرتبہ آرامیوں نے رکھے ہیں۔

۲- ابجدی تحریر کا قدیم ترین کتبہ شام سے دریافت ہوا ہے۔ یہ کتبہ "احیرام" بادشاہ کے مقبرے سے حاصل ہوا ہے۔ محققین کے نزدیک اس کا زمانہ ۱۲۵۰ ق م ہے۔ اس سے قبل ابجدی تحریر کا کوئی کتبہ کسی ملک سے دریافت نہیں ہوا۔

۳- آرامی ابجد کی ایک تحریر لاذقیہ شام میں راس شمرہ کے مقام سے دریافت ہوئی۔ یہ پتھر ۱۸۲۴ء میں دریافت ہوا ہے۔ اس پر "میثا" شاہ موآب نے اپنی فتوحات کا حال درج کیا ہے۔ اس کو لوح موآب (Moab Stone) کہتے ہیں یہ کتبہ ۹۰۰-ق م کا تحریر کردہ ہے۔

ان سے قبل کے ابجدی تحریر کے کتبے دوسرے نہیں ہیں۔ ان کا شام میں پایا جانا ظاہر کرتا ہے کہ یہ ایجاد شام کے ملک میں ہوئی ہے۔ دوسرے ملکوں میں وہاں سے پہنچی ہے۔

ابجدی حروف کے معنی سامی زبانوں میں

شمار	شکل حروف موجودہ	موجودہ نام	اصل لفظ کے معنی	سامی خاندان کی زبانیں				یونانی
				عکادی	عبرانی	حبشی	عربی	
۱	ا	الف	سینگ	الپو	الف	الف	الف	الفا
۲	ب	با	گھر	بیتو	بیث	بیت	بیت	بیٹا
۳	ج	جیم	اونٹ	جملو	گیمل	جیمیل	جمل	گاما
۴	د	دال	دروازہ	دالتو	دالث	دینیت	-	ڈیلٹا
۵	ہ	ہا	کھڑکی	-	ہے	ہوئی	-	اپسائی زون
۶	و	واو	کھونٹی	-	واو	واوے	-	واو
۷	ز	زا	ہتھیار	زانو	زین	زائی	-	ریٹا
۸	ح	حا	جنگلہ	-	حیط	حاؤما	-	ریٹا
۹	ط	طا	روٹی	-	طیط	طیط	-	تھیٹا
۱۰	ی	یا	ہاتھ	اود	یود	یمن	ید	ایوٹا
۱۱	ک	کاف	ہتھیلی	کاپو	کاف	کاف	کف	کاپا
۱۲	ل	لام	پھندا	-	لامد	لادے	-	لامڈ
۱۳	م	میم	پانی	مو	میم	مائی	ماء	مو

۱۴	ن	نون	مچھلی-سانپ	نونو	نون	نماس	نون	نو
۱۵	س	سین	مچھلی	ـُـ	سانک	ست	سمک	سی
۱۶	ع	عینَ	آنکھ	عین	عین	عین	عین	اومائی کرون
۱۷	ف	فا	منہ	پو	فے	الیف	فم، فو	پائی
۱۸	ص	صاد	نیزہ	-	صاد	صادائی	-	سان
۱۹	ق	قاف	گدی	-	قاف	قاف	قف	کوپا
۲۰	ر	را	سہ	ربو	رس	رس	راس	راہو
۲۱	ش	شین	دانت	-	شین	شارت	سن	سگی
۲۲	ت	تا	نشان	-	تاؤ	تاوے	-	ٹاو

۱- حروف کی قدیم ترین ترتیب اس طرح ہے۔ یہی ان کا نام ہے۔ اسی طرح یاد کیے جاتے تھے۔
ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت،

۲- ناموں کی اس ترتیب پر غور کرنے سے آرامی قبائل کی دیہاتی زندگی کی تصویر جھلکتی نظر آتی ہے۔ کسی اعلیٰ تمدن کا پتہ نہیں چلتا۔ سب گھریلو اشیاء ہیں۔

۱-	گھر، بیل کا سینگ، اونٹ،	ا، ب، ج،
۲-	دروازہ، کھونٹی، کھڑکی، ہتھیار، جنگلہ،	د، ہ، و، ز، ح،
۳-	روٹی، ہاتھی، ہتھیلی،	ط، ی، ک،
۴-	پھندا، پانی، مچھلی، سانپ،	ل، م، ن، س،
۵-	آنکھ، منہ،	ع، ف،
۶-	گدی، سر، دانت، نشان،	ق، ر، ش، ت،

۳- یہ حروف تحریر میں جدا جدا لکھے جاتے تھے۔

۴- یہ تحریر داہنی طرف سے بائیں طرف لکھی جاتی تھی۔ اس لئے دنیا کے بیشتر رسم الخط داہنی طرف سے لکھے جاتے ہیں۔ اہل یونان نے فنیقیوں سے آرامی رسم الخط سیکھا تھا۔ آغاز میں وہ بھی داہنی طرف سے ہی تھے۔ چند صدی بعد انہوں نے یک لخت بائیں طرف سے لکھنا شروع کر دیا۔ یونانیوں سے رومیوں نے اور پھر سارے یورپ نے یہ رسم الخط سیکھا ہے۔ اس لئے وہ سب بائیں طرف سے لکھتے ہیں۔

باب ۳

آرامی خط ام الخطوط ہے

آرامی قوم حوصلہ مند تاجر قوم تھی اور ماہر جہازراں تھی۔ خشکی اور تری میں ان کے تجارتی قافلے رواں دواں پھرتے تھے۔ بحر روم سے لے کر بحر ہند تک کا علاقہ ان کے جہازوں کے لئے بازی گاہ بن گیا تھا۔ افریقہ سے لے کر ہندوستان تک کا علاقہ ان کی تجارتی منڈی بن گیا تھا۔ مصر، شام، بابل اور ایران، اس دور کی متمدن دنیا کی تجارت پر اس قوم کا غلبہ تھا۔

یونانی ان کو **فینیقی** کہتے ہیں۔ اس وجہ سے مغربی مؤرخین ان کو صرف **فینیقی** کے نام سے جانتے ہیں۔ فینیقیوں نے آرامی خط کی عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں۔ جو خط آغاز میں چند ہزار افرادِ قبیلہ میں معروف تھا، انہوں نے اس کو اس دور کی متمدن دنیا میں رائج کر دیا۔ انہوں نے اس کو بین الاقوامی خط کی حیثیت دیدی۔ بین الاقوامی تجارت پر ان کا قبضہ تھا۔ یہ سہولت ان کو حاصل تھی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے مختلف ملکوں میں اس خط کو رائج کر دیا۔ اس سے قبل کے خطوط کے پڑھنے اور لکھنے میں جو دشواریاں تھیں اور اس خط کے پڑھنے اور لکھنے میں جو سہولت تھی، اس کی وجہ سے لوگوں نے اس خط کو پسند کیا۔ اس کو مقبولیت حاصل ہوگئی۔ تمام دوسرے خطوط پر یہ غالب آگیا۔ اس حد تک کہ بتدریج تمام دوسرے خطوط فنا ہوگئے۔ مصر میں خط ہیروغلیفی مٹ گیا۔ بابل میں خط مسماری مٹ گیا۔ دونوں جگہ خط آرامی رائج ہوگیا اور مقبول ہوگیا۔ دنیا کی بیشتر اقوام نے آرامی خط کو اختیار کرلیا۔ انہوں نے اپنی اپنی زبانیں اس خط میں لکھنا شروع کر دیں۔

☆ یونانی

آریائی قبائل کی ایک شاخ وسط ایشیا سے چل کر روس کے علاقے سے گزر کر جزائرِ یونان میں داخل ہوگئی۔ مؤرخین نے اس کی آمد کا زمانہ بارہ ہزار قبل مسیح تجویز کیا ہے۔ اس زمانے میں بحر روم کے تمام ساحلی ممالک پر سامی تمدن کو غلبہ حاصل تھا۔ فینیقی آرامی قوم کی سیادت قائم تھی۔ اس لئے وحشی یونانی قبائل کو تہذیب و تمدن سیکھنے کے لئے فینیقی قوم کے سامنے

زانوے تلمذ طے کرنا پڑا۔ یونانیوں نے اپنی زبان کے لئے خط تحریر بھی فینقیوں سے حاصل کیا ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ ۱۰۰۰-۸۰۰ق م میں اہل یونان نے اپنی زبان آرامی خط میں لکھنا شروع کر دی تھی۔ آرامیوں کے تتبع میں آغاز میں اہل یونان بھی اپنی زبان داہنی طرف سے لکھتے تھے۔ پھر چوتھی پانچویں صدی قبل مسیح کے درمیانی عرصے میں انہوں نے اپنی تحریر کا رخ بدل دیا۔ بجائے داہنی طرف کے بائیں طرف سے لکھنا شروع کر دیا۔ اس تبدیلی کا اثر حروف کی شکلوں پر بھی پڑا ہے۔

سکندر اعظم (۳۲۳-۳۳۶ق م) نے بیشتر ممالک کو فتح کر ڈالا۔ اس وقت کی متمدن دنیا پر یونانی شہنشاہیت قائم ہو گئی۔ سیاسی غلبے نے یونانی خط کو بین الاقوامی خط بنا دیا۔ مصر، شام، عراق، ایران، افغانستان اور پاکستان سب جگہ یہ رسم الخط استعمال ہوتا تھا۔ جدید دور میں یونانی زبان کے کتبات ان تمام ممالک سے دستیاب ہوئے ہیں۔

یونانیوں نے اپنے خط کو یورپ کے ممالک میں بھی پھیلایا۔ سب سے پہلے رومیوں نے یونانی خط اخذ کیا۔ اس کو نئی شکل دی اور اپنی زبان لاطینی کو اس میں لکھنا شروع کر دیا۔ اس کو لاطینی رسم الخط کہنے لگے دوسرے لوگ اس کو رومن رسم الخط کہتے ہیں۔ جدید دور میں یورپین اقوام کا دنیا کے بیشتر حصے پر غلبہ ہو گیا۔ اپنے زیر اثر ممالک میں انہوں نے رومن خط کو جاری کر دیا۔ اس وجہ سے رومن خط آج دنیا میں سب سے زیادہ وسیع الاستعمال اور کثیر الاستعمال خط ہے۔

☆ عبرانی

سامی قبائل کی ایک شاخ دو ہزار قبل مسیح میں شام کے اندر داخل ہوئی۔ ان کو عبری یا عبرانی (Hebrew) کہتے ہیں - آج کل انہی کی نسل کو یہودی کہتے ہیں - انہوں نے اپنی زبان آرامی خط میں لکھنا شروع کر دی۔ اس غرض کے لئے انہوں نے آرامی خط میں چند تغیرات کئے۔ ڈیڑھ ہزار قبل مسیح میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قوم میں مبعوث ہوئے۔ ان پر آسمانی کتاب تورات نازل ہوئی۔ وہ کتاب اس خط میں لکھی گئی تھی۔ مگر اس کا کوئی نمونہ دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے۔

آٹھویں صدی قبل مسیح میں آشوریہ (بابل) کے شہنشاہ سارگون ثانی نے یہودیوں کی ریاست سامریہ کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ یہودیوں کو گرفتار کر کے وہ بابل لے گیا۔ قید بابل میں تورات گم ہو گئی۔ لوگ عبرانی رسم الخط بھی بھول گئے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر ان کے اندر حضرت عزیر علیہ السلام کو پیدا کیا۔ انہوں نے از سر نو تورات کو لکھا۔ اس کے لئے ایک نیا خط بھی وضع کیا، جو عبری مربع خط کہلاتا ہے۔ یہ واقعہ ۷۲۲ق م کے بعد پیش آیا۔ اس کے بعد سے عبرانی زبان عبری مربع خط میں لکھی جاتی ہے

عبرانی ایک مردہ زبان بن چکی تھی۔ موجودہ صدی میں یہودیوں نے اس کو دوبارہ زندہ کیا۔ جب ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کی ریاست قائم ہوئی تو اس کو ریاست کی سرکاری زبان قرار دے دیا گیا۔ اس طرح یہودیوں نے ایک مردہ زبان کو ترقی یافتہ زبان بنا لیا۔

☆ سُریانی

سامی نسل کے ایک قبیلے کا نام شامی، سریانی تھا۔ شام میں اقامت گزیں ہونے کے سبب سے اس خط کا نام سوریا (Syria) ہو گیا۔ ان کی زبان سریانی کہلاتی ہے۔ سریانی زبان کے لئے دوسری صدی قبل عیسوی میں انہوں نے آرامی خط مستعار لے کر نئی شکل میں وضع کیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے مبعوث ہونے کے وقت فلسطین میں سریانی زبان اور سریانی خط رائج تھا۔ اناجیل درحقیقت سریانی زبان میں لکھی گئی تھیں۔ مسیحیت کو سریانی زبان سے بہت گہرا تعلق ہے۔ کلدانی مسیحی، نسطوری اور صائبین (عراق)، آج تک سریانی خط کی ہی ایک شکل استعمال کرتے ہیں۔ اناجیل کے پڑھنے میں اغلاط سے بچنے کے لئے مفسر کتاب یعقوب رہاوی نے ۶۴۰ء میں نقطے ایجاد کئے۔ جس کے بعد سریانی خط میں سہولت پیدا ہوگئی۔

یہ خط ایک زمانے میں شام، عراق اور وسط ایشیا تک پھیل گیا تھا۔ الرہا (Edessa) عراق میں اور جند شاہ پور ایران میں سریانی علوم و فنون کے بڑے مراکز تھے۔ جو اوائل اسلام تک قائم رہے۔ مامون الرشید کے دور کے بڑے بڑے حکماء اور فیلسوف سریانی جاننے والے تھے۔

☆ قدیم ایرانی خط

ایرانِ قدیم کا خط کیا تھا۔ مجوسی مذہب کے بانی زرتشت (۵۸۲-۶۵۹ ق م) کی الہامی کتابیں زنداوستھا، گاتھا کس زبان میں اور کس رسم الخط میں لکھی ہوئی تھیں، اس کے متعلق یقینی معلومات حاصل نہیں ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ مذہبی کتاب بارہ ہزار بیلوں کی دباغت شدہ کھالوں پر تحریر کردہ تھی۔ یہ تخت جمشید کے شاہی محل میں محفوظ تھی۔ سکندر رومی نے ۳۳۰-ق م میں اس کو جلا کر راکھ کر دیا۔(۱) اس کے علاوہ ایران افغانستان میں کوئی کتبہ کوئی تحریر اس قدیم خط میں آج تک کہیں دستیاب نہیں ہوئی۔

ایران میں پہلی منظم حکومت ہخامنشی خاندان نے (۳۳۰-۵۵۰ ق م) قائم کی تھی۔ گورش (کیخسرو) اس خاندان کا عظیم بادشاہ تھا۔ اس کی سلطنت مصر سے لے کر پاکستان تک وسیع تھی۔ ان حکمرانوں نے اپنی وسیع و عریض سلطنت میں آرامی خط کو رائج کر دیا تھا۔ انہوں نے اس خط کی بڑی خدمت کی۔ اس کو تمام تر زیر اثر ممالک میں مقبول بنا دیا۔ آرامی زبان کے کتبے ایران، ترکستان، افغانستان اور پاکستان میں دریافت ہوئے ہیں۔ ہندوستان کے راجہ اشوک (۲۷۳-۲۳۳ ق م) کے بعض کتبے آرامی زبان میں ہیں۔

۱-نوشتہ ہائے کہن افغانستان، طبع کابل ۱۳۵۰ء، ص ۷۵،

☆ پہلوی خط

۲۲۶ قبل مسیح میں ایران میں ساسانی خاندان برسر اقتدار آیا۔ انہوں نے آرامی خط سے پہلوی خط اخذ کیا۔ اس کو سرکاری خط بناکر ساری مملکت میں رائج کر دیا۔ قدیم ایران سے متعلق جو کچھ کتبے، سکے اور تحریریں آج دستیاب ہوئی ہیں وہ سب کی سب پہلوی خط میں ہیں۔ یہ خط عربی فتوحات تک رائج رہا۔

☆ دین دبیرہ

پہلوی خط میں ۲۵ حروف تھے۔ اعراب کا کوئی نظام نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے پڑھنے میں دشواری محسوس ہوتی تھی۔ اس مقصد کے لئے ایک نیا خط چھٹی صدی عیسوی میں اختراع کیا گیا۔ اس کو دین دبیرہ کہتے ہیں، ایران کی مذہبی کتاب اوستھا اس دین دبیرہ خط میں تحریر شدہ ہے۔ اس کتاب کا قدیم ترین نسخہ ۱۳۲۵ عیسوی کا تحریر کردہ کوپن ہیگن ڈنمارک کی جامعہ میں موجود ہے۔ دین دبیرہ خط میں آرامی، پہلوی اور یونانی اثرات صاف نمایاں نظر آتے ہیں۔

☆ مانوی خط

ایران کا ایک مذہبی رہنما مانی تھا۔ (۲۱۵-۲۷۶ء) یہ ایک نئے مذہب کا بانی تھا۔ اس نے ایک خط بھی ایجاد کیا تھا۔ یہ خط پہلوی اور آرامی سے ماخوذ تھا۔ ایران کے علاوہ ترکستان میں یہ خط بہت مقبول رہا۔ ۱۸۹۰ء میں چینی ترکستان کے شہر تورخان سے مانی کے مذہب سے متعلق کتابیں دستیاب ہوئی تھیں۔ مانی بہت خوش نویس تھا۔ اس نے اپنی کتاب میں تصویریں بھی بنائی تھیں۔ اس وجہ سے فارسی اور اردو ادب میں وہ ایک معیاری مصور کی حیثیت سے شہرت رکھتا ہے۔ مرزا غالبؔ کہتے ہیں ۔

نقشِ نازِ بتِ طناز باغوشِ رقیب
پائے طاؤس پئے خامۂ مانی مانگے

☆ اویغور خط

مشرقی ترکستان کا اویغور خط دراصل مانوی خط سے ماخوذ تھا۔ چنگیز خانی حکمرانوں کے عروج میں یہ خط ایران میں بھی رائج ہو گیا تھا۔ لیکن نصف صدی بعد سلطان ابوسعید جلائیر (۷۱۶-۷۳۶ھ) نے اس خط کو منسوخ کر دیا۔ اس کے بعد سے یہ خط فنا ہو گیا۔

☆ براہمی خط

یہ خط ہندوستان اور سیلون میں رائج تھا۔ آٹھ سو سال قبل مسیح میں بابل کے آرامی تاجروں نے آرامی خط کو

ہندوستان میں رائج کیا۔ آرامی سے یہ خط ماخوذ ہے۔ غالباً آرامی تاجر بحری راستہ سے ہندوستان آئے تھے۔اس لئے براہمی خط کے قدیم نمونے جنوبی ہندوستان میں ملتے ہیں۔ ہندوستان کا قدیم خط یہی ہے۔قدیم کتبات اسی خط میں ملتے ہیں۔رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے ایک ممبر جیمس پرنسپ (James Princep) نے ۱۸۳۸ء میں اس خط کو پڑھ ڈالا۔(۱)

☆ خروشتھی خط

خراسان میں آرامی خط سے ایک نیا خط نکالا گیا، جس کا نام خروشتھی ہے۔ خروشتہ آرامی زبان میں لکھنے کو کہتے ہیں۔ اس کا آغاز ۵۰۰ قبل مسیح ہے اور یہ ۳۰۰ بعد مسیح تک رائج رہا ہے۔ سکندر کے بعد یونانی حکمران اس خط کو استعمال کرتے تھے۔ یہ افغانستان اور پاکستان میں ایک زمانے میں بڑا مقبول رہا ہے۔ شہباز گڑھی اور مانسہرہ میں اشوک کا کتبہ بھی اس خط میں لکھا ہوا ہے۔ پرنسپ ۱۸۳۴ء میں اس خط کو پڑھ لیا۔

☆ ناگری خط

یہ ہندوستان کا مشہور و معروف خط ہے۔ ہندی زبان اس خط میں لکھی جاتی ہے۔ یہ خط براہمی سے ماخوذ ہے۔اس کے آغاز کا زمانہ گیارہ صدی بعد مسیح ہے۔ دیو کا سابقہ انگریزی کی آمد کے بعد اٹھارہویں صدی میں ہوا ہے۔ آج کل اس کو دیوناگری کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے سب سے پہلے اس خط کا آغاز سندھ کے شہر نگر (نگرپارکر) میں ہوا تھا۔اس لئے اس کو ناگری خط کہتے ہیں۔ ہندی اور سنسکرت کی کتابیں اسی خط میں لکھی جاتی ہیں۔

☆ خط مسند

یمن جزیرۃ العرب کا جنوب مغربی گوشہ ہے۔ یہ علاقہ مون سون ہواؤں کی زد میں ہے۔ یہاں سالانہ خاصی مقدار میں بارش ہوتی ہے۔ یہ علاقہ بڑا زرخیز ہے۔ یمن میں ڈیڑھ ہزار سال قبل مسیح ایک متمدن حکومت قائم ہو گئی تھی۔ معین، سبا اور حمیر یہاں کے حکمران قبائل تھے۔ان حکمرانوں کی زبانیں تو قدرے مختلف تھیں مگر خط تحریر سب کا ایک تھا۔اس کو خط مسند کہتے ہیں۔ قدیم دور کی عمارت ایک شکستہ بند (سد مارب) ہے۔ اس عمارت پر خط مسند میں کتبات موجود ہیں۔ وہاں سکے بھی دریافت ہوئے ہیں۔ ڈنمارک کے سیاح نیبوہر نے سب سے پہلے ۱۷۴۳ء میں ان کتبات سے یورپ کو روشناس کرایا۔اس وقت سے اس کے پڑھنے کی کوششیں جاری ہو گئیں۔ بالآخر تھامس آرنوڈ (Thornas Arnaud) نے ۱۸۴۳ء میں اس خط کو پڑھ ڈالا۔ عہد رواں کے مسلمان اس خط سے بخوبی واقف تھے۔ ابوالحسن احمد الھمدانی نے ملوک حمیر پر ایک کتاب "الاکلیل" لکھی ہے۔ جس میں ان کے رسم الخط کا بھی ذکر ہے۔اس کا مخطوطہ بانکی پور پٹنہ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ یہ کتاب لائپزک جرمنی

۱- تاریخ نوشتہ ہائے کہن افغانستان، از پوہا، عبدالحی حبیبی، طبع کابل، ۱۳۵۰- براہمی خط، ص ۱۲، خروشتھی خط، ص ۲۱ ناگری خط، ص ۶۱،

سے ۱۸۷۹ء میں طبع بھی ہو چکی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اہل فرنگ نے اس کتاب کی مدد سے یہ خط پڑھا ہو۔

یہ خط قوم معین نے آرامیوں سے براہ راست ایک ہزار قبل مسیح میں حاصل کیا تھا۔ انہوں نے اس میں ترمیم کر کے خط مسند نکالا۔ مسند سے پھر لحیانی (مکہ) ثمودی (تبوک) اور صفوی خط نکالے گئے ہیں۔(۱) صدیوں اس خط کو عرب میں فروغ حاصل رہا ہے۔ انہوں نے آرامی حروف میں چھ حروف کا اضافہ کیا۔ ثخذ، ضظغ، ان کو حروف رواوف کہتے ہیں۔ خط مسند سے یہ حروف عربی خط میں منتقل ہو گئے۔

☆ خط نبطی

نبطی ایک عرب قوم تھی جو موجودہ اردن کے علاقے میں آباد تھی۔ ان کا دارالحکومت سلع تھا، جس کو یونانی میں پٹرا (بطرا) کہتے ہیں۔ یہاں اہل غسان کی حکومت تھی۔ یہ شہر مسیحیت کا علمی مرکز تھا۔ بُصریٰ، جرون، حوران وغیرہ ان کے متمدن شہر تھے اور تہذیبی مراکز تھے۔ دوسری صدی عیسوی میں ان کی ریاست کو بڑا عروج حاصل تھا۔ ۱۰۶ عیسوی میں رومی شہنشاہ ٹراجن نے اس ریاست کا خاتمہ کر دیا۔ دوسری صدی قبل مسیح میں انہوں نے آرامیوں سے اپنا خط حاصل کیا تھا۔ جس کو نبطی خط کہتے ہیں۔ بعض محققین کی رائے کے مطابق عربی خط نبطی خط سے ماخوذ ہے۔ عربی تحریر کے قدیم آثار ان کے علاقے میں ملتے ہیں۔

☆ خط بونی

قدیم زمانہ میں فنیقیوں کی ایک شاخ افریقہ کے ساحل پر آباد ہو گئی تھی۔ قرطاجہ (Carthage) ان کا دارالحکومت تھا۔ بحر روم پر ان کی بالادستی قائم تھی۔ پھر اطالیہ میں رومی نمودار ہو گئے۔ ان کے مابین مشہور جنگیں ہوئی ہیں، جن کو بونی جنگیں (۱۸۳-۲۴۷ ق-م) (Punic Wars) کہا جاتا ہے۔ اس قوم کا حکمران قدیم تاریخ کا اولوالعزم فاتح ھنی بعل (Hannibal) تھا۔ وہ ہاتھیوں کا ایک لشکر لے کر آبنائے جبل الطارق عبور کر کے ہسپانیہ میں داخل ہوا۔ وہاں سے پرنیز اور آلپس کے کہساروں کو عبور کر کے اطالیہ پہنچ کر روم پر حملہ آور ہو گیا۔ اس کا یہ کارنامہ تاریخ قدیم کا محیر العقول کارنامہ ہے۔

نویں صدی قبل مسیح میں اس قوم نے آرامیوں سے اپنا خط حاصل کیا تھا۔ جس کو خط بونی (Punic Script) کہتے ہیں۔ درحقیقت یہ خط آرامی کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ افریقہ میں اس خط کو بڑا عروج حاصل ہوا۔

یہ لوگ عظیم جہاز ران تھے۔ یہ بھی ان کا عظیم کارنامہ ہے کہ بحر اٹلانٹک کو عبور کر کے برازیل میں انہوں نے اپنی بستیاں آباد کر دی تھیں۔ اور وہاں متمدن زندگی کو فروغ دیا تھا۔ خط بونی میں تحریر شدہ ایک کتبہ برازیل میں دریافت ہوا ہے۔ یہ کتبہ ۱۴۵ قبل مسیح کا تحریر کردہ ہے۔(۱)

۱- اہل حبشہ کا خط جفری بھی خط مسند حمیری سے ماخوذ ہے۔

آرامی خط سے منشعب ہوئے ان مختلف خطوط کو صدیاں بیت گئی ہیں۔ اس عرصے میں یہ ہزار ہا قسم کے تغیرات سے دوچار ہوئے ہیں۔ لیکن ان انقلابات اور تغیرات کے باوجود یہ خطوط زبانِ حال سے اب بھی اعلان کر رہے ہیں کہ ہم ایک ہی درخت کے تنے سے پھوٹی ہوئی شاخیں ہیں۔ مختلف ملکوں اور مختلف آب و ہوا میں پروان چڑھنے اور فروغ پانے کے بعد اور اب بڑھاپا طاری ہو جانے کے باوجود ان خطوط کے چہرے مہرے میں باہمی مشابہت صاف جھلکتی نظر آتی ہے، اس مشابہت کی چند ایک مثالیں اور نمونے ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

۱- صوتی مشابہت

عربی، انگریزی اور ہندی تین دور دراز ملکوں کی زبانیں ہیں۔ ان کے رسم الخط بھی مختلف ہیں۔ مگر تینوں زبانوں میں حروف تہجی کا پہلا حرف ہم صوت ہے۔ ایک ہی آواز رکھتا ہے۔

عربی	ا	الف
انگریزی	A	اے
ہندی		آ

۲- ترتیبی مشابہت

رومن الفباء اور عربی ابجد میں ترتیب بھی تقریباً یکساں ہیں۔

	عربی	رومن
۱-	ا ب ج د	A B C D

C کا تلفظ آج تو ک کے مشابہہ ہے۔ مگر قدیم زمانے میں یہ ج سے مشابہہ تھا۔ یہی وجہ ہے عربی لفظ جمل (اونٹ) انگریزی میں کیمل بن گیا۔ اصل میں جیمل تھا۔

۲-	ہ و ز	E F G
۳-	ح ط ی	H I J

J کا تلفظ قدیم زمانے میں ی سے مشابہہ تھا۔ اسی وجہ سے عربی کا یروشلم انگریزی میں Jerusalem بن گیا۔

۴-	ک ل م ن	K L M N
۵-	س ع ف ص	O P
۶-	ق ر ش ت	Q R S T

۱- محاضرات الموسم الثقافی، ۳-۷۲-۷۳ ۱۹ء، صفحہ ۱۰۲، مطبوعہ حکومت ابوظہبی،

۳- تحریری مشابہت

رومن خط اور عربی خط میں گزشتہ ادوار میں بہت زیادہ تغیرات آئے ہیں۔ مگر اس کے باوجود بعض حروف میں تحریری مشابہت آج بھی باقی ہے۔

عربی (داہنی طرف)	رومن (بائیں طرف)
ل	l
م	m

واضح رہے کہ رومن خط یونانی خط سے ماخوذ ہے۔ یونانی آغاز میں تو داہنی طرف سے لکھتے تھے۔ پھر چند صدیوں کے بعد انہوں نے بائیں جانب سے لکھنا شروع کر دیا۔ اس کی وجہ سے حروف کے رخ بدل گئے اور شکلوں میں فرق آ گیا۔ اس سب کے باوجود مذکورہ بالا مشابہتیں آج تک باقی ہیں۔

آرامی خط کو یہ شرف حاصل ہے کہ دنیا کی تمام مذہبی کتابیں خط آرامی یا آرامی سے منشعب خطوط میں لکھی گئی ہیں۔

۱- صحف ابراہیم: محققین کے خیال کے مطابق یہ صحف آرامی کنعانی خط میں لکھے گئے تھے۔ ان کا زمانہ دو ہزار قبل مسیح تجویز کیا گیا ہے۔

۲- تورات: تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اس کو خط عبرانی میں لکھا گیا۔ اس کا زمانہ چودہ سو قبل مسیح ہے۔

۳- زبور: زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اس کو عبرانی خط میں لکھا گیا۔ اس کا زمانہ ایک ہزار قبل مسیح ہے۔

۴- انجیل: انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اور سریانی خط میں لکھی گئی۔ آج سے تقریباً دو ہزار سال قبل نازل ہوئی،

۵- اوستا: اوستا ایران کے پیشوا زرتشت کی طرف منسوب ہے۔ ہخامنشی خاندان کے دور (۳۰۰-۵۵۰ ق) میں آرامی خط ایران کا سرکاری خط تھا۔ اس لئے گمان غالب یہی ہے کہ موجودہ آرامی خط میں لکھی گئی تھی۔ موجودہ نسخہ اوستا دین دبیرہ خط میں لکھی ہوئی ہے۔ قدیم ترین نسخہ ۱۳۲۳ء کا مکتوب ڈنمارک کی جامعہ کوپن ہیگن میں موجود ہے۔

۶- وید: وید ہندوؤں کی مقدس الہامی کتاب ہے۔ یہ دیوناگری خط میں لکھی ہوئی ہے۔ جو آرامی سے ماخوذ ہے۔

البیرونی (۱۰۴۸-۹۷۳ء) نے کتاب الہند میں لکھا ہے کہ وید برہمنوں کو زبانی یاد تھے۔ میری آمد سے ایک صدی قبل ان کو ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔

۷- گوتما بدم: یہ گوتم بدھ (۴۸۸-۵۶۸ ق م) کی مقدس کتاب ہے، اور پالی زبان میں لکھی گئی ہے۔ جو برہمی سے ماخوذ ہے۔

۸- ارتنگ: ارتنگ مانی (۲۷۶-۲۱۵ء) کے مذہب کی مقدس کتاب ہے، اس کے لئے مانی نے ایک خاص خط اختراع کیا تھا۔ یہ پہلی مذہبی کتاب تھی جو مصور تھی۔ خط مانی بھی خط آرامی سے ماخوذ تھا۔

۹- قرآن مجید: قرآن مجید آخری آسمانی کتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی (۶۱۰ء) یہ عربی خط میں لکھی گئی ہے۔

مختلف خطوط کا تقریبی زمانہ

۱- ۲۰۰۰ قبل مسیح .... آرامی کنعانی
۲- ۱۴۰۰ قبل مسیح .... آرامی فینیقی
۳- ۱۲۰۰ قبل مسیح .... عبرانی
۴- ۱۰۰۰ قبل مسیح .... مسند حمیری
۵- ۱۰۰۰ قبل مسیح .... یونانی
۶- ۸۰۰ قبل مسیح .... قرطاجہ (بونی)
۷- ۸۰۰ قبل مسیح .... براہمی
۸- ۵۰۰ قبل مسیح .... خروشتھی
۹- ۲۵۰ قبل مسیح .... پہلوی
۱۰- ۲۰۰ قبل مسیح .... سریانی
۱۱- ۲۰۰ بعد مسیح .... نبطی
۱۲- ۲۵۰ بعد مسیح .... مانوی
۱۳- ۵۰۰ بعد مسیح .... عربی خط
۱۴- ۵۰۰ بعد مسیح .... دین دبیرہ
۱۵- ۱۰۰۰ بعد مسیح .... دیوناگری

ooooooooooooooooo

باب ۴

عربی خط کا آغاز

عربی خط کے مآخذ اور سرچشمے کے متعلق قدیم علماء، جدید محققین اور مستشرقین کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔ ساری بحث و تحقیق کا خلاصہ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد (بروزن مزمل) نے یہ بیان کیا ہے۔ عربی خط کے مآخذ کے متعلق تین نظریات پیش کئے جاتے ہیں۔

۱- عربی خط سریانی خط سے ماخوذ ہے۔ (مؤرخ بلاذری)

۲- خط عربی انبار سے حیرہ اور پھر وہاں سے مکہ پہنچا ہے۔ (مؤرخ ابن ندیم)

۳- خط عربی خط مسند سے مشق ہے۔ (مؤرخ ابن خلدون)

اسلام سے قبل کے تحریر کردہ عربی خط کے جو کتبات اب تک دریافت ہو چکے ہیں ان کے مطالعے اور تجزیے سے ہی یہ ممکن ہے کہ مذکورہ بالا نظریات کی صحت و سقم کے متعلق کوئی رائے قائم کی جائے۔ کسی نظریئے کی تائید میں محض کسی قدیم کتاب کا حوالہ کافی ثبوت نہیں ہے۔ عربی قدیم کے تمام کتبات بطرا (Petra) نبطیوں کے علاقے سے ملے ہیں۔ اس زمانے میں وہاں سریانی کا اثر بالکل نہیں تھا۔ سریانی کا غلبہ حیرہ کی ریاست میں تھا۔ وہ ایک عیسائی ریاست تھی۔ مگر آج تک وہاں سے کوئی عربی کتبہ دریافت نہیں ہوا ہے۔ خط مسند اور خط عربی میں بہت بڑا فرق ہے۔ الفہرست کے صفحہ ۸ پر ابن ندیم لکھتا ہے!

"اہل یمن کے عمر رسیدہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ خط مسند میں الف باتا عربی الف باتا سے مختلف تھی۔"

اس جملے سے یہ فرق واضح ہے، اب واضح نظریہ یہ باقی بچا کہ عربی خط نبطی خط سے مآخوذ ہے، قدیم عربی خط کے نمونے بھی نبطی خط کے علاقے سے ہی دریافت ہوئے ہیں۔(۱)

۱۔ دراسات فی تاریخ الخط العربی، لدکتور صلاح الدین المنجد، ص ۱۲، دار الکتب الجدید، بیروت ۱۹۷۹ء،

موجودہ اردن کے علاقے میں قدیم زمانہ میں ایک عربی ریاست قائم تھی۔ یونانی اس کو (Petra) (عربی، بطرا اور تدمر) کہتے تھے۔ یہ ریاست پہلی صدی قبل عیسوی میں قائم ہوئی تھی۔ اس ریاست کے بانی نبطی تھے۔ جو نسلاً عرب ہی تھے اور عربی زبان کا ایک خاص لہجہ بولتے تھے۔ ان کے دو مرکزی شہر تھے۔ سلع یا بطرا شمال میں اور حجر اور مدائن صالح جنوب میں۔ سنہ ۸۵ ق م میں انہوں نے سلوقیوں (۱) سے دمشق کا تاریخی شہر بھی حاصل کر لیا تھا۔ تجارتی شاہراہ پر واقع بصریٰ (۲) ان کی تجارتی منڈی تھا۔

یہ ایک سرسبز اور شاداب علاقہ تھا۔ یمن سے روم (ترکی) جانے والی بین الاقوامی تجارتی شاہرہ یہاں سے گزرتی تھی۔ ہندوستان وغیرہ سے آمدہ مال اسی راستے سے یورپ منتقل ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے یہاں تجارت کو بڑا فروغ حاصل تھا۔ تجارت کی برکت سے یہ قوم بڑی آسودہ حال تھی۔ تہذیب و تمدن نے بھی یہاں ترقی کی تھی۔ ۱۰۶ء میں یہ ریاست رومی سلطنت میں ضم ہوگئی تھی۔ مگر اس کے بعد بھی وہاں تمدن کو فروغ حاصل ہوتا رہا۔ فنِ تعمیر میں بھی انہوں نے بڑی مہارت حاصل کی تھی۔ پہاڑوں کو کاٹ کر یہ مکانات بناتے تھے۔ ان کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔

وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِيْنَ O (۳)

تم پہاڑ تراش کر فخریہ عمارتیں بناتے ہو۔

تجارتی ضروریات نے ان کو تحریر کی ضرورت کا احساس دلایا۔ پہلے تو انہوں نے اپنے علاقے میں رائج آرامی خط کو استعمال کیا۔ پھر کچھ مدت کے بعد انہوں نے ایک نیا خط اختراع کر لیا۔ اس کو خطِ نبطی کہتے ہیں۔

نبطی خط کی بعض خصوصیات بڑی نمایاں ہیں:

۱- نبطی حروف تہجی کے چند حروف پوری طرح ترکیب قبول کرتے ہیں، یعنی واصل بھی ہوتے ہیں اور موصول بھی۔ جیسے ب، ک، م وغیرہ۔

خطِ نبطی میں عربی تحریر

۲- بعض حروف جزئی ترکیب قبول کرتے ہیں۔ یعنی صرف موصول بنتے ہیں جیسے، دال، ذ، ر، ز، و، وغیرہ

۳- بعض حروف کی شکل لفظ کے آغاز میں ایک ہوتی ہے اور آخر میں دوسری ہوتی ہے جیسے مہم، مہ، یہ، ہی، وغیرہ،

۱- سکندر یونانی کے مر جانے کے بعد اس کے مشرقی مقبوضات، شام، ایران اور پاکستان پر اس کا ایک جنرل سلوکس (Selucus) حکمران بن گیا تھا۔ اس کے خاندان میں حکومت ۳۱۲ ق م سے شروع ہو کر ۶۴ ق م تک جاری رہی۔ ۲- یہ وہی شہر ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل نبوت بچپن میں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ ایک تجارتی سفر اختیار کیا تھا۔ ۳- سورۂ شعراء، آیت ۱۴۹،

۴- تائے تانیث کو بھی تائے مبسوطہ لکھتے ہیں۔ امۃ کو امت لکھتے ہیں۔

۵- الف کے اسفل میں داہنی جانب جھکاؤ رکھتے ہیں۔

۶- بعض الفاظ میں سے الف کو حذف کردیتے ہیں۔ جیسے رحمٰن، اسمٰعیل،

امرالقیس کی قبر کا کتبہ

چھٹی صدی عیسوی

نبطیوں کے تجارتی قافلے اندرون عرب میں جاتے تھے۔ عرب قبائل سے ان کے گہرے رابطے تھے ان کی اپنی زبان بھی عربی کا ہی ایک لہجہ تھی۔ ان اسباب کی بنا پر عربی زبان کے لئے نبطیوں کا خط اختیار کیا گیا۔ جس کا سب سے بڑا ثبوت تو یہ ہے کہ نبطی خط کی امتیازی خصوصیات عربی خط میں موجود ہیں۔ دوئم عربی تحریر کا قدیم ترین کتبہ ام الجمال کا کتبہ ہے۔ جس کا زمانۂ تحریر ۲۵۰ عیسوی ہے۔ اور آخری کتبہ چھٹی صدی عیسوی کا ہے۔ یہ دونوں کتبے نبطیوں کے علاقے سے دستیاب ہوئے ہیں۔(۱)

ان شواہد کی بنا پر یہ رائے قرین صواب ہے کہ عربی خط درحقیقت نبطی خط سے ماخوذ ہے۔ عربی خط کا مولد و منشا

۱- دراسات فی الخط، ص ۲۰-۲۱،

نبطیوں کا علاقہ ہے۔(۱) بہت ممکن ہے کہ نبطی عربوں نے ہی حجازی عربی کو تحریر میں لانے میں سبقت کی ہو۔

قدیم مؤرخ بلاذری نے لکھا ہے کہ عربی خط حیرہ سے دومۃ الجندل آیا۔ وہاں سے حرب بن امیہ کے ذریعے مکہ میں داخل ہوا۔ اس بیان کو آثار کی تائید حاصل نہیں ہے۔ حیرہ کے علاقے میں آج تک عربی زبان کا کوئی کتبہ نہیں ملا ہے۔ بہر کیف اتنی بات یقینی ہے کہ عربی خط مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل داخل ہو چکا تھا۔ ۱۹-۱۷ افراد وہاں لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ابن ندیم نے الفہرست میں اس خط کو مکی خط کا نام دیا ہے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

۱- دراسات فی تاریخ الخط العربی، لدکتور صلاح الدین المنجد،

باب ۵
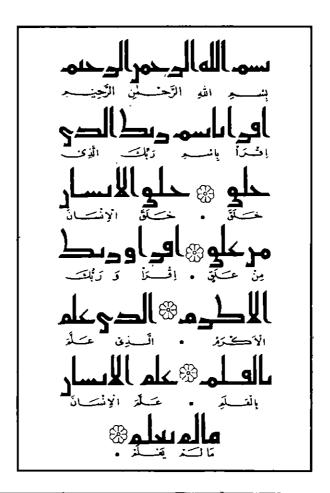
مکی اور مدنی خط

مکہ مکرمہ قدیم زمانے میں بھی عرب کا مشہور ترین شہر تھا۔ حرم کعبہ کا حج کرنے کے لئے دور دراز علاقوں سے چل کر عرب یہاں آتے تھے۔ تمام قبائل کعبہ شریف کا احترام کرتے تھے۔ ۵۷۰ء میں یمن کے حبشی بادشاہ ابرہہ نے مکہ پر حملہ کیا تھا۔ لشکر کے ساتھ ہاتھی بھی تھے۔ وہ کعبہ کو مسمار کرنا چاہتا تھا۔ آسمانی آفت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس لشکر کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس واقعے کے بعد سے حرم کعبہ کی عظمت اور تقدس میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔

مکہ شریف یمن سے شام تک جانے والے تجارتی قافلوں کی شاہراہ پر واقع تھا۔ ایک بڑا تجارتی مرکز تھا۔ ہمسایہ ممالک کے لوگ تجارت کی غرض سے یہاں آتے تھے۔ مختلف نسلوں، حبشی، ایرانی، رومی اور مختلف مذہبوں، یہودی، عیسائی اور مجوسی، لوگ یہاں پائے جاتے تھے۔ بڑی حد تک اس دور میں بھی یہ ایک بین الاقوامی شہر تھا۔ اسی وجہ سے مکہ میں عربی خط کے علاوہ حبشی، پہلوی، عبرانی، سریانی اور رومی خطوں کے جاننے والے موجود تھے، ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل تورات اور انجیل کے عالم تھے۔ یعنی وہ عبرانی اور سریانی زبانیں جانتے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ (۶۱۰ء) اہلِ مکہ کی زندگی میں اور سارے عربوں کی زندگی میں ایک انقلاب انگیز واقعہ تھا۔ یہ واقعہ ایک ہمہ گیر اور ہمہ جہت انقلاب کا داعی تھا۔ اس انقلاب کی طاقتور لہریں مکانی طور پر بتدریج بحر الکاہل سے لے کر بحر اطلس تک وسیع ہو گئیں، اور آج بھی یہ دائرہ وسعت پذیر ہے اور زمانی طور پر ڈیڑھ ہزار سال سے انقلاب کی یہ لہریں اقوامِ عالم کو متاثر کر رہی ہیں-اب تک ان کی انقلاب انگیزی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

اس انقلاب انگیز تعلیم کا آغاز نزولِ وحیِ الٰہی کے ساتھ شروع ہوا۔ وحیِ الٰہی کو تحریر کے ذریعے محفوظ کرنے کا اہتمام اول روز سے رسول اللہ صلی اللہ وعلیہ وسلم نے فرمایا۔ مکہ معظمہ میں اس وقت کئی خط رائج تھے۔ آپ ﷺ نے عربی خط کو اختیار فرمایا۔ اس طرح عربی خط اسلام کا خط بن گیا۔ اس طرح یہ مسلمانوں کا خط بن گیا۔ جہاں اسلام گیا وہاں ساتھ ہی عربی خط بھی

گیا۔ اس طرح عربی خط کی ترقی، تحسین اور توسیع کی بنیاد رکھ دی گئی۔ مسلمانوں نے اس خط کو فروغ دینے میں پھر کسی کوشش سے دریغ نہیں کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ ان لوگوں میں سے تھے جو قبل اسلام ہی عربی کتابت جانتے تھے۔ یہ لوگ اولین مسلمانوں میں سے ہیں۔ اس لئے وحیِ الٰہی کی اولین کتابت انہی بزرگوں نے فرمائی ہوگی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف میں تشریف لے آئے تو وہاں وحی الٰہی کی کتابت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور آخر میں معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے کی۔

امی (ان پڑھ) قوم کے امی نبی پر سب سے پہلے وحی جو نازل ہوئی وہ یہ ہے!

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ○ (۱)

”پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ہے، انسان کو ایک خون کے لوتھڑے سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے انسان کو قلم کے ذریعے وہ سب سکھادیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔“

اس کے بعد دوسری وحی جو نازل ہوئی وہ یہ ہے!

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ○ (۲)

”نٓ قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جس کو لکھنے والے لکھ رہے ہیں۔“

ان اولین آیات میں تعلیم کی اہمیت کا ذکر ہے۔ جو ناخواندہ عربوں کے ماحول میں ایک نئی سی بات نظر آتی ہے۔ ان آیات سے مستقبل میں تعلیم سے متعلق سرگرمیوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مکہ میں اسلام پر ابتلاء کا دور تھا۔ ابتداء میں اسلام کی تعلیم مخفی انداز میں دی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں بیٹھ جاتے۔ وہاں قدیم اور جدید مسلمان آپ ﷺ سے ملاقات کرتے۔ وہاں آپ ﷺ مسلمانوں کو قرآن مجید کی آیات سناتے تھے، اور اسلام کی تعلیم دیتے تھے۔ دار ارقم اسلام کا پہلا مدرسہ تھا۔ مکی دور کے تیرہ سالوں میں اس سے زیادہ کچھ نہ ہو سکا۔

ہجرت کے بعد آپ ﷺ مدینہ منورہ میں آئے۔ سب سے پہلے آپ ﷺ نے مسجد نبوی تعمیر کی۔ مسجد کے ساتھ ہی ایک صفہ (چبوترا) بنایا گیا۔ وہاں اسلام کا دوسرا مدرسہ قائم ہوا اور نومسلموں کے لئے اسلام کی تعلیم کا انتظام فرمایا گیا۔ صفہ کے مدرسے میں تحریر اور کتابت کا انتظام بھی فرمایا گیا تھا۔ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ طلبہ کو کتابت کا فن سکھاتے تھے۔ سن ۲ ہجری میں جنگ بدر کا واقعہ پیش آیا ہے۔ قریش کے جو لوگ قیدی

۱۔ سورۂ علق، آیت ۱-۴، ۲- سورۂ قلم، آیت ۱،

بنائے گئے تھے ان میں سے بعض لوگ تحریر کا فن جانتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے قیدیوں کو رہائی کے لئے زرِ فدیہ یہ مقرر کیا کہ وہ دس دس طالب علموں کو کتابت سکھا دیں اور رہائی حاصل کر لیں۔(۱) دنیا کی تاریخ میں ایسی کوئی دوسری مثال نہیں ہے کہ دولت حاصل کرنے کے مقابلے میں اشاعتِ علم کو ترجیح دی گئی ہو۔ اسی طرح بڑی تیزی سے فنِ کتابت جاننے والے سارے عرب میں پیدا ہوگئے۔ سارے عرب میں عربی خط پھیل گیا۔ وہ خط جو پہلے مکی کہلاتا تھا اب وہ مدنی کہلانے لگا۔

ابن ندیم نے الفہرست میں مدنی خط کی مندرجہ ذیل خصوصیات بتائی ہیں۔

۱- تحریر بالکل سادہ ہے۔ کسی قسم کا تصنع، تکلف اور آرائش اس میں نہیں ہے۔

۲- الف خاص خصوصیت کا حامل ہے الف کا سر شاخ دار ہے۔ الف کا زیریں حصہ داہنی طرف جھکا ہوا بلکہ مڑا ہوا ہے۔

۳- تحریر کی سطریں سیدھی مستقیم نہیں ہیں۔ حروف بھی بالکل سیدھے عمودی نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں خفیف سا ترچھا پن ظاہر ہوتا ہے۔

عہد نبوی کی جو تحریریں اس وقت تک موجود ہیں - ان کے مطالعے سے ابن ندیم کی بتائی ہوئی خصوصیات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ یہی تمام خصوصیات خط نبطی میں پائی جاتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مکی اور مدنی خط در حقیقت وہی نبطی خط تھا۔ اس وقت تک اس میں کوئی تغیر اور کوئی اصلاح نہیں ہوئی تھی۔

☆ آثارِ متبرکہ باقیہ

عہد رسالت باسعادت کے چند تحریری آثار آج تک موجود ہیں۔

کتبہ

مدینہ کے قریب کوہ سلع پر دو کتبات کا انکشاف ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے کیا ہے۔ انہوں نے ان کا زمانہ غزوۂ خندق یعنی چار ہجری مقرر کیا ہے۔ ان کتبوں پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔ اس وقت سن ہجری کا استعمال جاری نہیں ہوا تھا۔ پہلے کتبے پر علی بن ابی طالب کا نام کندہ ہے، اور دوسرے کتبے پر ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے نام کندہ ہیں۔ بلاشبہ مدنی خط کے یہ اولین نمونے ہیں۔(۲)

۱- مسند احمد بن حنبل، تخریج شاکر عدد حدیث ۲۲۱۶، واضح رہے کہ اس زمانے میں ایک قیدی کا زرِ فدیہ عام طور پر چار ہزار درہم ہوتا تھا۔ معارف، ابن قتیبہ، ۲۔ دراسات از ڈاکٹر صلاح الدین، ص ۳۰-۳۱،

صلح حدیبیہ ۷ھ /۶۲۸ء کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو داخلی مشکلات سے قدرے سکون ملا تو آپ ﷺ نے اشاعتِ اسلام کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ ﷺ نے ہمسایہ ممالک کے بادشاہوں کو خطوط لکھے، اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ خوش قسمتی سے ایسے چھ خطوط محفوظ رہے اور اب دریافت ہو چکے ہیں۔ یہ سب ہرن کی کھال کی جھلی پر تحریر شدہ ہیں۔

۱- نامہ مبارک بنام منذر بن ساویٰ بادشاہ حیرہ

یہ خط دمشق سے حاصل ہوا اور جرمنی کے رسالے 2DMG جلد ۱۷، سال ۱۸۶۳ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا تھا۔

نامۂ مبارک بنام منذر بن ساویٰ بادشاہ حیرہ

نامۂ مبارک بنام نجاشی شاہ حبشہ

۲- نامہ مبارک بنام نجاشی شاہ حبشہ

یہ خط حبشہ کے ایک کلیسا سے دریافت ہوا، رسالہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن نے جنوری ۱۹۴۰ء میں پہلی مرتبہ اس کو شائع کیا ہے۔

نامۂ مبارک بنام مقوقس شاہ مصر

۳- نامہ مبارک بنام مقوقس شاہ مصر

یہ خط اخمیم مصر کے ایک کلیسا سے دستیاب ہوا ہے۔ اور مجلّہ الہلال قاہرہ میں ۱۹۵۴ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا ہے۔

۴- نامہ مبارک بنام کسریٰ پرویز شاہ ایران

نامہ مبارک بنام کسریٰ شاہ ایران

اس خط کو صلاح الدین المنجد نے دریافت کیا ہے اور رسالہ ''الحیاۃ'' بیروت میں پہلی مرتبہ ۲۲ر مئی ۱۹۶۳ء کو شائع کیا۔

یہ سب خطوط مدنی رسم الخط کے طرز پر ہیں۔ ان کے اندر وہ تمام خصوصیات موجود ہیں۔ جن کی جانب ابن ندیم نے اشارہ کیا ہے۔

۵۔ نامۂ مبارک بنام ہرقل قیصر روم

یہ نامۂ مبارک اردن کے شاہ حسین کو اپنے دادا سے ملا تھا اس کی اصل ڈاکٹر حمید اللہ نے ایک فرانسیسی رسالے Arabica میں ۱۹۵۵ء میں شائع کرائی تھی۔(۱)

ا۔ خطوطِ ہادیٔ اعظم، سید فضل الرحمٰن، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، ۹۵ء، کراچی

۶۔ نامۂ مبارک بنام عبد و جیفر پسران جلندی

نامہ مبارک بنام ہرقل قیصر روم

یہ نامۂ مبارک ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو پیرس میں ۱۹۸۰ء میں تیونس کے ایک اخبار کے تراشے سے ملا تھا، یہ عکس الوثائق الیسا سیہ کے پانچویں ایڈیشن میں موجود ہے۔(۱)

نامہ مبارک بنام عبد و جیفر پسرانِ جلندی

بسم الله الرحمن الرحيم
من محمد رسول الله
الى جيفر و عبد ابنى الجلندى
وسلام على من اتبع الهدى
اما بعد فانى ادعوكما
بداعية الاسلام اسلما تسلما
انى رسول الله الى الناس
كافة لانذر من كان حيا
ويحق القول على الكافرين
فانكما ان اقررتما بالاسلام وليتكما
وان ابيتما ان تقرا بالاسلام
فان ملككما زائل عنكما
وخيلى تحل بساحتكما وتظهر نبوتى
على ملككما

✩ قرآن مجید

قرآن مجید عربی زبان کی پہلی تحریری کتاب ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی کا مجموعہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز ہی سے وحی کی حفاظت اور کتابت کا اہتمام فرمایا۔ جیسے ہی کوئی آیت نازل ہوتی تھی آپ ﷺ اس کو کاتب سے تحریر کرالیتے تھے۔ اس زمانے میں کاغذ بالکل نایاب تھا۔ اس لئے آپ ﷺ کھجور کے چھلکے، چوڑی ہڈی یا مٹی کے ٹھیکرے پر تحریر لکھا لیتے تھے۔ اور پھر اس کو ایک جگہ محفوظ رکھتے تھے۔ دوسری طرف صحابہ کرامؓ ان آیات کو زبانی یاد کرلیتے تھے۔ حفاظت کے یہ دونوں طریقے جاری رہے۔ ۲۳ سال کی مدت میں جب قرآن مجید مکمل ہوگیا تو وہ ایک طرف تحریری شکل میں بھی محفوظ تھا اور دوسری طرف صحابہ کرامؓ کے سینوں میں بھی محفوظ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کاتب وحی کو اس کام پر مامور فرمایا کہ وہ دونوں ذرائع استعمال کرکے قرآن مجید کو ایک کتاب کی شکل میں مرتب کریں۔ اس طرح یہ ایک کتاب کی صورت میں مرتب ہوگیا۔ اسلامی مملکت کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا۔ نئی نئی اقوام دائرہ اسلام میں داخل ہوتی گئیں۔ اس وقت ضرورت محسوس کی گئی کہ لوگوں کے پاس قرآن مجید کا ایک مستند نسخہ ہو تاکہ غلطی یا تبدیلی راہ نہ پاسکے۔

اس ضرورت کا احساس کرکے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ۳۰ ہجری میں پھر حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو مامور کیا کہ وہ چار پانچ مستند نسخے تیار کرلیں۔ جو صوبائی مراکز کوفہ، بصرہ، دمشق اور مدینہ منورہ کی مساجد میں رکھ

۱۔ خطوطِ ہادیٔ اعظم، الوثائق السیاسیہ، مطبوعہ بیروت، ۸۵ء، ص ۱۶۱، اضافہ از مرتب

مصحفِ عثمانی رضی اللہ عنہ

دیئے جائیں، اور لوگ ان سے مقابلہ کر کے اپنے مصحفوں کی اصلاح کرلیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ، یمن، اور بحرین میں بھی ایک ایک نسخہ بھیجا گیا تھا۔ مزید احتیاط کے لئے ان نسخوں کے ساتھ دار الخلافہ سے مستند قاری بھی روانہ کئے گئے تھے۔ تاکہ وہ صحیح تلفظ اور صحیح لہجہ سکھا دیں۔ مدینہ کے قاری زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، مکہ کے قاری عبد اللہ بن السائب رضی اللہ عنہ، شام کے قاری مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، کوفہ کے قاری ابو عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ، بصرہ کے قاری عامر بن عبد قیس مقرر ہوئے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منسوب قرآن مجید کا ایک ورق

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منسوب قرآن مجید کا ایک ورق (۲)

بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک نسخہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خاص اپنے لئے تیار کرایا تھا۔ جس کو وہ امام کہتے تھے۔ جو شہادت کے وقت ان کی گود میں تھا اور خون کے قطرے اس آیت پر پڑے تھے۔ فَسَيَكۡفِيكَهُمُ ٱللَّهُ (۱)

یہ قرآن کریم ۱۱۴ سورتوں پر مشتمل تھا۔ سورتوں کے درمیان حد فاصل بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم تھی۔ نہ اس میں اعراب اور نقطے تھے۔ نہ رکوع و نصف وغیرہ کے دوسرے نشانات تھے۔ یہ بالکل سادہ قرآن تھا۔ کسی قسم کی آرائش اور زیبائش اس میں نہیں تھی۔

یہ قرآن مجید کے نسخے اونٹ کی کھال کی جھلی پر سیاہ روشنائی سے اور خوش خط قلم سے لکھے گئے تھے۔ اس خط میں خط نبطی کی تمام خصوصیات موجود تھیں۔

۱۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۳۷، ۲۔ اضافہ از مرتب،
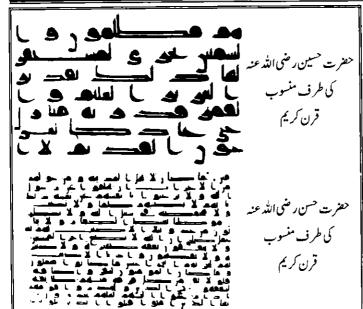
اس وقت دنیا میں چار قرآن مجید ایسے ہیں جن کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ مصاحف عثمانی کے اولین نسخے ہیں۔

۱- تاشقند میوزیم ترکستان میں ہے۔
۲- مشہد حسینی قاہرہ میں ہے۔
۳- دار الآثار قسطنطنیہ میں ہے۔
۴- توپ کاپی سرائے استنبول ترکی میں موجود ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قرآن کریم

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قرآن کریم

عام طور پر علما ان کو قدیم ترین مصاحف کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں مگر جدید محققین کی رائے ان کے خلاف ہے۔ ان کی نظر میں ان میں سے کسی ایک کا خط بھی مدنی خط نہیں ہے۔ مدنی خط کی خصوصیات سے یہ قرآن مجید عاری ہے۔ ان کا خط بعد کے دور کا ترقی یافتہ خط ہے۔ اس لئے ماہرین ان کو دور عثمانی کے مصاحف تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔(۱) اس طرح دنیا کے عجائب خانوں اور کتب خانوں میں خلفا راشدینؓ بشمول حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت سے منسوب قرآن مجید موجود ہیں۔ مگر ماہرین کے نزدیک وہ سب بھی بعد کے زمانہ کے تحریر کردہ ہیں۔(۲)
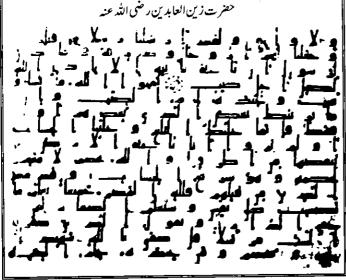
حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ

قرآن مجید دینِ اسلام کی کتاب ہے۔ قرآن مجید کا پڑھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ہر گھر میں اس کا موجود ہونا ضروری ہے۔ مسلمانوں کو اس کتاب سے بے حد محبت ہے۔ حفاظ اس کو یاد کرتے ہیں۔ قراء اس کی قرأت کرتے ہیں۔ خطاط اس کو حسین و جمیل طریقے سے لکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے جملہ علوم و فنون کا سرچشمہ قرآن مجید ہے۔ اس ایک کتاب سے صدہا علوم مسلمانوں نے استنباط کیے ہیں۔ اس ایک کتاب نے قریش کی زبان عربی کو عالمی زبان بنا دیا۔ جہاں جہاں اسلام پہنچا وہاں قرآن

۱- دراسات فی تاریخ خط العربی، ڈاکٹر صلاح الدین المنجد، ص ۵۵، ۲- ایضاً، ص ۷۱،

مجید بھی پہنچ گیا۔ وہاں عربی خط بھی پہنچ گیا۔ اس ایک کتاب نے مدنی خط کو عالمی خط بنا دیا۔ عربی خط کی ترقی، توسیع اور تحسین بالواسطہ یا بلاواسطہ قرآن مجید کا فیضان ہے۔ یہ ایک انقلاب آفریں کتاب ہے۔ علم و فضل کے سوتے اس کتاب سے پھوٹتے ہیں۔ ذہنوں کی آبیاری کے لئے اس کی زرخیزی اور شادابی آج بھی اسی طرح موجود ہے۔

☆ آثار باقیہ

خلافت راشدہ کے دور کے دو کتبات آج بھی موجود ہیں - ایک بردیٰ کاغذ پر تحریر ہے۔ یہ مصر کے شہر اھنس سے دستیاب ہوا ہے۔ اس پر یونانی اور عربی تحریریں موجود ہیں۔ عربی تحریر پر سن کتابت درج ہے۔ یعنی ۲۲ ہجری۔ یہ حضرت عمر بن الخطاب خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہے۔ واضح رہے کہ مصر سن ۲۰ ہجری میں فتح ہوا ہے۔ یہ فتح مصر کے دو سال بعد کی تحریر ہے۔ یہ تحریر آسٹریا کے دارالحکومت ویانا (Vienna) کے عجائب خانے میں محفوظ ہے۔ (۱) عہد اسلامی کی یہ قدیم ترین تحریر ہے۔ خصوصیات کے لحاظ سے یہ خط مدنی سے پوری طرح مشابہہ ہے۔ اس میں سادگی ہے اور عدم تصنع اور تکلف ہے۔ مگر دو باتیں امتیازی ہیں۔ ۱- اس تحریر میں الف سیدھا لکھا ہوا ہے۔ الف میں دور (گولائی) کی جانب رجحان نظر آتا ہے۔ جس کو عربی میں لین کہتے ہیں۔ ۲- مگر عجیب تر بات یہ ہے کہ نون، شین، زا، ذال، اور خا پر نقطے موجود ہیں۔ یہ بہت اہم انکشاف ہے۔
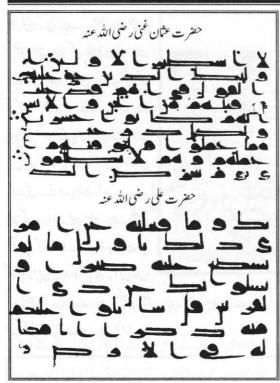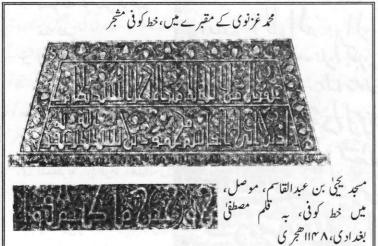
محمد غزنوی کے مقبرے میں، خط کوفی مشجر

مسجد یحییٰ بن عبدالقاسم، موصل، میں خط کوفی، بہ قلم مصطفیٰ بغدادی، ۱۱۴۸ھجری

دوسری تحریر ایک کتبہ ہے۔ جواب قاہرہ کے عجائب خانے میں محفوظ ہے۔ یہ کتبہ ایک قبر کا ہے۔ جس پر ۳۱ سن

۱- ایضاً، ص ۷۱،

بردی کاغذ کی تحریر ۲۲ر ہجری
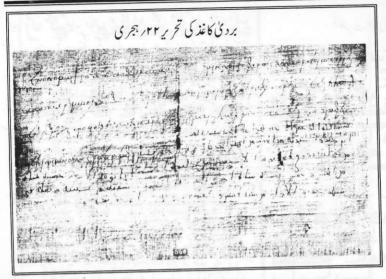
ہجری درج ہے۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہے۔ یہ عبدالرحمٰن بن خیر کی قبر کا کتبہ (شاہد) ہے۔ یہ کتبہ بند اسوان مصر کے پاس دریافت ہوا۔ اس کو ۱۹۲۹ء میں حسن آفندی ہواری نے دریافت کیا ہے۔ یہ خط کھردرا اور غیر پختہ ہے۔ شاید پتھر پر کندہ ہونے کی وجہ سے یہ کھردراپن پیدا ہو گیا ہو۔ اس میں خط یابس (سطح) ہے۔ دور بالکل نہیں ہے۔ الف سیدھا ہے نہ خمدار ہے اور نہ داہنی طرف مائل ہے۔ یہ قدیم ترین سنگی کتبہ ہے جو اب تک دریافت ہوا ہے۔(۱)

اس پر یہ عبارت تحریر ہے

۱۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم هذا القبر
۲۔ لعبد الرحمٰن بن خیر الحجری اللّٰهم اغفرله
۳۔ وادخله فی رحمة منك وایانا معه
۴۔ استغفرله اذاقراء هذا الکتاب
۵۔ وقا امین وکتب هذا
۶۔ الکتاب فی جمادی الآ
۷۔ خرمن السنة احدی و
۸۔ ثلثین

ابن خیر کی قبر کا کتبہ، ۳۱ر ہجری

۱۔ الدراسات، ص ۳۸، ۴۰۔

باب ٦

عربی خط کی تشکیل اور تکمیل

خلافت راشدہ (۱۱-۴۰ھ / ۶۳۲-۶۶۱ء) کے دور میں اسلامی مملکت نے بڑی وسعت اختیار کر لی۔ نئے نئے ممالک اسلامی ریاست میں شامل ہو گئے۔ فوجی ضرورت کے تحت خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایران کی سرحد پر دو چھاؤنیاں آباد کیں۔ بصرہ ۱۴ھ / ۶۳۵ء میں آباد ہوا اور کوفہ ۱۷ھ / ۶۳۸ء میں آباد ہوا۔ یہ دونوں شہر صوبائی دارالحکومت بھی تھے۔ صحابہ کرامؓ اور مختلف عرب قبائل یہاں آکر آباد ہو گئے۔ سب سے پہلے خط نے بصرہ میں ترقی کی۔ بعض کتابوں میں خط کوفی کی طرح خط بصری کا بھی نام ملتا ہے۔ وہاں کے ایک کاتب بہت مشہور ہیں۔ امام حسن بصری جو حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ علم و فضل، تقویٰ اور عمل میں ممتاز تھے۔ تصوف کا سلسلہ ان سے چلا ہے۔ وہ بڑے کاتب بھی تھے اور شروع میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بصرہ کے حاکم ربیع بن زیاد کے کاتب رہے ہیں۔ وہ خط کا ابتدائی دور تھا۔ کوفہ کے دارالامارۃ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو قاضی اور معلم بنا کر بھیجا گیا۔ انہوں نے کوفہ کی مسجد میں علم کی گرم بازاری شروع کر دی۔ ان کے فیض عام کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ بیس سال بعد خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو دارالخلافت بنایا اور اپنی آمد سے رونق بخشی۔ وہاں وسیع پیمانے پر علم کا چرچا دیکھا تو فرمایا!

"اللہ تعالیٰ ابن مسعودؓ کی قبر کو نور سے بھر دے اس نے کوفہ کو عمل سے بھر دیا۔"

قدیم عربی بادشاہ حیرہ کا دارالسلطنت کوفہ کے قریب تھا۔ ایرانی تمدن کے بڑے مراکز اصطخر اور مدائن بھی کوفہ سے زیادہ دور نہیں تھے۔ جندی سابور میں نسطوری عیسائیوں کا قدیم مدرسہ بھی زیادہ دور نہیں تھا۔ اس لئے سریانی لکھنے والے عیسائی اس شہر میں آکر آباد ہو گئے۔ اہل ایران آذربائیجان اور ماوراء النہر تک سے یہاں آکر آباد ہو گئے۔ یہ ایک بین الاقوامی شہر بن

گیا۔ جہاں مختلف اقوام اور ملل کے افراد آکر بس گئے۔(۱)

صحابہ کرامؓ کے زمانے میں خط مدنی ہی استعمال ہوتا رہا۔ کوئی خاص تغیر اس میں واقع نہیں ہوا۔ متمدن اقوام کے خلط ملط ہو جانے کے بعد بعض لوگوں نے خط مدنی کی اصلاح کی، نوک پلک درست کی۔ یہ اصلاح یافتہ مدنی خط بعد میں خط کوفی کہلایا۔ جلد ہی خط کوفی وسیع اسلامی مملکت میں رائج ہوگیا۔ سندھ سے لے کر مراکش تک ہر جگہ خط کوفی پھیل گیا۔

خط کوفی کے متعلق عام طور پر یہ بات مشہور ہے کہ خط کوفی میں صرف سطح ہے۔ دور نہیں ہے۔ یعنی اس خط میں حروف خط عمودی اور خط افقی بناتے ہیں-ان کے اندر گولائی بالکل نہیں ہے۔ خط کوفی میں ہندسہ (جیو میٹری) کا عکس صاف نظر آتا ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ کوفہ میں سریانی لکھنے والے مسیحی آباد تھے۔ سریانی خط میں ہندسی خط سے پوری مشابہت موجود ہے۔ وہاں سے ہندسی مشابہت کا تصور مسلمان قلم کاروں نے اخذ کرلیا اور پھر خط کوفی کو ہندسی شکل پر ڈھال لیا، حتیٰ کہ آج عمودی خط، افقی خط، زاویہ قائمہ کی ہندسی شکلیں ہی خط کوفی کی امتیازی خصوصیت قرار دی جاتی ہیں۔

یہ بات شہرت ضرور رکھتی ہے۔ مگر یہ تمام حقیقت نہیں ہے۔ خط کوفی میں بلکہ اصل خط مدنی میں بھی دونوں طریقے رائج تھے۔ سطح کا طریقہ اور دور کا طریقہ۔ فن خطاطی کا امام اور حجت ابن مقلہ متوفی ۳۲۸ھ لکھتا ہے کہ خط کوفی کئی طرز پر لکھا جاتا ہے، جن میں دو اقسام خاص ہیں۔

۱۔ خط یابس یعنی مبسوط جس میں سطح ہی سطح ہوتی ہے دور بالکل نہیں ہوتا ہے۔

۲۔ خط لین یعنی متدیر جس میں دور (گولائی) ہوتی ہے۔(۲)

یہ اس شخص کا قول ہے جو فن خط کا مسلم الثبوت امام ہے۔ جس کا قول حجت ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خط کوفی میں سطح اور دور دونوں طریقے رائج تھے۔ جدید زمانے میں محققین نے ۴۳ھ کا تحریر کردہ بردئی کاغذ پر ایک تحریر دریافت کی ہے۔ یہ خط مدنی میں ہے مگر اس کے اندر دور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خط کوفی میں اور اس سے قبل خط مدنی میں بلکہ شاید خط مکی میں بھی دور تھا۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ خط یابس کثیر الاستعمال تھا۔ اس لئے اس کے نمونے وافر مقدار میں ملتے ہیں اور خط لین قلیل الاستعمال تھا۔ اس لئے اس کے نمونے کمیاب بلکہ نایاب ہیں۔

آگے بڑھنے سے قبل خط کی دو اصطلاحیں سمجھ لینا ضروری ہے۔ عربی خط میں حروف دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ حروف ہیں جو سطر کے اوپر لکھے جاتے ہیں خواہ ان کی شکل عمودی ہو جیسے الف یا افقی ہو جیسے ب اس گروہ میں ان حروف کو بھی شامل کرلیا جاتا ہے جو عمودی افقی خطوط سے مرکب ہوتے ہیں۔ جیسے ک، ل، دوسری قسم حروف کی وہ ہے جن کا آدھا حصہ سطر سے نیچے اتر آتا ہے۔ اس قسم ثانی کے حروف میں اگر دور نہیں ہوتا تو ان کو یابس یا مبسوط یا سطح دار کہتے ہیں اور اگر قسم ثانی کے

۱۔ کوفہ اور بصرہ کی اہمیت کو سب سے بڑا نقصان زنجی کی بغاوت سے پہنچا۔ جب شہر کو لوٹا گیا اور کھنڈر بنادیا گیا۔ پھر وہ کبھی اپنی سابقہ عظمت حاصل نہ کرسکا۔ اہل فن اور اہل علم سب نے بغداد دارالخلافہ کا رخ کرلیا۔ ۲۔ دراسات فی تاریخ الخط العربی، دکتور صلاح الدین، المنجد، ص ۷۹، الصبح الاعشیٰ قلقشندی، ج ۳، ص ۴۸،

حروف گول ہیں یا دائرے کی جانب میلان رکھتے ہیں تو اس کو لین، یا مستدیر کہتے ہیں۔ گولائی کو دور یا تقویر کہتے ہیں۔ گویا سطح پر پھیلا کر لکھے جانے والے حروف مبسوط ہیں اور سطح سے نیچے گہرائی میں لکھے جانے والے حروف مستدیر اور مقور ہیں۔ اس لحاظ سے خط کوفی کو یابس اور خط نستعلیق کو لین کہتے ہیں۔

اس وقت حروف پر نہ نقطے ہوتے تھے اور نہ اعراب، اسی لئے اسے پڑھنے میں دشواری پیش آتی تھی۔ عہد بنی امیہ میں سب سے اہم سوال یہ تھا کہ خط عربی میں وہ کیا اصلاحات کی جائیں کہ عربی خط کے پڑھنے میں آسانی ہو اور وہ درست پڑھا جائے۔ تحریر کے نقطہ نظر سے اس دور کی سب سے بڑی کامیابی اعراب کی اور لفظوں کی ایجاد ہے۔ تمام تذکرے اور تاریخیں اس بات پر متفق ہیں کہ اعراب لگانے کا آغاز ابوالاسود دئلی متوفی ۶۹ھ /۶۸۸ء نے کیا اور اس کی تکمیل ان کے دو لائق شاگردوں نصر بن عاصم بصری ۸۹ھ /۷۰۸ء اور یحییٰ بن یعمر عدوانی قاضی خراسان ۱۲۹ھ /۷۴۷ء نے کی ہے۔ یہ کام حجاج بن یوسف کے زمانے میں ہوا ہے۔

نقطے کی ایجاد سے متعلق قدیم نظریے کو جدید تحقیقات نے غلط ثابت کر دیا ہے۔ ۱۸۴۸ء میں G.C.Miles نے طائف میں ایک قدیم بند کے آثار دریافت کئے۔ اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کا ایک کتبہ تحریر ہے۔ حسن اتفاق سے اس پر تاریخ ۵۸ھ درج ہے۔ عہد بنی امیہ کا یہ قدیم ترین کتبہ ہے۔ خط سطح دار ہے اور حروف ہندسی ہیں۔ اسلوب تحریر خط مدنی سے مشابہ ہے۔ نئی بات جو اس کتبے میں ہے وہ نقطوں کا وجود ہے۔ اس کتبے میں ب ت خ ف ن پر نقطے دیئے ہوئے ہیں۔ اس سے قبل عہد فاروقی کی ایک تحریر سنہ ۲۳ھ کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس میں بھی ن، ش، ز، ذ، خ پر نقطے لگے ہوئے موجود ہیں۔ (۱)

اس سلسلے میں خطیب بغدادی نے ایک قلمی کتاب سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتب وحی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ حروف پر نقطے لگاؤ۔ (۲) فن قرأت اور تجوید کے امام ابن جزری نے لکھا ہے کہ جب عہد عثمانی میں مصحف لکھا گیا تو اس کو نقطوں سے خالی کر دیا گیا۔ (۳) ان دو مصنفوں کا بیان اور جدید دریافت شدہ کتبات اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ حروف پر نقطوں کا وجود عہد رسالت میں بلکہ شاید اس سے قبل بھی موجود تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بہ نظر احتیاط مصحف کو نقاط سے خالی رکھا۔ جب قرآن مجید کے پڑھنے میں غلطی واقع ہونے لگی تو پھر لوگ مجبور ہوئے کہ قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگائیں۔ یہ درست ہے کہ نصر بن عاصم نے اوّل مرتبہ قرآن مجید میں نقاط لگائے ہیں مگر وہ نقاط کے موجد نہیں ہیں۔ مزید بر آں صدیوں تک بہت سے اہل علم نے اس طریقہ کو قبول نہیں کیا وہ اس کو بدعت خیال کرتے تھے مگر بتدریج سارے اسلامی ممالک میں نقاط اور اعراب کا طریقہ رائج ہو گیا۔ امام مالک نے اعراب لگانے کو بدعت کہا ہے۔

محققین نے یہاں ایک سوال اٹھایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خط عربی میں یہ نقطے آئے کہاں سے؟ وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ نقطے سریانی خط سے ماخوذ ہیں۔ ان کا استدلال اس واقعے سے ہے کہ کوفہ اور بصرہ کے اردگرد اس زمانے میں سریانی خط پھیلا ہوا

۱۔ الدارسات، ص ۱۰۱-۱۰۲، ۲۔ الدراسات، ص ۱۲۶، ۳۔ النشر فی قرأت العشر، لابن جزری، ج ۱، ص ۲۲،

تھا۔ اس نظریے کے قبول کرنے میں یہ امر مانع ہے کہ اب تک قدیم نقطے والی تحریریں مصر اور حجاز سے دریافت ہوئی ہیں، ان علاقوں میں خطِ سریانی کا اثر نہیں تھا، کوفہ کے پاس جو نقطے والی تحریریں دریافت ہوئی ہیں وہ بہت بعد کی ہیں۔ اس لئے سریانی خط سے نقطے اخذ کرنے کا نظریہ واقعاتی شہادت سے محروم ہے۔

تاہم اس بیان سے کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ نقطوں کا استعمال تحریر میں عام تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تحریریں نقطوں سے خالی ہوتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ ہائے مبارک جو دریافت ہوئے ہیں۔ ان میں نقطے موجود نہیں ہیں۔ اسی لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نامہ ہائے مبارک کی پیروی میں ہی قرآن مجید میں نقطے نہیں لکھے۔ اس لئے بغیر نقطے والی تحریریں پڑھنے میں غلطیاں سرزد ہوتی رہتی تھیں۔ ادب کی کتابوں میں ایسے لطیفے بہت مرقوم ہیں۔

حروف پر نقطے لگانے کا کام نصر بن عاصم اور یحیٰ بن یعمر نے انجام دیا ہے۔ جو حروف زوج زوج تھے، ان میں سے پہلے حرف کو خالی رکھا اور دوسرے حرف کو نقطہ لگا دیا۔ جیسے د ذ، ر ز، ص ض، ط ظ، ع غ، / س ش، میں ش کے تین دندانے ہوتے ہیں۔ اس لئے اس پر تین نقطے لگا دیئے، ب، ت، ث، ن، ی، وہ حروف ہیں جو کثرت سے استعمال ہوتے ہیں اور اکثر یکجا جمع ہو جاتے ہیں۔ ان سب کو نقطہ دار بنا دیا تاکہ پڑھنے میں سہولت ہو۔ اصلاح خط کا یہ سلسلہ ایک مدت تک جاری رہا، حتیٰ کہ خلیل بن احمد فراہیدی (۱۷۰-۱۰۰ھ) نے اعراب کا موجودہ طریقہ اختراع کیا۔ فتحہ، ضمہ، کسرہ، سکون، شد، مد، صلہ، ہمزہ سب خلیل کے ذہن کی اختراع ہیں۔ اعراب کی اختراع کے بعد عربی تحریر کا پڑھنا بہت آسان ہو گیا۔ سہولت قرأت کے لحاظ سے عربی خط دنیا کا سب سے بہتر خط شمار ہوتا ہے۔

عبد الملک بن مروان (۸۶ھ / ۷۰۵ء) نے اپنی پوری مملکت میں عربی زبان کو سرکاری زبان بنا دیا۔ اس سے قبل ایران میں پہلوی، عراق اور شام میں سریانی اور مصر میں قبطی زبانوں میں سرکاری مراسلت ہوتی تھی۔ جدید اعرابی نظام کو بھی اس نے قبول کر لیا اور پوری مملکت میں رائج کر دیا۔ اس طرح عربی زبان اور اصلاح یافتہ عربی خط سارے عالم اسلام میں پھیل گیا۔ ہر قسم کی تحریریں اسی اصلاح یافتہ خط میں لکھی جانے لگیں، البتہ بعض علماء قرآن مجید میں اعراب لکھنے کو مصحف عثمانی کی مخالفت سمجھتے تھے اور اس کو پسند نہیں کرتے تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ (۱۷۹ھ) آخر تک اسی مسلک پر کاربند رہے۔

✿

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

باب ۷

کتابت کے لئے اشیا

مختلف ملکوں میں تحریر کے لئے مختلف اشیاء استعمال کی جاتی تھیں۔ یہ بات پہلے باب میں مذکور ہو چکی ہے کہ قدیم مصری تحریر کے لئے بردی گھاس کا موٹا کاغذ استعمال کرتے تھے، اور قدیم سومری (بابل) گلِ پختہ بطور کاغذ استعمال کرتے تھے۔

☆ بھوج پتر

ایران، ترکستان، افغانستان، پاکستان اور ہندوستان میں بھوج پتر کاغذ کے طور پر کتابت کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ فارسی میں اسے برگ توز کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کو (Birch Tree) کہتے ہیں۔ ایران اور کشمیر کے پہاڑوں میں آٹھ نو ہزار فٹ کی بلندی پر درخت توز اگتا ہے۔ اس کے پتے تیج پات کے نام سے بازار میں ملتے ہیں، پلاؤ میں ڈالے جاتے ہیں۔ بھوج پتر اس درخت کی چھال ہے۔ اس چھال میں پیاز کے پرت کی طرح ورق نکلتے ہیں۔ ملائم اور مضبوط ہوتے ہیں- یہ ورق نہ گلتے ہیں نہ سڑتے ہیں۔ ان پر تحریر صدیوں تک محفوظ رہتی ہے۔ ان اوراق پر فولادی قلم سے تحریر لکھتے تھے۔ پھر ان کو دھاگے میں پرو کر رکھتے تھے۔ بہت سے مقامات سے کھدائی میں بھوج پتر کی تحریریں برآمد ہوئی ہیں، انگریزی لفظ (Library) کی اصل لاطینی لفظ (Liber) ہے۔ جس کے معنی درخت کے چھلکے کے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ لاطینی تحریر بھی کسی قسم کے چھلکوں پر لکھی جاتی تھی۔ (Book) کی اصل جرمن لفظ (Boc) ہے۔ جو (Beech Tree) کو کہتے ہیں۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آغاز میں کسی قسم کے درخت کی چھال کو بطور کاغذ استعمال کیا جاتا تھا۔

ورق (عربی) پتا (ہندی) (Library) (انگریزی) تینوں ہم معنی لفظ یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ درخت کے پتوں کو تحریر کے لئے استعمال کرتے تھے۔

☆ ناریل اور کھجور

جنوبی ہندوستان میں کھجور کے پتے تحریر کے لئے استعمال کرتے تھے۔ ناریل کے پتے پر تحریر لکھتے تھے۔ ان کو خاص طور پر تیار کیا جاتا تھا۔ پتوں کی کتاب بناتے تھے۔ پتوں کے بیچ میں سے ایک دھاگا گزارتے تھے اور اس کو باندھ کر رکھتے تھے۔ اس کو ہندو پوتھی کہتے تھے۔

☆ کھال

جانوروں کی کھالوں کو دباغت کر کے ان پر تحریریں لکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ مجوسیوں کی مقدس کتاب ژنداوستا بارہ ہزار بیلوں کی کھال پر تحریر شدہ تھی۔ یہ ایرانی پائے تخت اصطخر میں رکھی رہتی تھی، جس کو سکندر یونانی نے اپنے حملے میں جلا کر راکھ کر دیا۔

ہندی میں کتاب کے لئے لفظ ''پستک'' ہے جو پوست کھال سے ماخوذ ہے۔ پہلی صدی قبل مسیح میں موجودہ ترکی کے شہر میں چرمی کاغذ بنانے کی صنعت بڑی ترقی یافتہ تھی۔ اس شہر کی مناسبت سے ان چرمی کاغذوں کو انگریزی میں (Parchment) کہتے ہیں۔ بکری یا ہرن کی کھال کو چاقو سے چھیلتے چھیلتے باریک جھلی سی بنا لیتے تھے۔ پھر اس کو بطور کاغذ استعمال کرتے تھے۔ یہ ملائم اور مضبوط ہوتا تھا۔ بعض دفعہ ایک تحریر چھیل کر مٹا دیتے تھے۔ اور دوسری تحریر اس پر لکھ لیتے تھے۔ بحر روم کے ممالک میں ان چرمی کاغذوں کا خوب چلن تھا۔

عربی زبان میں اس کو رق کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر آیا ہے۔ نامہ ہائے مبارک اور مصحف عثمان سب اس رق پر تحریر شدہ تھے۔

☆ سل

پتھروں کی چٹانوں پر بھی تحریر لکھتے تھے۔ پتھروں کی سلوں پر بھی لکھتے تھے۔ دھات کی تختیوں پر بھی لکھتے تھے۔ ان پر وہ تحریریں لکھی جاتی تھیں، جن کی حیثیت اعلان یا فرمان کی ہوتی تھی۔ جن کو تادیر باقی رکھنا مقصود ہوتا تھا۔ مصر سے لے کر ہندوستان تک سب جگہ پتھر کی سلیں استعمال ہوتی تھیں۔

☆ دھات

مختلف دھاتوں خصوصاً تانبے کے پتروں پر بھی تحریر کندہ کرنے کا رواج تھا، خصوصاً ہندوستان میں ان پر شاہی فرامین لکھے جاتے تھے۔

☆ کاغذ

کئی صدی قبل مسیح سے چین میں تحریر کے لئے کاغذ کا استعمال جاری ہے۔ وہ اس کو ایک قسم کی گھاس سے بناتے تھے۔ کاغذ کا لفظ چینی ہے۔ عالم اسلام میں کاغذ کا استعمال عہد بنی عباس میں شروع ہوا ہے۔ اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

قرآن مجید میں قرطاس کا لفظ کاغذ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔(۱) غالبًا اس سے مصری طرز کا کاغذ بردی مراد ہوگا۔ لفظ قرطاس (Caratis) یونانی نظر آتا ہے مگر ڈاکٹر مہدی حسن پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی نے بالکل نئی تحقیق پیش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ CHI, TAN, TSZ سے ماخوذ ہے۔ اس لئے اس کا تلفظ QIR, TA, S ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق قرطاس چینی لفظ ہے۔(۲)

☆ عرب

جاہلی دور میں عرب تہذیب و تمدن سے دور تھا۔ وہاں تحریر و کتابت کا رواج بھی نہیں تھا۔ وہاں مختلف اشیاء کتابت کے لئے استعمال ہوتی تھیں۔

اکتاف ...... اونٹ کے شانے کی چوڑی ہڈی،

لخاف ...... سفید پتھر کی سل،

قتب ...... اونٹ کی کاٹھی کی لکڑی،

عسیب ...... کھجور کی شاخ، چھال،

ادم ...... دباغت شدہ کھال،

قلم ...... درخت کی سبز شاخ کاٹ کر موٹے قط کا قلم بناتے تھے۔
اس کا قط خچر کے ۲۴ بالوں کے برابر ہوتا تھا۔ جو برابر برابر عرض میں رکھے ہوں۔

☆ قلم

قدیم زمانے میں چونکہ سخت اشیاء پر لکھتے تھے اس لئے لوہے کے قلم استعمال کرتے تھے۔ البتہ مصر میں جہاں کاغذ استعمال ہوتا تھا وہاں نرکل کا قلم استعمال کیا جاتا تھا۔ اہل چین بالوں کا برش استعمال کرتے تھے۔ اس کو موقلم کہتے تھے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

۱۔ سورۂ انعام، آیت ۷، ۲۔ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی، مشرقی پاکستان، جلد نمبر ۶، سنہ ۱۹۶۱ء،

والله غالب على أمره
١٣٥١

فصل دوم

لا اله الا الله محمد رسول الله

باب ۸
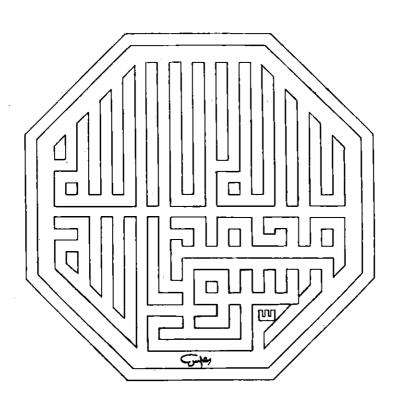
اسلام کا ذوقِ جمال اور اس کی آبیاری

آگے قدم بڑھانے سے قبل ایک سوال کا جواب دینا ضروری ہے۔ دنیا کی صدہا قوموں کے پاس اپنا رسم الخط اور اپنا طرز نگارش ہے۔ ان کے یہاں رسم الخط کا مقصد تحریر زبان ہے اور بس۔ صدیوں سے وہ ایک خاص مقام پر کھڑے ہیں۔ اپنے رسم الخط میں انہوں نے کوئی خاص تغیر نہیں کیا۔ مسلمان قوم کا معاملہ ان سب سے مختلف ہے۔ اس کو نہ صرف یہ کہ خط چاہیئے بلکہ حسین خط چاہیئے، زیبا اور دلکش خط چاہیئے۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر صدیوں سے جس بڑے پیانے پر مسلمان قوم اجتماعی کوششیں کرتی رہی ہے وہ حیرت انگیز ہیں، ایک مرتبہ خط کو حسین بنانے پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ حسین تر اور مزید حسین بنانے کی ایک مسلسل کوشش جاری ہے۔ خط مدنی سے خط نسخ، خط نسخ سے خط رقاع، خط ریحان پھر خط تعلیق ایجاد ہوا۔ پھر خط نستعلیق ایجاد ہوا۔ ذوق حسن و لطافت ہل من مزید کا نعرہ لگاتی رہتی ہے اور جس استقلال اور مداومت سے وہ یہ کام انجام دے رہی ہے وہ مزید موجبِ حیرت ہے، لطافت و نفاست حسن و رعنائی کے جس اعلیٰ مرتبے پر مسلمانوں نے اپنے خط کو پہنچادیا ہے اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ حسن خط کا جو ذوق ایک مسلمان کو ہے، رعنائی خط سے جس قدر لذت و مسرت ایک مسلمان کو حاصل ہوتی ہے، دوسری اقوام اس کا ادراک اور شعور کرنے سے قاصر ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس ذوقِ جمال آرائی کی اصل کہاں سے ہے؟

مسلمان ایک ایسی قوم ہے جو کتاب الٰہی قرآن مجید کی ساختہ پرداختہ ہے۔ روزانہ پانچ وقت نمازوں میں مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے۔ روزانہ صبح قرآن مجید کی تلاوت کرنا ایک مسلمان کا لائحہ عمل اور وظیفہ حیات ہے۔ قرآن مجید اس کا دین ہے، قرآن اس کی عبادت ہے، قرآن اس کا قانون ہے۔ اس کے طور طریقے، اندازِ فکر، اندازِ نظر سب قرآن کی روشنی میں متشکل ہوتے ہیں۔ اس کی انفرادی زندگی کی تربیت قرآن کرتا ہے۔ اس کی اجتماعی زندگی کی آبیاری قرآن کرتا ہے۔ قرآن اس کے فکر و نظر میں سمایا ہوتا ہے۔ قرآن اس کے دل و دماغ میں رچا بسا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا اجتماعی ذہن اور قومی مزاج قرآن کا تشکیل دادہ ہے۔

"یہ دنیا اپنی بقا کے لئے ان تمام رنگارنگیوں اور گل کاریوں کی محتاج نہیں تھی جو اس کے ہر گوشے میں نمایاں ہیں، لیکن قدرت نے اس فیاضی کے ساتھ اس کے اندر اپنی شانیں دکھائی ہیں تو اس لئے دکھائی ہیں کہ انسان کی وہ حسِ لطیف جو قدرت، حکمت، حسن، فیض اور کرم سے اثر پذیر اور بیدار ہوتی ہے، وہ بیدار ہو اور اس چمن کے ایک ایک پتے پر جو درس حکمت ثبت ہیں وہ ان کو سیکھے اور سمجھے۔ اس گلزار کی ایک ایک پنکھڑی جس طرح حسن و جمال اور رفعت و کمال کی مرقع ہے اس کی توقیر کرے اور تحسین کرے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ خالق نے انسان کے اندر توجہ اور انابت کی جو صلاحیت ودیعت فرمادی ہے وہ اس کو بروئے کار لائے۔"(۱)

"جس قدرت نے ہمیں زندگی دی اس نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ زندگی کی سب سے بڑی نعمت، حسن و زیبائی کی کشش سے بھی ان کو مالا مال کر دیا جائے۔"(۲)

قرآن کی تعلیمات نے مسلمان کے اندر شعور الوہیت کو بیدار کیا۔ شعور اخلاق کو پروان چڑھایا۔ شعور روحانیت کی آبیاری کی۔ اسی طرح قرآن مجید نے مسلمان کے اندر شعور حسن و ذوق جمال کو بھی پروان چڑھایا۔ مسلمان کے اندر حسن و جمال کی قدر شناسی پیدا کی۔ جمالیاتی حس کو اجاگر کیا۔ حسن نظر کی دولت بخش دی۔

غبار راہ کو بخشا گیا ہے ذوقِ جمال
خرد بتا نہیں سکتی کہ مدعا کیا ہے
(اقبال)

ایک مسلمان جب قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے تو بہت سی آیتیں فطرت کی حسن آرائی کی طرف اس کی توجہ مبذول کراتی رہتی ہیں۔ نظارہ حسن کی اس کو دعوت دیتی ہیں۔ اس کے اندر تحسین جمال اور توقیر حسن کے جذبے کو ابھارتی ہیں۔ اس کے اندر قدر شناسی کی نگاہ کو بیدار کرتی ہیں۔ اس طرح چشم بینا میں حسن نظر کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔

تَبۡصِرَةً وَذِكۡرَىٰ لِكُلِّ عَبۡدٍ مُّنِيبٍ (۳)

"یہ ساری چیزیں آنکھیں کھولنے والی اور سبق دینے والی ہیں ہر اس بندے کے لئے جو رجوع کرنے والا ہو۔"

کبھی انسان کو تاروں بھری رات کا نظارہ کرایا جاتا ہے۔

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا بِزِينَةٍ الۡكَوَاكِبِ(۴)

۱۔ تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، ۲۔ ترجمان القرآن، ابوالکلام آزاد، جلد ۱، ص ۴۳، ۳۔ سورۂ ق، آیت ۸، ۴۔ سورۂ صافات، آیت ۶،

ہم نے دنیا کے آسمان کو تاروں کی زینت سے آراستہ کر دیا ہے۔

کبھی عالم نباتات میں رنگ و بو کے حسین مناظر کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے۔

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَآ أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ○ (۱)

اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے۔ پھر جہاں ہم نے اس پر مینہ برسایا وہ یکایک لہلہا اٹھی اور پھول گئی۔ اس نے ہر قسم کے خوش نما نباتات اگلنے شروع کر دیئے۔

کبھی عالم جمادات کی نیرنگی کی طرف توجہ منعطف کراتا ہے۔

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيبُ سُودٌ ○(۲)

(کیا تم دیکھتے نہیں) اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ گہری سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں، جن کے مختلف رنگ ہیں۔

کبھی جانوروں اور چوپایوں کے حسن و جمال کی طرف انسان کو متوجہ کرتا ہے۔

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ○ (۳)

اور ان جانوروں کے (منظر) میں تمہاری (نگاہوں کے لئے) حسن و جمال ہے جس صبح تم ان کو چرنے کے لئے روانہ کرتے ہو اور شام کو انہیں واپس لاتے ہو۔

کبھی وہ خود عالم انسانیت کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ (۴)

جس نے تمہاری صورت بنائی اور بڑی حسین صورت بنائی ہے۔

کبھی وہ عالم نسوانیت کی طرف انسان کو متوجہ کرتا ہے۔

فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ○ (۵)

ان نعمتوں کے درمیان خوبصورت اور خوب سیرت بیویاں ہوں گی۔

قرآن کبھی خود انسانوں کو آرائش اور زیبائش اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ- (۶)

اے بنی آدم ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ ہو۔

۱-سورۂ حج، آیت ۵، ۲-سورۂ فاطر، آیت ۲۷، ۳-سورۂ نحل، آیت ۶، ۴-سورۂ مومن، آیت ۶۴، ۵-سورۂ رحمٰن، آیت ۷۰، ۶-سورۂ اعراف، آیت ۳۱،

قرآن مجید صرف ظاہری اور مادی حسن کی طرف ہی رہنمائی نہیں کرتا بلکہ معنوی حسن، اخلاق جمیلہ اور سیرت طیبہ کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ - (۱)

اور حقیقت میں تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک حسین نمونہ ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً -(۲)

اللہ کا رنگ اختیار کرو، اس کے رنگ سے زیادہ حسین کس کا رنگ ہو سکتا ہے۔

کائنات میں حسن و جمال، رعنائی و دلکشی اس لئے ہے کہ اس کا خالق خود حسین و جمیل ہے۔

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ -(۳)

پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ جو حسین خلاق عالم ہے۔

زبان رسالت نے اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

ان اللّٰہ جمیل یحب الجمال (۴)

اللہ تعالیٰ خود بھی حسین ہے اس لئے حسن و جمال کو پسند کرتا ہے۔

قرآن مجید کے دبستان میں تربیت پاکر مسلمان قوم حسن و جمال کی شیدائی بن گئی، آرائش و زیبائش کی قدر دان بن گئی، رعنائی و لطافت کی خواہاں بن گئی، اسے جنت نگاہ بھی چاہئے اور فردوس گوش بھی چاہئے۔

حسین مناظر اور حسیں نقوش کی جنت نگاہ اور دلکش آواز اور جاذب نغمہ کی فردوس گوش کو عملی دنیا میں دریافت کرنے اور تحقیق کرنے کا نام فنونِ لطیفہ ہے۔ فنونِ لطیفہ حسن نقوش کو عالم رنگ و صورت میں اور دلکش اصوات کو عالم سخن و نغمہ میں تخلیق کرنے کا نام ہے۔ ہر ملک نے اور ہر قوم نے فنونِ لطیفہ میں تخلیقات پیش کی ہیں۔ یہ تخلیقات سب سے زیادہ اثر پذیر ہوتی ہیں۔ اس قوم کے تصور حقیقت سے، اس قوم کی اجتماعی ذہنیت سے اور اس قوم کے مبلغ علم سے۔ اس آخری عامل نے تنوع اور نیرنگی کے ساتھ ساتھ جدا جدا راہیں متعین کر دی ہیں۔ یہی باعث ہے کہ کسی قوم نے بت گری اور مجسمہ سازی میں کمال حاصل کیا اور کسی قوم نے عریانی اور رقاصی میں نام پیدا کیا۔ مسلمان قوم کا معاملہ بالکل دوسرا ہے ۔

اپنی ملت کو قیاس اقوام مغرب پر نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے!

۱۔ سورۂ احزاب، آیت ۲۱، ۲۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۳۸، ۳۔ سورۂ مومنون، آیت ۱۴، ۴۔ مسلم / ج ۱ / ص ۹۳، رقم ۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۹۸ء،

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ -(۱)

بتوں کی گندگی سے بچو۔

اسلام نے بت پرستی، بت گری، مجسمہ سازی، تصویر سازی کو حرام قرار دیا ہے۔ اس ایک حکم نے مسلمان کو جسم اور مادے کی قید سے نجات دلائی۔ رفعتِ خیال اس کے اندر پیدا کر دی۔ تجریدی فکر کی طرف اس کو مائل کر دیا۔ مادیات سے نظر ہٹا کر معنویات کا شناسا بنا دیا۔ مجسمہ سازی کے بعد شخص مذکور مقدس اور محترم بن جاتا ہے۔ اس کے گرد تقدس اور عظمت کا ہالہ تن جاتا ہے۔ بعد میں آنے والے افراد کی عقل و فکر اس کی عظمت کے سامنے خود کو پست اور کمتر سمجھنے لگتی ہے۔ یہاں سے ذہنی غلامی شروع ہو جاتی ہے۔ ذہنی غلامی، جسمانی غلامی سے بھی بدتر ہے اور تباہ کرنے والی ہے۔ اسلام نے مجسمہ سازی اور تصویر سازی کی مخالفت کر کے انسان کو ذہنی غلامی سے رہائی دلائی ہے اور حقیقی آزادی کی نعمت لازوال سے انسان کو بہرہ مند بنا دیا ہے۔ اسلام کا یہ عظیم الشان انقلابی اقدام تھا۔ اس اقدام کی وسعت، رفعت اور اہمیت کا صحیح شعور آج تک مسلمان نہ کر سکے۔ نادان انسان اس نعمت کی قدر نہ کر سکے۔ انہوں نے قبروں اور آستانوں کی تقدیس کے نام پر پھر جگہ جگہ عظمت و جبروت کے ہالے تان دیئے ہیں اور انسانوں کو پھر ذہنی غلامی میں جکڑ دیا ہے۔ بہر کیف اس آیت نے اسلامی ذہن کو معنویات اور تجریدی فکر کی جانب منعطف کر دیا۔ قرآن مجید سے ایک مسلمان کو جو محبت اور تعلق خاطر ہوتا ہے، اس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ ان دو باتوں نے مل کر جو اسلامی ذہن تشکیل دیا ہے اس کا محور و مرکز قرآن مجید ہے۔ تجوید قرأت قرآن ہے، تجوید خط قرآن ہے۔ اس لئے تخلیقات حسن مسلمانوں کے یہاں مرکوز ہیں اور منحصر ہیں حسن قرأت قرآن پر حسن خط قرآن پر اور حسنِ تعمیر مساجد پر جہاں قرآن پڑھا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی فنون لطیفہ میں مشغول فن کار سمجھتے تھے کہ ہم کار عبادت کر رہے ہیں۔ ثواب حاصل کر رہے ہیں۔ اس سے ان کو جو روحانی مسرت حاصل ہوتی تھی اس کا ادراک آج کے فن کار نہیں کر سکتے۔ ان کا مطمع نظر بلند تھا۔ وہ عالم مادیات سے بلند ہو کر حقیقت کبریٰ تک رسائی حاصل کرنا چاہتے تھے اور اس حضوری میں مگن رہتے تھے۔

☆ حسنِ قرأت

اسلامی ذوق جمالیات کا ایک مظہر قرآن مجید کی تلاوت سے متعلق ہے۔ دنیا میں کتنی ہی مذہبی کتابیں ہیں جن کو ان کے ماننے والے انتہائی عقیدت اور احترام سے پڑھتے ہیں۔ مگر مسلمانوں نے تلاوت قرآن مجید کو ایک فن کا درجہ دیدیا۔ حسنِ ترتیل اور حسنِ قرأت کا ایک نیا فن ایجاد کر ڈالا۔ یہ قرآن مجید کو خوش الحانی کے ساتھ اور دلکش آواز میں پڑھنے کا فن ہے۔ قرأت کے مختلف انداز اور طریقے ہیں۔ جن میں سے سات طریقے معروف ہیں اور تین طریقے غیر معروف اور شاذ ہیں۔ مسلمانوں نے جس محنت اور ریاضت سے قرأت کے ان طریقوں کو مرتب اور مدون کیا ہے وہ ان کے حسن عقیدت اور جذب و

۱- سورۂ حج، آیت ۳۰،

شوق کا مظہر ہے۔ کوئی صاحبِ کمال قاری جب قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے تو قلب و روح میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے صحن میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے۔ ہمسایہ گھروں میں بھی یہ آواز جاتی تھی تو قریشیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تھی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو تلاوت سے منع کر دیا جائے، ہماری عورتیں اور بچے اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ بعض نو مسلموں نے لکھا ہے کہ اوّل اوّل ہم نے کسی مسجد میں قرآن مجید کی تلاوت سنی تھی جس سے اسلام کی طرف کشش پیدا ہوئی۔

☆ حسن خط

اسلامی ذوق جمالیات کا دوسرا مظہر قرآن مجید کی کتابت سے متعلق ہے۔ یہ قرآن مجید کو حسین اور جاذب نظر انداز میں لکھنے کا فن ہے۔ یہ قرآن مجید کو بہتر سے بہتر، خوبصورت سے خوبصورت اور حسین سے حسین تر لکھنے کا فن ہے۔ یہ مسلمانوں کا خاص امتیازی فن ہے۔ فن خطاطی کا آغاز دراصل کتابت قرآن مجید سے ہوا ہے۔ قرآن مجید نے کلمہ طیبہ کی مثال شجر طیب سے دی ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ - (۱)

اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی مثال اچھے قسم کے درخت سے دی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر قرآن مجید کو "نور مبین" کہا گیا ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا - (۲)

اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور بھیجا ہے۔

ان دو واضح آیات سے کسب فیض کر کے مسلمان قلم کاروں نے قرآن مجید لکھنے میں شاخوں اور پھولوں کی آمیزش سے گلزار کھلائے ہیں اور نور اور روشنی کی آمیزش سے مینارے اور ستارے بنائے ہیں۔ مسلمانوں کا قرآن مجید کی تزئین اور زیبائش کی طرف متوجہ ہونا خود قرآن مجید کے لطیف ارشادات کے باعث تھا۔ قرآن سے ہی مستنبط تھا۔ فن خطاطی میں مسلمانوں نے نہایت اعلیٰ فنکار پیدا کئے۔ جنہوں نے نہایت حسین انداز میں قرآن مجید کی کتابت کی ہے۔ دنیا میں کسی قوم نے کسی کتاب کو اتنے حسین انداز میں مسلسل اور پیہم نہیں لکھا جتنے حسین انداز میں مسلمان فن کاروں نے لکھا ہے۔ ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اعلیٰ قدر و قیمت کے حامل ہیں۔ فن خطاطی کے ان اعلیٰ نمونوں کو اہل مغرب بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور بڑی بڑی قیمتوں میں ان کو خریدتے ہیں۔ فن خطاطی پر مزید معلومات آئندہ ابواب میں ملیں گی۔

۱۔ سورۂ ابراہیم، آیت ۲۴، ۲۔ سورۂ نساء، آیت ۱۷۴،

☆ حسن تعمیر

اسلامی ذوق جمالیات کا تیسرا مظہر مسجد سے متعلق ہے۔ مسلمانوں نے مساجد کو حسین اور پر شکوہ انداز میں تعمیر کیا ہے۔ مسلمانوں کی مساجد اور عمارات کا انداز تقریباً ایک جیسا ہے۔ اندلس ہو، مراکش ہو، قسطنطنیہ ہو، اصفہان ہو، لاہور ہو، دہلی ہو سب کا ایک ہی انداز ہے۔ مقامی غیر اہم اختلافات کو نظر انداز کر کے دیکھئے تو وہی عظمت و شوکت، وہی جمال و جلال، وہی وسعت و رفعت ان عمارتوں سے ظاہر ہوتی ہے، جو اسلام کے تصور حقیقت کبریٰ سے مستعار ہے۔ عقائد و نظریات، افکار و تصورات کو سنگ و خشت کی صورت میں متشکل کرنے میں جس قدر کامیابی فن تعمیر کے اندر مسلمان فن کاروں کو حاصل ہوئی ہے، شاید ہی وہ کسی اور قوم کو حاصل ہوئی ہو۔

آج کے مشینی دور میں بعض افراد خطاطی اور خوش نویسی کی اہمیت کے قائل نہیں ہیں۔ وہ تحریر کی ضرورت کو تو تسلیم کرتے ہیں لیکن تحسین خط اور خوش نویسی پر اس قدر محنت اور وقت صرف کرنے کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں- ایسے لوگوں کی خدمت میں عرض ہے کہ تحریر کے نقطہ نظر سے بہترین خط وہ ہے جس میں مندرجہ ذیل تین خوبیاں بدرجہ اتم پائی جائیں۔

۱- آسان خوانی ...... اس خط کی تحریریں آسانی سے پڑھی جاتی ہوں۔
۲- آسان نویسی ...... اس خط میں تحریریں آسانی سے لکھی جاتی ہوں۔
۳- خوش نمائی ...... اس خط کی تحریریں دیکھنے میں خوش نما نظر آتی ہوں۔

خط کی یہ بنیادی اقدار ہیں۔ اسلامی خط کی تاریخ در حقیقت ان تین اقدار کو حاصل کرنے کی سعی پیہم او جہد مسلسل کا نام ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ خط کوفی میں مذکورہ بالا اقدار کا اظہار ہوتا تھا۔ خط کوفی خوش نما نظر آتا تھا۔ اس لئے لوگوں میں مقبول عام تھا۔ امتداد زمانہ سے پھر ذوق نظر میں ترقی ہوئی۔ ایک نیا خط نسخ وجود میں آیا۔ اس میں مذکورہ بالا اقدار کا اظہار بہتر انداز میں ہو رہا تھا۔ لوگوں میں یہ خط مقبول ہو گیا۔ زمانہ گزرنے کے ساتھ پھر ذوق نظر میں ترقی ہوئی۔ پھر ایک نیا خط نستعلیق اختراع ہوا۔ اس میں ان اقدار کا اظہار زیادہ بہتر انداز میں ہوا۔ اس لئے وہ لوگوں میں مقبول ہو گیا۔ اس طرح ذوق نظر اور تلاش حسن کا سفر مسلسل جاری ہے۔ ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ سعی و جہد، اختراع و ابتکار کا سلسلہ لامتناہی ہے۔

ہر نگارے کہ مرا پیش نظر می آید
خوش نگارے ست ولے خوشتر ازاں می باید

(اقبال)

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب دیکھئے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں

(حالی)

فہم و فراست، حکمت و دانائی کی طرح ذوق جمال اور حسن نظر کی نعمت بھی تمام انسانوں میں یکساں نہیں ہے۔ جہاں بعض افراد غیر معمولی حساس اور دراک ہوتے ہیں- وہاں بعض افراد بے حس اور غبی ہوتے ہیں اور ان دونوں انتہاؤں کے درمیان صدہا درجات اور مدارج ہیں۔ ہر درجے اور مرتبے کے افراد نوع انسانی میں پائے جاتے ہیں۔ حسنِ نظر کے سلسلے میں ہر شخص سے یکساں توقعات وابستہ نہیں کی جاسکتیں۔ ذوق حسن معروضی نہیں ہے، موضوعی ہے۔

قابل قدر ہیں وہ خطاط جو اپنی انگلیوں کی آہنی گرفت سے قلم کو جنبش دے کر حروف کی نوک پلک نکالتے ہیں، جو دیدہ ریزی اور جگر کاری کر کے حروف کے مجموعے کو باغ و بہار بنا دیتے ہیں۔ جن کو دیکھ کر نظریں ٹھٹک کر رہ جاتی ہیں۔ جن کو دیکھنے سے عجب قسم کا سرور اور کیف حاصل ہوتا ہے۔

حسنِ خط حسن اخلاق کی پشت پناہی بھی کرتا تھا۔ اسلامی دور میں امراء اور شوقین لوگ اپنے مکانوں کو تصویروں کی بجائے خوبصورت قطعات سے آراستہ کیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے بالعموم قطعات کی بہت زیادہ مانگ تھی۔ جہاں کہیں کسی اچھے خوش نویس کے ہاتھ کا لکھا ہوا قطعہ مل جاتا تھا، اس پر لوگ پروانہ وار گر پڑتے تھے اور آنکھوں سے لگاتے تھے۔ اس سے معاشرے کو تو یہ فائدہ پہنچتا تھا کہ اخلاقی اصول، ناصحانہ فقرے، حکیمانہ اشعار ہمیشہ نظروں کے سامنے رہتے تھے۔ ہر وقت گھر میں اخلاقی سبق ملتا رہتا تھا اور خوش نویس کو یہ فائدہ پہنچتا تھا کہ گھر بیٹھے اس کو روزی مل جاتی تھی۔ اس لئے خوش نویسوں اور خطاطوں نے اپنے کمال کو قطعات نویسی تک محدود کر دیا تھا۔ جو عمدہ اور آبدار وصیلوں پر لکھ کر تیار کرتے تھے۔

مگر اب معاشرے سے قطعات اور کتبوں کا رواج اٹھتا جا رہا ہے اور ان کی جگہ تصویروں نے لے لی ہے۔ اس وجہ سے اگلے زمانے کا نفیس اور مہذب ذوق آرائش مٹ رہا ہے اور ساتھ ہی خوش نویسی کی قدر و منزلت بھی گھٹتی جا رہی ہے۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا ہے کہ اب کاتب تو مل جاتے ہیں لیکن خوش نویس کمیاب ہو گئے ہیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

باب ۹

خطِ کوفی -ابتدائی دور

بنی امیہ کی حکومت (۴۰-۱۳۲ھ / ۶۶۲-۷۵۰ء) خلافت راشدہ سے بہت سے امور میں مختلف تھی۔ خلفاء بنی امیہ شام کے متمدن ملک میں رہتے تھے۔ دمشق ان کا دارالخلافہ تھا، جس کی عمر اس وقت تین ہزار سال تھی۔ اس لئے انہوں نے بہت سے ملوکیت کے لوازمات اور تمدن کے مظاہرات اختیار کر لئے تھے۔ قلقشندی بیان کرتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے ایک خاص موٹے قط کا قلم مخصوص کر لیا تھا۔ کسی دوسرے فرد کو اس قلم کے استعمال کرنے کا حق نہیں تھا۔ اس کو قلم جلیل کہتے تھے۔ اس زمانے میں مصر سے کاغذ بردی برآمد ہوتا تھا۔ سالم تختے کو طومار کہتے تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ طومار پر قلمِ جلیل سے دستخط کرتے تھے۔(۱)

عربی زبان اور عربی خط کی خدمت عبدالملک بن مروان نے کی ہے۔ اس نے ساری مملکت اسلامیہ میں عربی زبان اور عربی خط کو نافذ کر دیا۔ تمام سرکاری مراسلت عربی خط میں ہونے لگی۔ عربی زبان کے کاتبوں کی طلب بڑھ گئی۔ طلب کو پورا کرنے کے لئے عربی کاتبوں کی کثیر تعداد پیدا ہو گئی۔ اس طرح پیشہ ور کاتبوں کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا۔ پھر ان کے اندر مسابقت اور برتری کا جذبہ ابھرا۔ انہوں نے کتابت میں جدتیں اختیار کرنا شروع کر دیں۔ اس جذبے نے کاتبوں کو تحسینِ خط اور تزئین کتابت کی طرف مائل کر دیا۔

اس دور میں کتابت کی دو روش رائج تھیں۔ قلم جلیل یا طومار اور قلم دقیق یا قرمط یعنی موٹا خط اور باریک خط۔ قلم جلیل کی تعریف امام خط ابن مقلہ نے یہ بتائی ہے کہ "قلم طومار مبسوط (سطح دار) ہے اس میں استدارہ (گولائی۔ دور) بالکل نہیں

ا۔ بعد کے سلاطین نے بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پیروی کی۔ فرامین پر وہ موٹے قلم سے دستخط کرتے تھے۔ اس زمانے میں دستخط کے لئے نام لکھنے کے بجائے ص لکھا جاتا تھا۔ موٹے قلم سے ص لکھنے کا طریقہ آخری مغل بادشاہ کے زمانے تک رائج رہا ہے۔ راقم السطور نے بعض مغل فرامین دیکھے ہیں۔

ہوتا۔ اس کے خطوط عمودی ہوتے ہیں۔ وہ مقام اتصال پر زاویہ قائمہ بناتے ہیں۔" اس کو خط کوفی یابس بھی کہتے ہیں۔ عہد عباسیہ میں پھر اس کو خط محقق کہنے لگے۔(۱) گویا یہ جلی خط تھا اور پورے صفحہ پر لکھا جاتا تھا۔

ایک دوسرا قلم بھی تھا جس کو دقیق کہتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے کاتب کو حکم دیا تھا کہ وہ زیادہ کاغذ ضائع نہ کرے اور باریک خط سے لکھے۔ اس سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے کاتب کو حکم دیا تھا کہ وہ باریک خط یعنی قرمط لکھے۔

تحسین خط میں جس شخص نے سب سے اول کوشش کی وہ عبدالملک بن مروان کا کاتب خاص قطبہ بن شبیب الطائی تھا۔ جو المحرر کے لقب سے مشہور تھا۔ اس نے تحریر کے اصول و ضوابط مقرر کیے۔ اس نے حروف کی پیائش اور ساخت کے لئے نوکِ قلم کو پیمانہ مقرر کیا۔ یہ پیمانہ کاتبوں میں آج تک استعمال ہوتا ہے۔ اس نے قلم طومار یعنی جلیل کو نئی روش دی، جس کی وجہ سے وہ خط کوفی سادہ سے ممتاز ہوگیا۔ قطبہ کی تحریر کا کوئی نمونہ آج دنیا میں موجود نہیں ہے۔ قطبہ کا انتقال ۱۰۰ھ / ۷۱۸ء میں ہوا ہے۔ یہ بات بہت مشہور ہے کہ قطبہ نے خط طومار سے چار قلم کا استخراج کیا تھا۔ لیکن وہ قلم کیا تھے؟ یہ بات صحیح طور پر معلوم نہیں ہے۔

قرآن کریم منسوب بہ عقبہ بن عامر

جس شخص نے قرآن مجید کو سب سے پہلے خوبصورت انداز میں لکھا وہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کا کاتب خاص خالد بن ابی الہیاج تھا۔ ولید کی تعمیر کردہ مسجد نبویؐ میں محراب پر اس نے سورۂ والشمس، لکھی تھی۔ اس کا قلم جلی تھا۔ دور سے پڑھنے میں آتا تھا۔ مسجد نبویؐ کی کئی بار مرمت ہوئی ہے۔ افسوس اس میں وہ کتابت محفوظ نہ رہ سکی۔ اس نے ایک نہایت خوبصورت

ا۔ الدراسات، ص ۸۱،

قرآن کریم بہ قلم خدیج بن معاویہ کاتب عقبہ بن نافع، فاتح افریقہ،
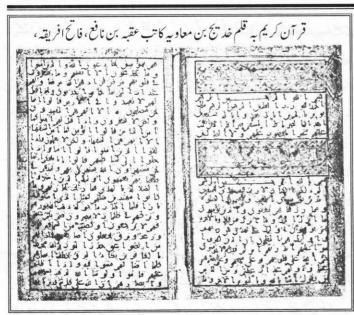
قرآن مجید لکھ کر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (۱۰۲ھ) کی خدمت میں پیش کیا، مگر وہ اس کا قیمتی ہدیہ ادا نہ کرسکے۔ اس لئے اس کو واپس کر دیا۔

خلیفہ ہشام بن عبدالملک (۱۰۵-۱۲۵ھ) کا کاتب شعیب بن حمزہ تھا۔ اس دور میں مالک بن دینار تابعی (۱۳۰ھ) مشہور کاتب تھے۔ وہ لوگوں کو اجرت پر قرآن مجید لکھ کر دیا کرتے تھے۔ افسوس ان کاتبوں کے آثار آج ناپید ہیں۔

دنیا میں مختلف ملکوں میں دارالآثار قائم ہیں۔ جن میں قدیم قرآن مجید رکھے ہوئے ہیں۔ قسطنطنیہ کے عجائب خانے میں اس دور کے دو قرآن مجید محفوظ ہیں۔ ایک کاتب عقبہ بن عامر کا ہے اور کتابت کی تاریخ ۵۲ھ درج ہے۔ دوسرے کا کاتب خدیج بن معاویہ ہے جو فاتح افریقہ عقبہ بن نافع کا کاتب تھا۔ اس پر سنہ کتابت ۴۹ھ درج ہے۔ یہ دو نسخے تصدیق شدہ ہیں۔

حال ہی میں ایک قدیم ترین قرآن مجید کا نسخہ مسجد صنعاء یمن کی دیوار کے اندر سے حاصل ہوا ہے۔ اس پر ۶۰ھ / ۶۸۰ء تحریر ہے۔ یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہے۔ یہ آخر سے نامکمل ہے۔(۱) علاوہ ازیں اہل بیت کرام کے نام سے بہت سے قرآن مجید مختلف مقامات پر پائے جاتے ہیں۔ محققین فنی بنیادوں پر ان کو درست تسلیم نہیں کرتے ہیں۔(۲)

یہ خط کا ابتدائی دور تھا۔ اس خط کے مختلف علاقائی نام ملتے ہیں۔ مثلاً بصری، کوفی، واسطی، مصری، شامی، قیروانی، قرطبی، آج یہ بات معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے کہ کیا فی الواقع ان خطوط کے درمیان کوئی فرق تھا جس کی وجہ سے علیحدہ نام رکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی یا لوگوں نے محض سہولت کی خاطر اپنے علاقے کے مرکزی شہر سے اس کو موسوم کر دیا، اور فرق کوئی خاص نہیں تھا۔(۳)

علوم وفنون کو حکمرانوں کی دلچسپی سے بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا ہے۔ ہر نئی حکومت علم وفن کی سرپرستی میں سابق حکومت پر سبقت لے جانا چاہتی تھی۔ حکومت کی سرپرستی کے زیر اثر علماء نے نئے نئے علوم میں قابل قدر کتابیں تصنیف کیں اور فن کاروں نے فن کے نادر نمونے پیش کئے۔ اس طرح قلمکاروں نے خط میں نئی نئی جدتیں نکالیں اور نئے نئے انداز اختیار کئے۔ حق یہ ہے کہ عربی خط کے ارتقاء میں، تحسین وتزئین میں حکومتوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔

اسلام آیا، مکہ سے خط مدینہ پہنچا، وہاں خط مدنی کہلایا۔ خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ میں کوفہ کی چھاؤنی آباد ہوئی۔ دیکھتے

۱۔ The Muslim. World کراچی ۲۲/جون ۱۹۸۵ء، ص ۴، ۲۔ الدراسات، ص ۸۴-۸۶، ۹۸-۹۹، ۳۔ خلیفہ منصور عباسی (دوسرا خلیفہ بنی عباس) کے دور کا سکہ (ڈیپر ہالہ) سے راقم (مؤلف) کو حاصل ہوا، بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر،

دیکھتے ایک بڑا شہر بن گیا۔ چوتھے خلیفہؓ نے اس کو دار الخلافہ بنالیا۔ یہاں دوسرے علوم کے ساتھ خط نے بھی ترقی کی۔ اس کا نام خط کوفی ہو گیا۔ اس لئے خط نے بڑی ترقی اور بڑا عروج حاصل کیا۔ پھر شام میں بنی امیہ نے اپنی حکومت قائم کی۔ لوگوں نے اس کو شامی کہنا شروع کر دیا۔ بنی عباس نے بغداد میں اپنی خلافت قائم کی۔ یہاں خط نے ترقی کی۔ نسخ، رقاع، ریحان وغیرہ خطوط پیدا ہوئے۔ افریقہ میں اسلام کا اولین مرکز قیروان تھا۔ وہاں خط پہنچا تو قیروانی کہلایا۔ وہاں سے اندلس میں پہنچا تو قرطبی کہلایا۔ تاتاریوں کے بعد اسلامی حکومت کا مرکز تبریز مقرر ہوا۔ وہاں خط تعلیق وجود میں آیا۔ امیر تیمور نے سمرقند کو مرکزِ حکومت مقرر کیا، وہاں خطِ نستعلیق وجود میں آیا۔ تیمور کے بیٹے نے ہرات کو مستقر حکومت مقرر کیا۔ ہرات میں بیٹھ کر تیموریوں نے خطاطی اور فنونِ لطیفہ کی جو خدمت کی ہے، جو فروغ دیا ہے شاید ہی دنیا میں کہیں اس کی مثال موجود ہو وہ بے مثال تھی۔ بہر کیف سلطنتوں کے ردو بدل سے جہاں دوسرے علوم وفنون کو فائدہ پہنچا وہاں خط اور خطاطی کو بھی خوب خوب فائدہ پہنچا اور فروغ حاصل ہوا۔

عربی تحریر کے وسط میں اگر ایک مستقیم خط فرض کر لیا جائے تو نظر آئے گا کہ بعض حروف اس خط کے اوپر رہ جاتے ہیں اور بعض اس خط کے نیچے تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس فرضی خط کو کتابت کی اصطلاح میں کرسی کہتے ہیں۔ کرسی کے اوپر کے حصے کو بسط یا سطح کہتے ہیں اور کرسی کے نیچے والے حصے کو دور یا تقویر کہتے ہیں۔ عرب مصنفین سطح کو یابس اور دور کو لین یا استدارہ کہتے ہیں۔

بقیہ از صفحہ گزشتہ

درمیان میں ہے۔

لا اله الا اللّٰه وحده لا شريك له

اور اطراف میں ہے۔

هوالذى ارسل رسوله بالهدىٰ
و دين الحق لِيُظهره على
الدين كله،

اس پر یہ عبارت تحریر ہے

درمیان میں محمد
رسول
اللّٰہ

اور اطراف میں یہ تحریر ہے۔

ضرب هذالدينر سنة ثمان وخمسين مٔه،

(یہ دینار ۱۵۸ھ میں ضرب ہوا۔)

لا اله الا اللّٰه

ا۔ اردو خط میں حروفِ بسط اب ت ث پ ٹ ط ظ ک گ ف ہ لاء۔

۲۔ اور حروف دور ج چ ح خ د ڈ ذ ر ڑ ز ژ س ش ص ض ع غ ق ل م ن و ی ے ہیں۔

عربی خط سطح سے دور کی جانب سفر کر رہا ہے۔ آغاز میں کوفی خط ہے اس میں دور بالکل نہیں تھا۔ اب نستعلیق ہے اس میں دور ۶ / ۵ حصہ ہے۔

☆ خط معقلی

اس اعتبار سے غور کریں تو سب سے پہلا خط خطِ معقلی ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ خطِ معقلی میں سطح ہی سطح ہے دور بالکل نہیں ہوتا۔ یہ ہندسے کی اشکال مربع اور مستطیل سے عبارت ہوتا ہے۔ عمارات، مزارات پر کتبات اسی خط میں ملتے ہیں یا بعض کتبے اور طغرے مل جاتے ہیں۔ کوئی تحریر یا کتاب اس خط میں نہیں ملتی۔ اس وجہ سے اس کو خطِ بنائی یا عمارتی بھی کہتے ہیں۔(۱)

خط کی تاریخ لکھنے والے لوگ ضرور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اوّل خط معقلی ہے۔ اس کے بعد خط طومار ہے۔ خط معقلی حضرت ادریس علیہ السلام نے ایجاد کیا تھا۔ سلطان علی مشہدی صراط السطور میں لکھتے ہیں۔

سر بخطے کہ خامہ فرسودے
خط عبری و معقلی بودے

میر علی ہروی نے بھی یہی کچھ لکھا ہے۔ اس نظریے کو قبول کرنے میں مشکل یہ ہے کہ تاریخی طور پر خط طومار سے قبل خط معقلی کا کوئی نمونہ آج تک کہیں دریافت نہیں ہوا۔

☆ خط طومار

خط طومار میں ۸ / ۷ سطح ہے اور ۱ / ۸، دور ہے۔ اس کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

ا- ا، ب، ج، د، ر ا، ک، ن۔ خواہ مفرد ہوں یا مرکب اگر اول لفظ میں آئیں تو ان کے سر کو نمایاں کرنا ہوتا ہے۔

۲- ص، ط، ف، ق، م، ہ، واو ر لا کی گرہ کو دبانا صحیح نہیں ہے۔

۳- الف مفرد کا سر زیریں قدرے داہنی جانب جھکا ہوا ہوتا ہے اور سر بالائی قدرے بائیں جانب مائل ہوتا ہے۔

۴- خط جلیل میں حروف کا نمایاں نہ کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

۵- تمام حروف عمودی لکھے جاتے ہیں اور زاویہ قائمہ بناتے ہیں۔

۶- حروف کی پیمائش کا معیار الف تھا۔ جس قدر چوڑا خط ہو اسی قدر لمبا الف بنایا جاتا تھا۔

حروف کی پیمائش الف کی نسبت سے متعین ہوتی تھی۔ طومار کے قلم کا قط خچر کے ۲۴ بالوں کے برابر ہوتا تھا۔ عام طور پر خط کا جتنا عرض ہوتا تھا اتنا ہی الف کا طول مقرر کرتے تھے۔

✪✪✪✪✪✪✪✪✪✪✪✪✪✪✪✪✪

ا۔ اطلس، ص ۱۶۵،

وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين
صدق الله العظيم

باب ۱۰
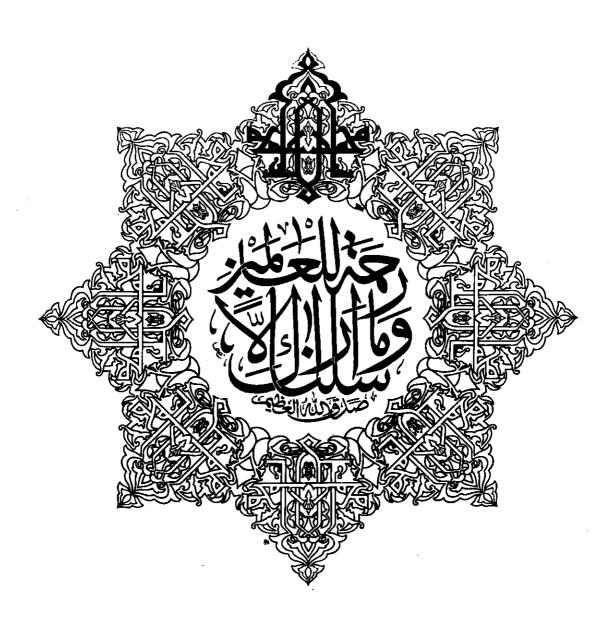
خط کوفی اور اس کی اقسام

خط کوفی مغربی

☆ خط کوفی بسیط

عہد بنی امیہ میں تمام شمالی افریقہ اور اندلس فتح ہو گیا تھا۔ اسلامی مملکت کا جزو بن گیا تھا۔ بنی امیہ کے خاتمے کے بعد افریقہ کا بہت سا علاقہ مرکزی عباسی حکومت کے ماتحت نہیں رہا۔ وہاں آزاد مملکتیں قائم ہوئیں، اور تہذیب و تمدن کو فروغ حاصل ہوا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نئے مفتوحہ افریقی ملک کے لئے ایک نیا شہر قیروان ۵۰ھ / ۶۷۰ع میں آباد کیا گیا۔ یہ نئی حکومت کا دارالحکومت مقرر ہوا۔ دمشق میں اس وقت خط کوفی کی جو شکل رائج تھی وہ قیروان میں پہنچی۔ وہ ابتدائی طرز کا خط کوفی تھا۔ چونکہ نئی حکومت کے قیام کی وجہ سے افریقہ کا تعلق شام و عراق کی اسلامی حکومت سے کٹ گیا۔ اس لئے مشرقی خط میں جو اصلاحات رائج ہوئیں، ان کا اثر افریقہ پر نہیں پڑا۔ خصوصاً ابن مقلہ کی اصلاحات قیروان یا اس سے آگے اثرانداز نہ ہو سکیں۔ وہاں وہی پرانا خط رائج رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ مغربی خط مشرقی خط کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ نظر نہیں آتا۔ خط نے جو ترقی مشرق میں کی وہ مغرب میں نہ ہو سکی۔

☆ خط قیروانی

قیروان کے قیام کے بعد وہاں خاندان اغلبیہ کی حکومت (۹۰۹ / ۸۰۰ء) قائم ہوئی۔ دمشق سے آئے ہوئے خط کوفی نے وہاں ایک نئی شکل اختیار کرلی۔ اس وجہ سے اس کا نام خط قیروانی ہو گیا۔ اس کو خطِ مغربی بھی کہتے ہیں۔ قیروان سے یہ خطِ

اندلس میں پہنچا۔ وہاں اس کو قرطبی کہنے لگے۔ خط قرطبی وہی خط قیروانی ہے البتہ قیروان کے مقابلے میں اس کے اندر استدارہ زیادہ ہے۔ اندلس کی تباہی کے بعد یہی خط مراکش میں آگیا۔ وہاں اس کو مغربی یا مراکشی کہنے لگے۔ جدید دور میں مغربی خط کا سب سے بڑا ماہر خطاط محمد بن ابی القاسم القندرس المراکشی گزرا ہے۔ وہ ۱۲۷۸ھ /۱۸۶۱ء میں فوت ہوا ہے۔ وہ خط کا بڑا ماہر تھا۔ اندلس میں قرطبہ، طلیطلہ، دسیہ، غرناطہ خطاطی کے بڑے بڑے مراکز تھے۔ خط مغربی کی خصوصیات یہ ہیں۔

۱- تحریر میں عمودی خطوط بالکل سیدھے نہیں ہوتے ہیں، قدرے لرزہ ہوتا ہے۔

۲- اب ت ث کی ترتیب مشرق سے مختلف ہے۔ ہماری ف ان کا ق ہے اور ف کے نیچے نقطہ دیتے ہیں بجائے اوپر دینے کے۔ ان کی ترتیب اس طرح ہے۔

اب ت ث ج ح خ د ذ ر ز ط ظ ک ل م ن ص ض ع غ ف ب س ش ہ و لا ی۔

۳- آخری حرف کو نقطے نہیں دیتے ہیں۔

۴- حروف کے دائروں کو لمبا کھینچتے ہیں،

۵- قرآن مجید میں قدیم تقسیم پانچ آیات اور دس آیات کی ابھی تک رائج ہے۔

قیروانی خط بالکل ابتدائی تھا۔ ابن خلدون کے بیان کے مطابق الموحدون (۱۲۶۹-۱۱۳۰) کے عہد میں اس خط کا استعمال متروک ہو گیا۔

☆ تونسی

قیروانی خط سے جو پہلی شاخ نکلی وہ خط تونسی ہے۔ خط تونسی میں قدرے خط نسخ کی چاشنی نظر آتی ہے۔ حروف میں صفائی آگئی ہے۔ الفاظ بھی بھرے ہوئے ہوتے ہیں- الفاظ کے درمیان فاصلہ بھی برابر ہوتا ہے۔ حروف کی ترتیب مغربی ہے۔

☆ جزائری

اس خط کا رواج الجزائر کے شہر قسطنطنیہ اور اس کے اطراف میں زیادہ ہے۔ اس خط میں حروف فربہ نظر آتے ہیں۔ شکل حروف درشت ہے۔ لام نون متدیر ہیں۔ خط مغربی سے بہت قریب ہے۔

☆ فاسی(۱)

یہ بھی قیروانی سے ماخوذ خط ہے۔ مراکش کے شہر فاس (Faz) میں اس نے فروغ پایا ہے۔ اس لئے فاسی کہلاتا ہے۔ اس کے اندر!!

۱۔ فاس، مراکش کا مشہور شہر ہے۔ انگریزی میں اس کو (Fez) کہتے ہیں۔ ہمارے اخبارات بھی انگریزی کی تقلید میں اس کو فیض لکھتے ہیں۔ حالانکہ صحیح نام فاس ہے۔

۱- حروف دائرہ کے دائرے نسبتاً بہتر ہیں۔ اس لحاظ سے یہ ممتاز ہے۔
۲- یہ سارے مغربِ اقصیٰ میں متداول ہے۔
۳- اس میں ایک خاص قسم کی سادگی پائی جاتی ہے۔

خط فاسی خط قرطبی سے ماخوذ ہے۔ درحقیقت ان سارے خطوط کے درمیان فرق تلاش کرنا مشکل ہے۔

☆ سوڈانی، تکروری

خط مغربی کی ایک شاخ خط سوڈانی ہے۔ یہ خط موٹا ہے اور بھاری ہے۔ اس میں نفاست اور لطافت بہت کم ہے۔ حروف کے زاویئے بڑے بڑے بنائے جاتے ہیں۔ مالی میں جب ایک آزاد حکومت ۶۱۰ھ / ۱۲۱۳ء میں قائم ہوئی تو یہ خط وہاں رائج ہوا۔ ٹمبکٹو وہاں کا دار لحکومت تھا۔ ایک زمانہ میں سارے صحرائے اعظم کو بلاد السودان کہتے تھے۔ اس وجہ سے اس خط کو سوڈانی کہتے ہیں۔ اس خط کو تکروری بھی کہتے ہیں۔ تکرور ایک علاقے کا نام ہے جو مراکش کے جنوب میں اور سینیگال کے مشرق میں ہے۔ اس خط نے وہاں رواج پایا اور سارے بلاد السودان میں پھیل گیا تھا۔

ایک خاص بات یہ ہے کہ قدیم زمانہ سے الجزائر اور مراکش میں ہندسے انگریزی استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی 4,3,2,1 عبدالرحمٰن ناصر ۳۱۷ھ کے زمانے میں قرطبہ میں بہت سے فن کار جمع ہوگئے تھے۔ نساخ، خطاط، وراق، مذہب، نقاش وغیرہ۔ ان میں سلیمان بن محمد معروف بہ ابن الشیخ (ف ۴۴۰ھ) نے خاصی شہرت حاصل کی تھی اس کے علاوہ ابن رشیق قیروانی، عبدالعزیز محمد القرشی، محمد بن یحیٰ عبدالسلام قرطبی، عباس بن عمر صقلی اس دور کے بڑے بڑے خطاط گزرے ہیں۔ مستشرق ڈوزی نے لکھا ہے کہ محمد بن اسمٰعیل قرطبی اتنا زود نویس تھا کہ دو ہفتے میں پورا قرآن مجید لکھ لیتا تھا۔(۱)

❁ خط کوفی بغدادی ❁

۱۳۲ھ / ۷۵۰ء میں بنی امیہ کی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کی جگہ نئی سلطنت بنی عباس کی قائم ہوئی۔ (۱۳۲ تا ۶۵۶ھ / ۷۵۰ تا ۱۲۵۸ء) مرکز خلافت بھی دمشق سے بغداد منتقل ہوگیا۔ جو قدیم مرکز علم کوفہ سے قریب ہے اور قدیم متمدن ملک ایران کا سرحدی شہر ہے۔ اس لئے یہاں علوم وفنون، تہذیب وتمدن، تفنن وتنوع، ایجاد واختراع نے خوب سرگرمی دکھائی۔ اسلامی خط نے بھی یہاں آکر ترقی کی بڑی بڑی منزلیں طے کیں۔

انتقالِ حکومت کے بعد تمام اہلِ علم اور اہل فنِ دمشق سے بغداد منتقل ہوگئے اور علوم و فنون کی یہاں داغ بیل

۱- اندلس مغربی ص ۱۷۵، ۱۵۷، ۴۸، ۲۰، خط قیروانی اصلی ص ۱۵۸، قندوسی، ص ۲۲۸، ۱۵۴، ۴۷، ۲۰، ماخوذاز The Splendour of Islamic Calligraphy، عبدالکبیر خطیب محمد سجلاسی لندن ۱۹۷۶ء، خط قیروانی، اطلس خط، ص ۱۴۵، خط مغربی ۱۴۵، اندلسی ص ۱۴۶، تکروری، ص ۱۴۷،

ڈالی۔ جس کے بعد یہاں علوم وفنون نے خوب خوب ترقی کی۔ ابو عبداللہ سفاح کی خلافت (۱۳۲-۱۳۶ھ) کے زمانے میں ضحاک بن عجلان خلیفہ کا کاتب خاص تھا۔ قطبہ محرر کے خط پر اس نے اضافہ کیا۔ دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور (۱۳۶-۱۵۸ھ) کا کاتب خاص اسحاق بن حماد (۱۵۴ھ) تھا۔ اس نے خط طومار میں نئی نئی جدتیں اختیار کیں۔ اس کے زمانے تک خطِ طومار میں ۱۲ قلم رائج ہو چکے تھے۔

اسحاق بن حماد اپنے زمانے کا امام فن اور مقبول استاد تھا۔ اس کے شاگرد بہت ہیں۔ مثلاً شجری برادران، ابو یوسف معروف بہ لقوۃ الشاعر، احمد الکلبی کاتب مامون، صالح خراسانی، ثناء جاریہ۔ ان سب میں شجری برادران نے بڑی شہرت حاصل کی۔ انہوں نے فن کی بڑی خدمت انجام دی۔ ابراہیم شجری نے قلم جلیل (طومار) سے پہلے قلم ثلثین اخذ کیا اور پھر قلم ثلث اخذ کیا، قلم ثلث خط کوفی کے بعد اعلیٰ درجے کا خط شمار ہوتا ہے۔ ثلثین اور ثلث۔ دو تہائی اور ایک تہائی کی وجہ تسمیہ کے متعلق صحیح بات معلوم نہیں۔ عام طور پر یہ بات مشہور ہے کہ طومار میں قلم کا قط ۲۴ بال خچر کے برابر ہوتا تھا۔ قلم ثلثین میں ۱۶ بال کا قط ہوتا تھا اور ثلث میں ۸ بال کا قط ہوتا تھا۔ اس کا انتقال (۲۰۰/ ۸۱۵ء) میں ہوا ہے۔ ابراہیم کا بھائی یوسف شجری بھی بڑا باکمال خطاط تھا۔ اس نے قلم جلیل سے ایک اور خوبصورت اور لطیف قلم ایجاد کیا، جس کو مدور کبیر کہتے ہیں۔ وہ خلیفہ مامون (۱۹۸-۲۱۸) کے وزیر اعظم فضل بن سہل ذوالریاستین (۲۰۳/ ۸۱۸) کے دربار سے وابستہ تھا۔ وزیر اس کے خط کا بہت بڑا قدر دان تھا۔ وزیر کے نام پر اس کے خط کو ریاسی کہتے ہیں۔ وزیر کی قدر دانی کے بعد خط مقبول ہو گیا۔ تمام سرکاری مراسلت میں قلم جلیل کی بجائے اب قلم ریاسی استعمال ہونے لگا۔ یوسف شجری کا انتقال (۲۱۰/ ۸۲۴ء) میں ہوا ہے۔

ابراہیم شجری کا ایک شاگرد ابراہیم احول سجستانی تھا۔ یہ دراصل خاندان برامکہ (۷۵۰ تا ۸۰۹ء) کا غلام تھا۔ یہ اپنے وقت کا زبردست کاتب تھا۔ فن کتابت میں امامت کے درجے پر فائز تھا۔ استاد احول نے اور اس کے بیٹوں، پوتوں نے خط کی بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ اسحاق ابوالحسن اس کے بیٹے تھے۔ اسحاق کے بیٹے اسمٰعیل عبداللہ تھے۔ کئی پشتوں تک اس کے خاندان میں فن کتابت کا مشغلہ جاری رہا۔ اسحاق بن ابراہیم احول خلیفہ مقتدر (۲۹۵-۳۲۰ھ) کا استاد رہا ہے۔ اس نے فن کتابت پر ایک رسالہ تحفہ رامق کے نام سے لکھا تھا۔(۱)

۱۔ غالباً فنِ تحریر اور خط میں یہ پہلی تصنیف ہے۔
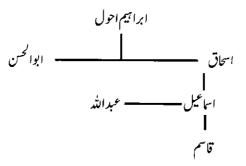
استاد احول نے کئی قلم اختراع کئے ہیں۔ مثلاً خفیف ثلث، خط مسلسل، خط غبار (الحلبہ، خط موآمرات، خط قصص، خط خورد۔ اس کے خط کی شان یہ تھی کہ "خلیفہ مامون کی طرف سے استاد احول کی تحریر جب قسطنطنیہ قیصر روم کے پاس پہنچی تو حسن وجمال کا نمونہ قرار دے کر وہاں صومعہ (گرجا) کے دروازے پر آویزاں کر دی گئی۔ ایسا ہی طرزِ عمل خلیفہ معتمد کی ایک تحریر کے ساتھ کیا گیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ عربوں کی کسی شئے پر ہمیں اتنا رشک نہیں آتا جتنا کہ ان کی خوبصورت تحریر پر آتا ہے۔"(۱)

قلم تراشنے میں اس کو غیر معمولی مہارت حاصل تھی۔ یہ گندے اور میلے کپڑے پہنتا تھا۔ اس کے زمانے میں وجہ النعجہ کاتب اس کا حریف تھا۔ خط جلیل اس سے بہتر لکھتا تھا۔ اس طرح محمد بن معدن قلم نصف اس سے بہتر لکھتا تھا۔ بہر کیف اس کے استاد فن ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہے۔ مختلف اقلام کی دستہ بندی اس نے کی ہے اور خط میں بعض اصلاحات اس کی رائج کردہ ہیں۔ استاد احول کا شاگرد امام فن ابن مقلہ تھا۔

ابن ندیم کی کتاب الفہرست (۳۷۷ھ) اور احمد قلقشندی کی تالیف صبح الاعشیٰ (۷۹۱ھ) سے معلوم ہوتا ہے کہ مامون عباسی تک عربی خط میں ۳۵ قلم وجود میں آچکے تھے۔

افسوس ان کاتبوں کی تحریریں اور ان مختلف اقلام کے نمونے آج دنیا میں کہیں موجود نہیں ہیں۔ ابن مقلہ کے زمانے میں ہی یہ بہت سارے خطوط متروک اور نامعلوم ہو چکے تھے۔(۲)

ابن مقلہ وزیر لکھتا ہے۔ "خط کی مختلف انواع اور اقسام تھیں۔ لوگ ان سے واقف تھے اور اپنے بچوں کو سکھاتے تھے۔ بعد میں لوگوں کی دلچسپی کم ہو گئی۔ بہت سے اقلام متروک اور معدوم ہو گئے۔ سب سے اہم خط ثلثین تھا۔ جو بادشاہ اور امراء استعمال کرتے تھے۔ پھر ثقیل طومار تھا۔ جس کو قلم بطاقہ (پرچہ نویسی) بھی کہتے تھے، پھر قلم مدارات اور مفتح شامی تھے۔ یہ عہد بنی امیہ میں مستعمل تھے۔ بنی عباس نے قلم نصف کو اختیار کر لیا اور بقیہ سب متروک کر دیئے۔

مکاتباتِ سلطانی قلم نصف اور قلم ریاسی میں ہوتی تھی۔ دوسرے لوگ سلاطین کو قلم خفیف نصف اور خفیف ریاسی میں لکھتے تھے۔ وزراء عمال کو قلم ثلث میں لکھتے تھے اور عمال وزراء کو ثلث صغیر میں لکھتے تھے۔ وزراء سلطان کو قلم منشور یا منشور صغیر میں لکھتے تھے۔ سابق عہد میں قلم مفتح شامی میں لکھا کرتے تھے اور یہ دو قلم موآمرات اور رقاع کہ دراصل صغیر ثلث ہیں دادخواہی اور فریاد رسی کے لئے مختص ہو گئے ہیں۔ قلم جلہ اور غبار الجلہ اور ان سے بھی خفیف کو مخفی امور لکھنے کے لئے استعمال کرتے ہیں، جو کبوتروں کے بازوؤں میں باندھ دیا جاتا ہے مگر آج کے زمانے کے بیشتر لوگ نہ ان خطوط کو پہچانتے ہیں نہ ان کی ترتیب کو سمجھتے ہیں۔ آج کل قلم موآمرات اور صغیر ثلث (رقاع۔ پرچہ) لوگوں میں متداول ہے۔"(۳) ابن مقلہ کے اس بیان سے بہت ساری باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔

۱- عہد مامونی میں لوگوں کو خط کا شوق بہت زیادہ ہو گیا تھا مگر بعد میں یہ شوق کم ہوتا چلا گیا، حتیٰ کہ لوگ بہت سے قلموں کو فراموش کر بیٹھے۔

۱۔ ادب الکاتب، ابن قتیبہ، (۳۳۵ھ / ۹۳۷ء) ص ۴۵، ۲- اطلس الخط، ص ۲۲۶، ۳- اطلس الخط، ص ۲۲۴،

۲- ورنہ قدیم زمانے میں ہر خط کی خاص تحریر تھی، اور خاص خاص کاموں کے لئے مخصوص تھا، لیکن ابن مقلہ کے زمانے میں یہ ترتیب ختم ہو چکی تھی۔

۳- آج ان خطوط کے صرف نام کتابوں میں باقی ہیں۔ ان کے نمونے فراموش ہو چکے ہیں۔

۴- آج خط کا سلسلہ کچھ اس طرح ہے!

جلیل ☜ دیباج ☜ طومار ☜ ثلثین و مختصر طومار ☜ نصف ثلث ☜ ثلث خفیف

آج صرف قلم ثلث متداول اور متعارف ہے۔

۵- بڑی اہم بات اس بیان سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ بنیادی خط تو ایک ہی تھا۔ جلیل یا طومار البتہ جلی خفی اور اخفی لکھنے کے طریقے رائج تھے۔ جن کو جداگانہ قلم کا نام دے دیا گیا ہے۔ جس سے آج لوگ بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جتنا بڑا آدمی ہوتا تھا، اتنا ہی جلی خط وہ لکھتا تھا، جتنا ادنیٰ درجے کا آدمی ہوتا تھا۔ اتنا ہی خفی خط وہ لکھتا تھا۔ گویا اس طرح معاشرتی درجہ بندی کا پتہ چل جاتا تھا۔

مزید ابن مقلہ لکھتا ہے کہ "خط کوفی لکھنے کے کئی طریقے رائج تھے۔ ان میں سے دو خاص تھے۔

۱- خط یابس مبسوط

اس میں کوئی شے متدیر (دور والی) نہیں ہوتی تھی۔

۲- خط لین متدیر

اس میں دور والے حروف ہوتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے (۲۲ھ) کی تحریر بردی کاغذ پر مصر سے حاصل ہوئی ہے۔ اس میں بعض حروف متدیر ہیں۔ اس سے ابن مقلہ کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ مزید برآں اس سے یہ قیاس کرنا درست ہوگا کہ جب اس ابتدائی دور میں بھی تدویر موجود تھی تو ضرور خود نبطی خط میں بھی تدویر موجود ہوگی۔ جس سے عربی خط ماخوذ ہے۔ بہر کیف خط کوفی کے دو طریقے تھے۔ لین اور یابس...... انہی دو قلموں کو ترقی دے کر بعد میں آنے والے خطاطوں نے محقق اور نسخ کے خط اختراع کئے ہیں۔

ابو علی ابن مقلہ کہتا ہے کہ خط کوفی میں در حقیقت دو بنیادی خط تھے۔ خط غبار الحلبہ، پہلا خط سارا مبسوط ہے، کوئی حرف خمیدہ یا دور والا نہیں ہے۔ اور صدیوں سے ایک ہی طریقے پر لکھا جاتا ہے۔ دوسرا خط سارا متدیر ہے کوئی حرف مستقیم نہیں ہے۔ کوفی خط کے بقیہ چودہ خطوط کچھ حصہ طومار کا اور کچھ حصہ غبار کا لے کر بنے ہیں۔ (۱)

۱- صبح الاعشیٰ، ص ۵۲،

☆ خط کوفی کے خصائص
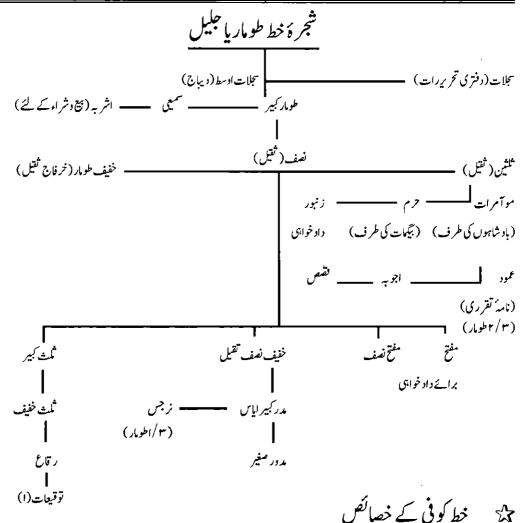
اس دور میں خط باقاعدہ فن بن چکا تھا۔ اس کی اصطلاحات وضع ہو چکی تھیں۔ حروف کی امتیازی خصوصیات متعین ہو چکی ہیں۔ امتیازی خصوصیات کے نظرانداز کرنے کو عیب خط شمار کیا جاتا تھا۔ ان ضوابط کی پابندی کر کے ایک قلمکار ماہر خطاط بنتا تھا اور پھر اپنی تحریر میں انفرادی شان پیدا کرتا تھا۔

۱- ترویس...... (آغاز حرف کو نقطے سے شروع کرنا)، ا، ب، ج، د، ر، ط، ک، ل، کو نقطے سے شروع نہ کرنا چاہیے۔

۲- تجلیف...... (جوف دار بنانا) ف، و، م کی گرہ کو اندر سے خالی رکھنا۔

۳- طمس...... (مسخ کرنا، دبانا) ص، طا، ع، غ، ف، م، ھ، واو، لام، الف، کی گرہ کو دبانا نہیں چاہیے، واضح لکھنا چاہیے۔

۴- عراقہ...... (دائرۂ حروف) جیم کو دائرہ نہ دیا جائے۔ خ کے سر کو کشش زیریں (نیم دائرہ) سے ہرگز نہ ملایا جائے۔

خط کوفی میں بعض حروف کی شکلیں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ اس التباس کی وجہ سے خط کوفی کو پڑھنے میں

۱۔ منقول از اطلس الخط، حبیب اللہ فضائلی، ص ۲۲۳،

دشواری پیش آتی ہے۔

وسط کلمات میں ع غ ف ق اور م کا سر باہم مشابہ ہوتا ہے۔ اس لئے التباس پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں کاتب کا فرض ہے کہ لکھتے وقت حتیٰ الوسع اس التباس کو دور کردے۔ دال کو چھوٹا لکھے اور ک کو بڑا لکھے وغیرہ۔ (۱)

خط کوفی قرن اول کا مشہور و معروف خط ہے۔ ایک زمانے میں یہ ساری قلمرو اسلامی میں مستعمل تھا۔ اندلس سے لے کر سندھ تک یہی خط استعمال ہوتا تھا۔ قلمکاروں نے اس میں نئی نئی جدتیں نکالیں۔ افریقہ میں تو یہ خط اپنی سابقہ حالت پر ہی قائم رہا۔ لیکن مشرق میں خطاطوں نے نئے نئے انداز سے اس کو لکھا ہے۔ کہتے ہیں اس کے لکھنے کے پچاس سے زیادہ انداز ملتے ہیں۔ بہر کیف دو قلم تو بالکل نمایاں ہیں۔ ۱-بنائی معقلی، ۲-تزئینی مشجر۔

☆ خط بنّائی یا معقلی

یہ بات اوپر بیان ہو چکی ہے کہ خط کوفی میں سطح بہت زیادہ اور

خط معقلی، کوفی بنائی کے مختلف نمونے

کوفی بنائی متوسط میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چار بار

خط بنائی متوسط میں کلمۂ طیبہ

استدارہ بہت کم ہے۔ بعض خطاطوں نے تمام حروف کو عمودی خط اور افقی خط سے لکھا ہے۔ حروف مربع یا مستطیل کی صورت میں لکھے جاتے ہیں-ان میں دور بالکل نہیں ہے۔ ایسی تحریر عمارات پر لکھنا بہت آسان ہے۔ چونکہ ان تحریروں کو معمار (بناء) استعمال کرتے تھے، اس لئے اس خط کو بنائی کہنے لگے۔ اس خط کا نام معقلی کے معنی متعین کرنے میں بڑا اختلاف ہے۔ البتہ یہ معنی قریب الفہم ہیں کہ معقلی کے معنی قلعہ کے ہیں چونکہ قلعوں کے دروازوں پر یہ طرز تحریر استعمال ہوتا تھا اس لئے اس کو معقلی بھی کہنے لگے۔ ہندسی شکلوں میں خطاطوں نے بڑے کمال کا مظاہرہ کیا ہے۔ خط معقلی کی تین قسمیں ہیں۔ ۱-سادہ، ۲-متوسط، ۳-مشکل، یہ تقسیم پڑھنے کے اعتبار سے ہے۔ وہ جو آسانی سے پڑھا جاسکے اور وہ جو مشکل سے پڑھا جاسکے۔ (۲)

☆ خط تزئینی یا مشجر

خط تزئینی خط کوفی کی وہ قسم ہے جس میں حروف کی ساخت کے قواعد و ضوابط کی پیروی کی طرف کم توجہ ہوتی ہے۔ اصل توجہ خط کی زینت اور زیبائش کی طرف ہوتی ہے، اس کو جاذب نظر اور دل پسند بنانے کی طرف ہوتی ہے۔ حروف کو مختلف شکلوں میں لکھا جاتا ہے۔ کبھی درخت کی شاخ کی طرح، کبھی درخت کے پتوں کی طرح، کبھی پھول اور غنچے کی طرح بہر صورت

۱-اطلس خط، ص ۱۹۰، ۲-۱،۲-اطلس خط، ص ۱۶۵، ص ۱۶۵ تا ۱۷۱، خطِ معقلی کے متعلق بیان باب ۸ میں بھی گزر چکا ہے۔
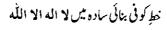
سادہ معقلی میں
نصر من اللہ وفتح
قریب وبشر
المؤمنین، یا محمد

اس کو پرکشش اور نظر نواز بنایا جاتا ہے۔ خط تزئینی کی یوں تو سینکڑوں قسمیں ہیں مگر بعض اہم اقسام درج ذیل ہیں۔

مشجر و مورق (۱)

۱- **مشجر**...... اس خط میں عمودی حروف (الف، لام) کو بعض اوقات واو اور نون کو بھی درخت سے مشابہہ بنایا جاتا ہے۔ بیل بوٹوں کی شکل میں لکھا جاتا ہے۔

۲- **مورق**...... اس میں حروف کو ورق (پتوں) کی شکل میں لکھا جاتا ہے۔

۳- **مزھّر**...... اس میں حروف اور کلمات کو غنچے اور کلی کی شکل دی جاتی ہے۔

۴- **معقد**...... اس خط میں لام، الف اور الف کے وسط میں ایک گرہ اور کبھی دو گرہیں لگا دیتے ہیں۔ اس کو معشق اور متشابک بھی کہتے ہیں۔ محمد علی ہروی نے اس کو کوفی قفل لکھا ہے۔

۵- **مظفّر**...... اس خط میں ورق اور شجر میں مزید حسن پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۶- **موشح**...... کلمات اس انداز سے لکھے جاتے ہیں کہ تحریر پر نقش یا تصویر نظر آتی ہے۔ اس لئے اس کو مصور اور مزین بھی کہتے ہیں۔ مشق نہ ہو تو ان خطوط کو پڑھنا بڑا دشوار ہوتا ہے۔ (۲)

خط کوفی صدیوں تک عالم اسلام کا مقبول خط رہا ہے لیکن جب خط نسخ میدان میں آ گیا تب اس کی مقبولت میں کمی آنا شروع ہو گئی۔ پانچویں صدی ہجری سے خط کوفی رو بہ زوال نظر آتا ہے اور ابن مقلہ کے خط منسوب یا خط نسخ کا عروج نظر آتا ہے۔

۱۔ مُشَجَّرْ، درخت کی شکل والا۔ مُوَرَّقْ، پتے کی شکل والا۔ شجر درخت کو اور ورق پتے کو کہتے ہیں۔ ۲۔ اطلس خط، ص ۱۵۳ تا ۱۶۰،

خط تزئینی یا مشجر کے نمونے

خطِ مشجر سلجوقی
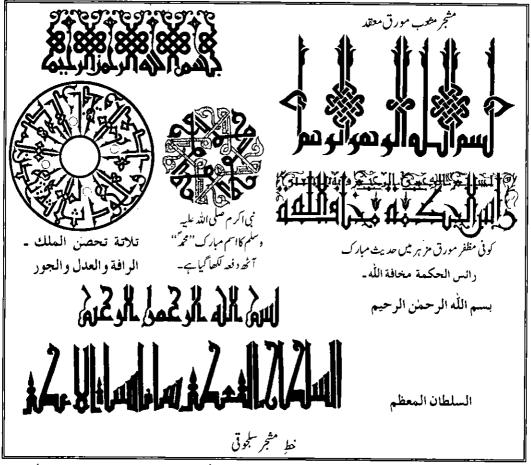
حتیٰ کہ ایک وقت وہ آیا جب خط کوفی عام خط کی حیثیت سے عالم مشرق سے ختم ہو گیا۔ تاہم اس زمانے میں بھی خط بنائی اور خط تزئینی کا استعمال جاری رہا۔ دوسرے خط جن کا ذکر آئندہ آئے گا، ان کا غلبہ اس قدر ہو گیا تھا کہ خط کوفی کی حیثیت ایک گم شدہ خط کی سی ہو گئی تھی۔ خاص طور پر ساتویں صدی ہجری کے بعد۔ چودہویں صدی ہجری کے آغاز میں استاد کبیر یوسف احمد نے قاہرہ مصر میں دوبارہ خط کوفی کو زندہ کیا ہے اور مقبول بنانے کی کوشش کی ہے۔

ہندوستان اور پاکستان میں بھی صدیوں سے خط کوفی بالکل مفقود ہو گیا ہے۔ مشہور خطاط سید یوسف سدیدی نے مسجد منصورہ لاہور میں نہایت جلی قلم سے خط کوفی میں قرآنی آیات لکھی ہیں۔ چھ سات صدیوں کے بعد اس ملک میں خط کوفی لکھنے کی یہ پہلی کوشش ہے اور بڑی کامیاب کوشش ہے۔

پندرہویں صدی ہجری کے آغاز پر دنیا کے بہت سے ملکوں نے قرآن مجید کے قلمی اور نادر نسخوں کی نمائش کی تھی۔ وہاں ہر صدی کے نسخے رکھے گئے تھے۔ ہر صدی کے ان نسخوں کو دیکھنے سے خط عربی کا ارتقاء پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔

باب ۱۱

خط محقق وریحان

خط کوفی کے بعد جو پہلا خط اختراع ہوا ہے وہ خطِ محقق ہے۔ علم الخط کے قدیم ترین مؤرخ ابن ندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں خط محقق کا ذکر خط کوفی کے بعد اور خط ثلث سے قبل کیا ہے۔ یہ مستقل بالذات خط ہے۔ بعض محققین کے خیال کے مطابق کوفی کی وہ قسم جس میں سطح زیادہ ہے اس سے ترقی پاکر خطِ محقق وجود میں آیا ہے۔ پیمائش کے نقطہ نظر سے اس میں۔ ڈیڑھ حصے (دانگ) دور ہے اور ساڑھے چار حصے (دانگ) سطح ہے۔ اس طرح یہ خط معقلی اور بنائی سے قریب ہے۔

ابن ندیم کے بیان کے مطابق عہد مامون (۱۹۸-۲۱۸ھ) میں خط سے دلچسپی اور شوق عام طور پر پھیل گیا تھا۔ تحسین خط کی قدردانی بہت زیادہ کی جاتی تھی۔ پیشہ ور کاتبوں کا ایک طبقہ وجود میں آگیا تھا۔ جن کو وراق کہتے تھے۔ وہ کتابوں کو نقل کرتے تھے۔ جلد باندھتے اور پھر فروخت کرتے تھے۔ اس پیشے سے ان کی روزی وابستہ تھی۔ ان کے پیشے کا تقاضا تھا کہ ایک طرف وہ زود نویس ہوں تو دوسری طرف خط صاف اور واضح حروف لکھیں تاکہ پڑھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے اور پھر ان کی نقل کردہ کتاب جلدی فروخت ہو جائے۔

اس ضرورت کے تحت یہ ورّاق مجبور ہوئے کہ خط کوفی سادہ سے ایک نیا خط اختراع کریں، جو صاف ہو، واضح ہو اور خوش خط ہو۔ ان وراقوں نے یہ خط محقق اختراع کیا ہے۔ اس خط کی خوبی یہ ہے کہ اس میں حروف کی شکلیں، انفرادی حالت اور ترکیبی حالت دونوں میں قواعد کے مطابق لکھے جاتے ہیں۔ ضابطے کی پوری طرح پیروی کی جاتی ہے۔ حروف کی پیائش کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس طرح لکھنے سے ہر حرف واضح ہوتا ہے اور دوسرے حروف سے اشتباہ پیدا ہونے نہیں دیا جاتا البتہ اس خط میں ل کو ک کی طرح افتادہ لکھا جاتا ہے۔ عمودی حروف (الف، ک، ل) کا خط بلند تر ہوتا ہے۔ گرہ دار حروف (ص، ط، ہ، ھ) کی گرہ کو وضاحت سے بنایا جاتا ہے۔ الف اور لام کے سروں پر قدرے خم دیا جاتا ہے۔ چونکہ حروف کی بناوٹ تحقیق سے کی جاتی

ہے اس لئے اس خط کو محقق کہتے ہیں۔

محقق کے کافی عرصے بعد خط ریحان وجود میں آیا ہے۔ خط ریحان در حقیقت خطِ محقق ہی ہے۔ البتہ زیادہ دقیق ہے۔ اس وجہ سے اس کو ریحان کا نام دیا گیا ہے۔ ریحان نازبو کے درخت کو کہتے ہیں۔ اصول و قواعد میں خطِ ریحان اور خط محقق میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ البتہ ی کا دور ریحان میں محقق کے مقابلے میں قدرے بڑا ہوتا ہے چونکہ خطِ ریحان میں لطافت اور

خطِ ریحان تحریر ۶۶۱ھ

أتأمرون الناس بالبر وتنسون أنفسكم

وأنتم تتلون الكتاب أفلا تعقلون

واستعينوا بالصبر والصلوة

وإنها لكبيرة إلا على الخاشعين

الذين يظنون أنهم ملاقوا ربهم

خوشنمائی زیادہ ہوتی ہے اس لئے اس کو نازبو (ریحان) (۱) کا نام دیا گیا ہے۔

اس خط کو مہذب، مستحکم اور معروف بنانے میں ابن بواب نے بڑی کوشش کی ہے اور پھر اس کے بعد یاقوت مستعصمی نے بھی اس کو فروغ دیا ہے۔ عربی خط کے مستند چھ خطوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ فن میں استادی کا مرتبہ اس قلم کار کو ملتا تھا جو ان چھ خطوں کے لکھنے میں ماہر ہوتا تھا۔

پانچ صدیوں تک قرآن مجید اور دیگر کتابیں خط محقق میں لکھی جاتی رہی ہیں۔ بعض نسخے اس دور کے لکھے ہوئے عجائب خانوں میں مل جاتے ہیں، لیکن پھر بتدریج خط نسخ

(قرآنِ کریم خطِ ریحان میں بہ قلم یعقوب مستعصمی)
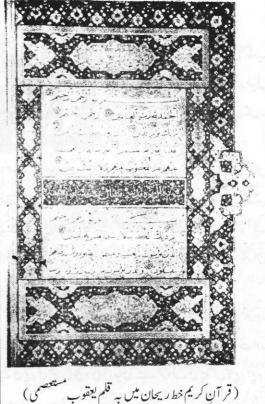
ہمیشہ تابہ بہاراں ہوا بصفحۂ باغ
ہزار نقش نگاراں زخطِ ریحاں

غالب آ گیا اور خط محقق متروک ہوتا چلا گیا۔ خط ثلث جب میدان میں آ گیا تو محقق اور ریحان بتدریج متروک ہوتے چلے گئے۔(۱)

خطِ محقق بہ قلم احمد بن سہروردی، ۷۰۶ھ،
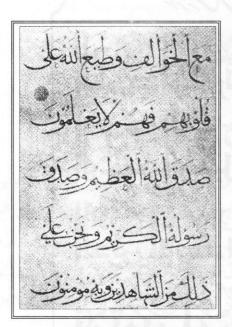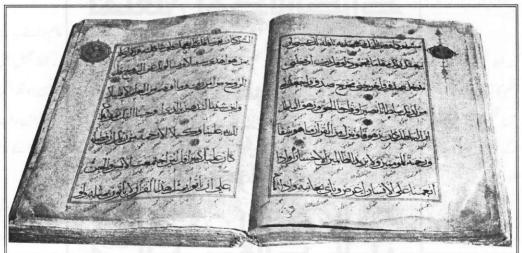
خط ریحان میں قرآن کریم کا قلمی نسخہ، تیسری صدی ہجری میں تحریر کیا گیا۔ کراچی عجائب گھر میں موجود ہے۔

۱۔ اطلس خط، ص ۳۰۰

بسم الله الرحمن الرحیم
الحمد لله رب العالمین
الرحمن الرحیم مالک یوم
الدین ایاک نعبد وایاک
نستعین اهدنا الصراط
المستقیم صراط الذین
انعمت علیهم غیر المغضوب
علیهم ولا الضالین
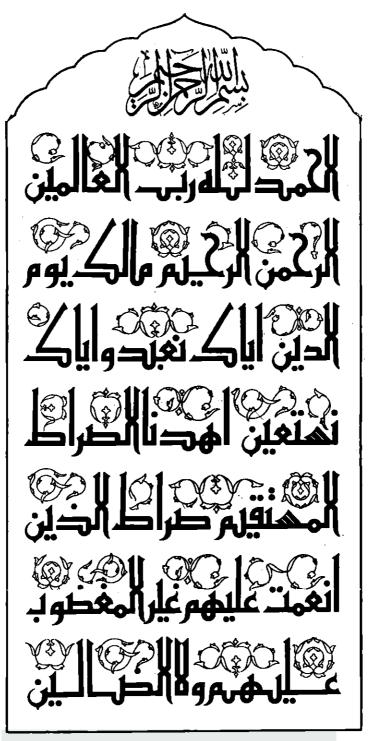
باب ۱۲

خطِ ثلث

یہ بات پہلے مذکور ہو چکی ہے کہ کوفی خط اصلاً خطِ جلیل تھا۔ جب اس خط سے لوگوں کا شغف زیادہ بڑھا اور کاتبوں کا اس میں زیادہ انہماک ہوا تو اس کے اندر تفریع اور تنوع کا پیدا ہونا لازمی امر تھا۔ ابراہیم شجری اپنے زمانے میں بہت مشہور و معروف خطاط تھا۔ وہ بہت ذہین اور طباع بھی تھا۔ اس نے خط جلیل سے ایک نیا خط ثلثین نکالا اور پھر کچھ عرصے کے بعد مزید طباعی دکھائی اور ایک نیا خط ثلث نکالا۔ ابراہیم شجری کا لائق اور فائق شاگرد ابوالعباس احول سجستانی تھا۔ اس نے محنت کر کے اس خط کو مہذب کیا اور فروغ دیا۔ آغاز میں تو خط ثلث خط جلیل کا ایک قلم، ایک انداز نگارش معلوم ہوتا تھا مگر بعد کے کاتبوں کی جانفشانی اور جدت طرازی کے سبب یہ بالکل نیا خط بن گیا۔ جو خط جلیل سے بالکل جداگانہ خط ہے۔

اس خط کو خط ثلث کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کے متعلق روایات میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مشہور عام رائے یہ ہے کہ خط جلیل یا خط طومار کاغذ کے پورے تختے پر موٹے قط کے قلم سے لکھا جاتا تھا۔ خط جلیل کے معنی ہیں بڑا خط۔ خط جلیل میں قلم کا قط خچر کے ۲۴ بالوں کے برابر ہوتا تھا۔ جو عرضاً برابر برابر رکھے ہوئے ہوں۔ اس رائے کے مطابق خط ثلثین وہ تھا جس میں قلم کا قط دو تہائی یعنی ۱۶ بالوں کے برابر ہوتا تھا اور خط ثلث وہ تھا جس میں قلم کا قط ۸ بالوں کے برابر ہوتا تھا۔ اس رائے کے مطابق طرز نگارش میں کوئی خاص فرق نہیں تھا۔ سارا فرق قلم کے موٹے یا پتلے ہونے سے پیدا ہوتا تھا اگرچہ یہ رائے عام طور پر بیان کی جاتی ہے مگر محققین کے نزدیک یہ رائے درست نہیں ہے۔

فن خطاطی کا امام ابو علی بن مقلہ وزیر نے اس کے متعلق دوسری بات بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ”خط کوفی میں اوّل روز سے دو طرز نگارش چلی آ رہی ہیں۔ خط طومار اور خط غبار الحلبہ (میدان کی گرد) خط طومار سارے کا سارا بسط ہے، سطح ہے۔ اس میں دور بالکل نہیں ہے۔ (یہی خط ترقی پا کر خط محقق کہلایا) خط غبار میں دور ہی دور ہے۔ بسط اور سطح بالکل نہیں ہے۔ فن خطاطی میں آئندہ جتنے بھی خطوط اور خط غبار دونوں سے ترکیب پا کر پیدا ہوئے ہیں۔ اب جس خط میں بسط دو تہائی ہے اور دور

ایک تہائی ہے تو وہ ثلثین کہلاتا ہے اور جس خط میں بسط ایک تہائی ہے اور دور دو تہائی ہے وہ ثلث کہلاتا ہے۔ یہ رائے حقیقت کے بالکل مطابق ہے۔ اہل فن نے اس رائے کو قبول کیا ہے۔(۱)

خط ثلث کی خصوصیات

خط ثلث کی خصوصیات حسب ذیل ہیں!

۱- خط ثلث میں دو دانگ (حصہ) سطح ہے اور چار دانگ دور ہوتا ہے۔ یعنی ۱/۳ سطح ہے اور ۲/۳ دور ہے۔ خط ثلث میں خط محقق کی نسبت دور زیادہ ہے۔

۲- خط ثلث کے قلم کا قط محرف یعنی ٹیڑھا ہوتا ہے۔

۳- ا، ب، ج، د، ر، ک، ر، ل، ن، میں سر کو نمایاں لکھا جاتا ہے۔ خواہ یہ حروف مفرد ہوں یا ترکیب میں اول حرف واقع ہوں۔ آغاز میں ذرا سا شوشہ بناتے ہیں۔

۴- ص، ط، ع، ف، ق، م، ھ، و، کی گرہ کو نمایاں کیا جاتا ہے۔

۵- اس خط میں ایک دشواری یہ ہے کہ بعض حروف قریب قریب یکساں شکلیں اختیار کر لیتے ہیں۔ اس لئے ان کو پڑھنے میں دقت پیش آتی ہے۔

خطِ ثلث بہ قلم شیخ حمد اللہ اماسی، ۹۲۴ھ
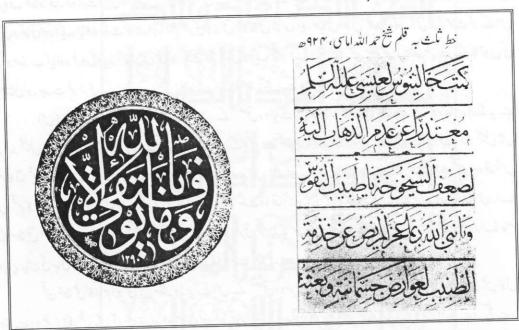
۶- کاتب لوگ خط ثلث کو ام الخطوط کہتے ہیں۔ جس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جس شخص نے خط ثلث لکھنے میں

ا۔ صبح الاعشیٰ، ص ۵۶،

کمال حاصل کر لیا، اس کے لئے پھر دوسرے تمام خطوط لکھنے سہل ہو جاتے ہیں۔

موجد خواہ اس خط کا کوئی بھی ہو۔ اس کو قواعد و ضوابط کے تحت منضبط کرنے والا ابن مقلہ خطاط ہے۔ اس نے اس کو باقاعدہ خط کی شکل دی ہے۔ اس کے بعد سے یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ کوئی شخص خط ثلث کو جانے بغیر خطاط نہیں بن سکتا۔ ہر ملک میں اور ہر دور میں خط ثلث کے اساتذہ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ خط نسخ نے میدان میں آکر اگرچہ خط ثلث کی مقبولیت کو متاثر کیا ہے لیکن خطاط بدستور اس خط کو استعمال کرتے رہے ہیں۔ کتبے اور عنوانات تو آج تک خط ثلث میں نہایت خوبصورت طریقے سے لکھے جاتے ہیں۔(۱)

۲۔ اطلس خط ۲۴۴۔ ۲۵۲

واتبع ما يوحى إليك واصبر حتى يحكم الله وهو خير الحاكمين
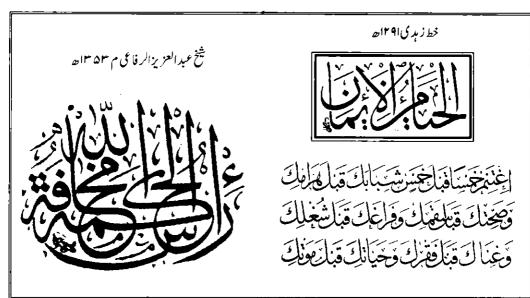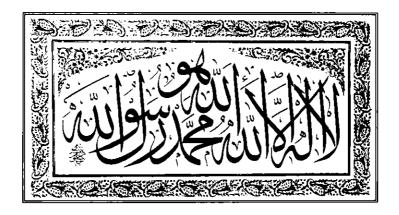
باب ۱۳

خطِ توقیع

الفہرست اور صبح الاعشیٰ دونوں کا بیان ہے کہ خطِ توقیع خط ثلث کے بعد پیدا ہوا ہے۔

لغت میں توقیع کے معنی ہیں ایک شے کو کسی دوسری شئے میں ڈالنا، اضافہ کرنا، تحریروں اور دستاویزوں پر بادشاہ اور وزراء طغراء لگاتے تھے اور دستخط کرتے تھے۔ اس کو توقیع کہتے ہیں۔ پھر جس خاص طرز سے وہ توقیع لکھتے تھے اس کو بھی خط توقیع کہنے لگے۔ محققین کا خیال ہے کہ خط توقیع کا مخترع بھی یوسف شجری ہے۔ خط ریاسی میں مزید تغیرات پیدا کر کے اس نے خط توقیع ایجاد کیا ہے۔ دوسری صدی ہجری کے اختتام سے قبل ہی یہ خط معروف ہو چکا تھا۔

طرز نگارش کے اعتبار سے یہ خطِ توقیع خط ثلث سے مشابہہ ہے۔ خط توقیع کی چند خصوصیات یہ ہیں۔

۱- خط ثلث کے مقابلے میں قلم کی گردش زیادہ آزادانہ ہوتی ہے۔

۲- خط ثلث میں قلم کا قط محرف (ٹیڑھا) ہوتا ہے۔ اس وجہ سے وہاں حروف کے آغاز اور دنبالے باریک بن جاتے ہیں۔ برخلاف اس کے خط توقیع میں قلم کا قط تقریباً مدور (گول) ہوتا ہے۔ اس وجہ سے حروف کی شکل اول اور آخر یکساں رہتی ہے۔

۳- خط توقیع میں حروف موٹے اور بھرے بھرے بنتے ہیں۔ حتیٰ کہ واو، اور ر بھی مقور یعنی دور والے بنائے جاتے ہیں۔

مجموعی حیثیت سے خط ثلث میں کلمات کج (ٹیڑھے) نظر آتے ہیں۔ لیکن خط توقیع میں قوسی نظر آتے ہیں۔

۴- بعض مرکب حروف یعنی کلمات کی ایسی شکلیں ہیں جو ثلث میں ہرگز جائز نہیں ہیں۔ مگر توقیع اور رقاع میں

مستعمل ہیں۔

۵- اس خط میں میم کی بہت سی شکلیں استعمال کی جاتی ہیں۔

۶- ثلث کے مقابلے میں توقیع کے اندر حروف چھوٹے بنائے جاتے ہیں۔

خطِ توقیع میں ایک حصے (دانگ) سطح ہے اور پانچ حصے دور ہے، مگر غلام محمد ہفت قلمی دہلوی نے تین حصے سطح اور تین حصے دور بیان کیا ہے، ہفت قلمی کا بیان زیادہ قرینِ صواب ہے۔

اس خط کا سب سے بڑا ماہر تو ابن مقلہ وزیر ہے۔ معجم البلدان میں یاقوت نے اس کے خط کی بہت زیادہ تعریف کی ہے۔ اس کے بعد ابوالفضل خازن خراسانی (۵۱۸-۴۷۱ھ) نے اس خط کے لکھنے میں نام پیدا کیا۔ یہ خط عام تحریر اور کتابیں لکھنے کا خط نہیں تھا۔ یاقوت مستعصمی نے ایسی روایت کی طرح ڈالی ہے کہ کتاب کے بالکل آخر میں کتاب کا نام، مصنف کا نام، کاتب کا نام اور سن تحریر خط توقیع میں لکھا۔ اس کے بعد کاتب اس روایت کی پیروی کرتے ہیں۔ اس کے بعد سے خط توقیع کتاب کا ترقیمہ لکھنے کے لئے مخصوص ہو گیا ہے۔ جس طرح خط ثلث عنوانات لکھنے کے لئے مخصوص ہو چکا ہے۔

آج کل بعض عرب مصنفین خط توقیع کو خط اجازہ قرار دیتے ہیں۔ ان کی یہ رائے درست نہیں ہے۔ خط توقیع کے قدیم ترین نمونے صبح الاعشیٰ اور "محاسن الخط" میں بیان کئے گئے ہیں۔ وہ نمونے خط اجازہ سے مختلف ہیں۔ مزید برآں محققین کے بیان کے مطابق خط اجازہ نویں صدی ہجری سے قبل موجود نہیں تھا۔ فنی اعتبار سے خط توقیع خط ثلث اور خط رقاع سے ترکیب پا کر پیدا ہوا ہے اور خط اجازہ ثلث، توقیع اور نسخ سے مرکب نظر آتا ہے۔ یہ دونوں ایک نہیں ہیں۔ آج کل سجلات قضات (قاضی کا رجسٹر) اس خط میں لکھے جاتے ہیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

باب ۱۴

خطِ رقاع و غبار و مسلسل

رقاع رقعہ کی جمع ہے۔ کاغذ کے پرزے کو رقعہ کہتے ہیں۔ اس خط کو رقاع اس لئے کہا جاتا ہے کہ آغاز میں یہ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر لکھا جاتا تھا۔ معمولی ضرورت کی کوئی بات یا معمولی خط اس پر لکھا جاتا تھا۔ ایسے معاملات میں عجلت مطلوب ہوتی ہے۔ اس لئے قلم کی گردش آزادانہ اور سریع السیر ہوتی ہے۔ یہ خط بڑی حد تک خط ثلث سے اور خط توقیع سے مشابہہ ہے۔

خط رقاع کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ خط رقاع میں حروف چھوٹے اور لطیف بنائے جاتے ہیں- قلم کا قط بھی باریک ہوتا ہے۔

۲۔ اس خط میں استدارہ اور دَور بہت زیادہ ہے۔ سطح ۶/۱حصے ہوتی ہے۔

۳۔ عمودی حروف میں ترویس بالکل نہیں ہوتی ہے۔ یعنی الف، ل کے سروں پر چھوٹا سا شوشہ نہیں بنایا جاتا ہے۔

۴۔ گرہ دار حروف کی گرہ بند رہتی ہے۔

۵۔ عام قاعدے سے ہٹ کر بعض حروف اور بعض مرکبات خط رقاع میں بالکل مخصوص انداز میں لکھے جاتے ہیں۔(۱)

اصل بات یہ ہے کہ خط رقاع میں قلم کی حرکت تیز اور آزادانہ ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے بعض حروف اور مرکبات نے ایک نئی شکل اختیار کرلی ہے۔ یہ خط لکھنے میں خوشنما نظر آتا ہے۔ لکھنے میں سہولت ہے۔ ترتیب میں ایک خاص فاصلے کا خیال رکھا جاتا ہے۔ شکلوں کی ساخت میں ہم آہنگی نظر آتی ہے۔

عجلت سے اختصار پیدا ہوتا ہے اور اختصار میں بعض حروف لکھنے میں گر جاتے ہیں۔ تحریری ملکہ پیدا ہو جانے سے لوگ پڑھتے ہیں۔

۱۔ الصبح الاعشیٰ، جلد ۳، ص ۱۱۹۔

بہر کیف کاتب کا فرض ہے کہ حتیٰ الامکان صحت حروف اور وضاحت کو پیش نظر رکھے تاکہ پڑھنے میں اشتباہ واقع نہ ہو۔ ایک زمانے میں تو یہ خط تمام ہی بلادِ اسلامیہ میں رائج اور مستعمل تھا، بعد میں عرب ممالک اور ترکیہ میں تو یہ متروک ہو چکا ہے اور اس کی جگہ وہاں خط اجازہ نے رواج پالیا ہے۔ البتہ ایران اور مشرقی ممالک میں یہ خط ابھی تک رائج ہے مگر اس کا استعمال یہاں بھی محدود ہوگیا ہے۔ محل استعمال یہ ہے کہ خط توقیع کی طرح کتاب کے آخر میں کتاب کا نام، مصنف کا نام، کاتب کا نام سن کتابت وغیرہ معلومات لکھنے کے لئے خط رقاع استعمال کرتے ہیں۔ (۱)

نمونۂ خط رقاع

از علاء الدین تبریزی

☆ خطِ غبار

غبار مٹی کی گرد کو کہتے ہیں چونکہ یہ خط بہت باریک ہوتا ہے۔ اس کے پڑھنے میں آنکھوں کو دقت پیش آتی تھی۔ اس لئے اس کو خط غبار کہتے تھے۔ اس خط کا مخترع بھی استاد احول سجستانی ہے۔

یہ خط نامہ و پیام کے لئے ایجاد ہوا تھا۔ کاغذ کے چھوٹے سے پرزے پر طویل مضمون نہایت باریک لکھتے تھے اور پھر اس پرزے کو کبوتر کے بازو میں باندھ کر کبوتر کو اڑا دیتے تھے۔ کبوتر اس زمانے میں نامہ بری کا کام کرتا تھا۔ اس وجہ سے اس خط کو قلم الجناح (پر یا بازو کا خط) بھی کہتے تھے۔

خط غبار کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- خط غبار خط رقاع سے ماخوذ ہے۔

۲- خط غبار سارا دور ہی دور ہے سطح بالکل نہیں ہے۔

۳- ان مختلف خطوط کا رجحان باریک لکھنے کی جانب ہے۔ خط توقیع خط ثلث سے باریک ہے۔ خط رقاع خط توقیع سے باریک ہے۔ خط غبار خط رقاع سے بھی باریک ہے۔

۴- زود نویسی میں خط غبار خط رقاع سے بھی بڑھ کر ہے۔

ایک زمانے میں یہ بڑا مشہور اور معروف خط تھا مگر پھر متروک ہوگیا۔ (۲)

۱۔ اطلس خط، ۲۷۶-۲۷۷، ۲۔ اطلس خط، ص ۲۸۰،

☆ خط مسلسل

خط مسلسل انداز تحریر کے اعتبار سے تو ثلث یا خط توقیع ہی ہوتا ہے البتہ اس میں تمام حروف باہم ملے ہوئے لکھے جاتے ہیں، ایک حرف بھی منفصل نہیں لکھا جاتا ہے۔ اس طرح بظاہر ایک زنجیرہ سا نظر آتا ہے۔ اس لئے اس کو خط مسلسل کہتے ہیں۔(۱) حروف باریک اور نازک ہوتے ہیں۔ الفاظ متصل ہوتے ہیں۔ صبح الاعشیٰ کے بیان کے مطابق اس کی ایجاد کا سہرا بھی استاد احول کے سر ہے۔ البتہ صبح الاعشیٰ میں اس کا نمونہ نہیں دیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ خط غبار اور خط مسلسل عمومی تحریرات کے خط نہیں تھے بلکہ یہ آرائشی خط تھے۔ لوگ تفنن طبع کے لئے ان سے لکھا کرتے تھے۔(۲)

○○○○○○○○○○○○○○○○○

۱- سلسلہ زنجیر کو کہتے ہیں۔ ۲- اطلس خط، ص ۲۸۲،

بسم اللہ الرحمن الرحیم
قال اللہ تعالیٰ فی کتابہ الکریم
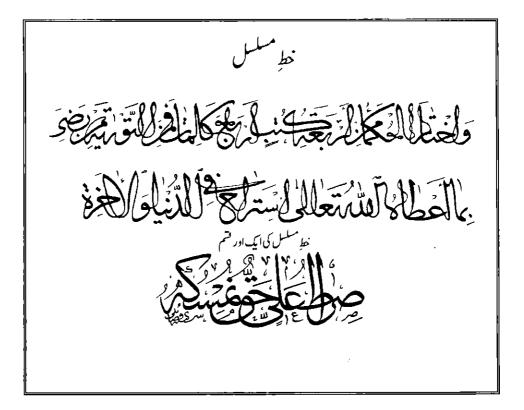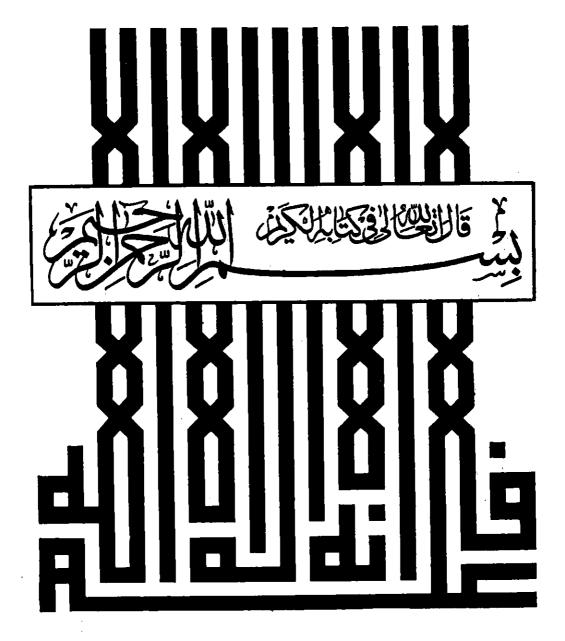
باب ۱۵

خطِ نسخ

عربی رسم الخط کا مشہور ترین خط، خطِ نسخ ہے۔اس کے مخترع وزیر ابن مقلہ نے تو اس کو بدیع کا نام دیا تھا۔اس لئے کہ یہ نیا اور خوبصورت خط تھا۔ اس زمانے کے مؤرخین اس کو خطِ منسوب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اس خط میں حروف اور کلمات کی ساخت میں تناسب کا بہت زیادہ خیال رکھا گیا ہے، مگر اس کا مشہورِ عام نام خطِ نسخ ہے۔کاتبوں اور نساخوں کے لئے اس خط میں کتابیں لکھنا اور نقل کرنا سب سے زیادہ آسان ہے، زیادہ واضح ہے۔اس لئے اس کو وضاح بھی کہتے ہیں۔ بہر کیف اس خط کی شہرت اور مقبولیت اول روز سے آج تک بدستور قائم ہے۔

تمام مؤرخین یہ بات بیان کرتے ہیں کہ خطِ نسخ وزیر ابن مقلہ کی اختراع ہے۔گزشتہ صدیوں میں مصنفین یہی بات دہراتے رہے ہیں مگر اس صدی کے محققین کے نزدیک یہ بیان قرینِ صواب نہیں ہے۔ محققین نے بردی کاغذ کی ایسی تحریریں انکشاف کی ہیں جو پہلی صدی ہجری کی تحریر کردہ ہیں، جن میں دور پایا جاتا ہے۔جو خطِ نسخ سے مشابہت رکھتی ہیں۔ان وجوہ کی بنا پر یہ دعویٰ کہ خط نسخ تیسری صدی ہجری میں پیدا ہوا ہے، آج کل مقبول نہیں رہا۔

درحقیقت صورت حال یہ نظر آتی ہے کہ خط کوفی بلکہ عربی خط آغاز ہی سے بسط اور استدارہ دونوں طریقوں پر لکھا جاتا تھا۔ بنی امیہ اور بنی عباس کے دور میں خطاطوں اور قلمکاروں نے بسط کی خوب خوب خدمت کی اور خطِ کوفی کو فروغ دیا۔اس کی مختلف شاخوں کو ترقی دی۔اس سارے عرصے میں خط متدیر کی جانب کوئی توجہ نہیں دی گئی۔وہ اسی طرح ابتدائی حالت میں باقی رہا۔جب ابن مقلہ کا زمانہ آیا تو اس نے جہاں تمام خطوطِ متداولہ کو مدون کیا، مہذب کیا اور فروغ دیا وہاں وہ متدیر کی جانب بھی متوجہ ہوا۔اس نے اس پر محنت کی اور اس کو نئے انداز پر مرتب کیا۔اس وقت سے خط نسخ نے نئی زندگی پائی۔

وزیر ابن مقلہ نے خط نسخ کے اصول واضح طریقے پر لکھے ہیں۔(۱)

ا۔ مصور الخط العربی، ناجی زین الدین، ماخوذ از میزان الخط لابن مقلہ،

۱- حروف کی شکلوں کو مستدیر اور خوبصورت بناؤ۔
۲- حروف کی ساخت میں قواعد و ضوابط کی پوری پابندی کرو۔
۳- عمودی، افقی اور قوسی حروف بناتے وقت ہندسے اور پیمانے کا خاص خیال رکھو۔
۴- حروف کی ساخت میں موٹے اور باریک حصے کا خاص خیال رکھو۔
۵- قلم پر ہاتھ کی گرفت مضبوط ہو مگر قلم کی روانی میں سختی پیدا نہ ہونے پائے۔

خطِ نسخ میں تشکیلِ حروف کے قواعد

۱- حروف عمودی مفردہ کے سر پر ہلکا سا شوشہ دینا چاہیئے۔ یعنی ترویس۔
۲- حروف عمودی مرکبہ میں ترویس نہیں ہوتی ہے۔
۳- ع غ میں گرہ دبی ہوئی ہوتی ہے۔
۴- ف ر ق کے سر پر نقطے دور کی طرف مائل ہوتے ہیں۔
۵- و کی گرہ دبتی نہیں ہے۔ نچلا حصہ را سے مشابہ ہوتا ہے۔
۶- آخری تا مربوطہ ہوتی ہے۔
۷- لام الف مرکب لا کی طرح لکھا جاتا ہے۔

ابن مقلہ نے قلم کی گرفت کے متعلق بھی چند ہدایات دی ہیں۔ خط نسخ کے قلم کا قط محرف (ٹیڑھا) ہوتا ہے۔

۱- حروف عمودی لکھتے وقت قلم کی دونوں زبانوں (دندانوں) پر برابر کا دباؤ رہنا چاہیئے۔
۲- جن حروف میں حرکت داہنے سے بائیں جانب ہو ان میں قلم قدرے بائیں طرف مائل ہونا چاہیئے۔
۳- جن حروف میں حرکت بائیں سے داہنے جانب ہو، ان میں قلم قدرے داہنی طرف مائل ہونا چاہیئے۔
۴- شوشہ قلم کے داہنے دندانے سے بنانا چاہیئے۔
۵- نقطہ قلم کے دونوں دندانوں سے بنانا چاہیئے۔
۶- دائرۂ نون بناتے وقت قلم کا زور بائیں دندانے پر ہونا چاہیئے۔
۷- دائرۂ جیم بناتے وقت قلم کا زور داہنے دندانے پر ہونا چاہیئے۔

خط نسخ ایک مکمل، منظم اور معتدل خط ہے۔ اس خط میں حروف اور کلمات بالکل واضح ہوتے ہیں کسی قسم کا شک اور الجھاؤ نہیں پیدا ہوتا۔ خاص طور پر جب حروف پر اعراب لگا دیئے جائیں۔ اسلامی خطوط میں اس سے زیادہ کامل کوئی دوسرا خط نہیں ہے۔ اس خط میں ثلث محقق اور ریحان کی خصوصیات جمع ہو گئی ہیں۔ مگر اس کے باوجود خط میں یک رنگی اور یکسانیت پائی جاتی ہے۔ خطِ محقق کے مقابلے میں حروف زیادہ بارونق ہیں۔

خط نسخ میں نصف حصہ دور ہے اور نصف حصہ سطح ہے۔ قدیم نسخ خط ثلث سے متاثر تھا۔ لیکن جدید نسخ (ایران میں تبریزی خطاط کے بعد سے) خطِ نستعلیق سے متاثر ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خطِ نسخ دراصل خطِ ثلث ہی ہے۔ صرف حروف کی پیائش کا اور قلم کی روانی کا فرق ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ خط ثلث کے مقابلے میں خط نسخ میں قلم سرعت کے ساتھ رواں ہوتا ہے۔ خط نسخ میں حروف کی رونق اور ان کا جمال بھی بہت زیادہ ہے۔ خط نسخ خواہ کاغذ پر لکھا جائے، خواہ دھات پر لکھا جائے، پتھر پر، دیوار پر، لکڑی پر لکھا جائے۔ اس کی حسن و خوبصورتی بدستور باقی رہتی ہے اور سہولت سے لکھا جاتا ہے۔ آہنی طباعت کے لئے بھی خط نسخ سب سے بہتر ہے۔

انہی خوبیوں کے باعث خط نسخ بتدریج ہر جگہ غالب آ گیا اور خط کوفی کو میدان خالی کرنا پڑا۔ عہد اتابکیہ (چھٹی ساتویں صدی ہجری) میں خط نسخ نے بڑا فروغ پایا ہے۔ عہد ایوبی میں یہ مصر و شام کا مقبول عام خط بن گیا۔ چھٹی صدی ختم ہوتے ہوتے خط کوفی کا دور ختم ہو گیا۔ قرآن مجید کی کتابت کے لئے تو خط نسخ ایسا لازم و ملزوم ہو گیا ہے کہ آج تک کوئی دوسرا خط قرآن مجید کی کتابت میں استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔

خط نسخ کے ساتھ ساتھ ابن مقلہ نے حروف کی ترتیب بھی تبدیل کر ڈالی۔ اس نے ہم شکل حروف کو یکجا کر دیا۔ اس کی یہ ترتیب اتنی مقبول ہوئی کہ آج سارے بلاد اسلامیہ سے ابجد کی ترتیب ختم ہے اور ہر جگہ ابتث کی ترتیب رائج ہے۔

قدیم ترتیب یہ تھی، ا ب ج د، ہ و ز، ح ط ی، ک ل م ن، س ع ف ص، ق ر ش ت، ث خ ذ، ض ظ غ،

خلیل بن احمد فراہیدی نے ترتیب حلقی رائج کرنا چاہی تھی مگر وہ مقبول نہ ہو سکی۔ وہ یہ تھی۔ ع ح ہ، خ غ ق، ک ح ش ض، ص س ز ط د ت، ظ ذ ث، ر ل ن ف، ب م ء ی و۔

ابن مقلہ نے موجودہ ترتیب رائج کی۔ ا ب ت ث، ج ح خ، د ذ، ر ز، س ش، ص ض، ط ظ، ع غ، ف ق، ک ل م ن و ہ ء ی۔

عالمِ اسلام کے مشرقی حصے میں تو یہ ترتیب بعینہ قبول کر لی گئی اور آج تک رائج ہے مگر عالم اسلام کے مغربی حصے (افریقہ مراکش) میں یہ ترتیب ترمیم کے ساتھ قبول کی گئی ہے۔ ان کی ترتیب یہ ہے۔ ا ب ت ث، ج ح خ، د ذ ر ز، ط ظ، ک ل م ن، ص ض، ع غ، ب۔ ف ڧ۔ ڧ (کے نیچے ایک نقطہ ہے اور ق کے اوپر ایک نقطہ ہے) س ش، ہ و ء لا ی۔

بہر حال طلبہ پر اور نو آموز لوگوں پر ابن مقلہ نے بڑا احسان کیا ہے۔ ہم شکل حروف کو یکجا کر کے ان کے لئے سہولت پیدا کر دی ہے۔

☆ ابو علی ابن مقلہ

تمام قدیم مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ خط نسخ کو وزیر ابو علی ابن مقلہ نے اختراع کیا۔ یہ اپنے زمانے کا نادرہ

روز گار شخص تھا۔ عربی رسم الخط کی تاریخ میں کوئی دوسرا خطاط قدرت فن میں اس کی ہمسری نہیں کر سکتا۔

اس کا پورا نام ابو علی محمد بن علی بن الحسین بن مقلہ تھا۔ مقلہ اس کی دادی پڑدادی تھی۔ جب وہ چھوٹی سی بچی تھی تو اس کا باپ اس کو کھلا رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ ''مقلۃ ابیھا'' نور چشم پدر۔ اس وقت سے وہ مقلہ مشہور ہوگئی اور اس کی اولاد ابن مقلہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ ابن مقلہ شوال ۲۷۲ھ میں بغداد میں پیدا ہوا تھا۔ اور ۳۲۸ھ میں اس نے وفات پائی۔ اس نے علومِ متداولہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ فقہ، تفسیر، قرأت اور ادبیات میں ماہر تھا۔ وہ شعر بھی کہتا تھا۔ انشاء اور مراسلت کا ماہر تھا۔

آغازِ کار میں وہ دفتر مال (دیوانی) میں چھ دینار مشاہرے پر ملازم تھا۔ ایران کے کسی حصے میں تھا۔ پھر وہ ابی الحسن ابن فرات کا ملازم ہو گیا اور بغداد آ گیا۔ یہاں اس کے جوہر کھلے اور اس کی قدر دانی بھی ہوئی۔ کہتے ہیں روم و عرب کی جنگ کے بعد صلح نامہ اس نے اپنے قلم سے لکھ کر روم بھیجا تھا۔ وہ ہاں آرٹ کے شاہکار کی حیثیت سے مدتوں شہنشاہ روم کے خزانے میں رکھا رہا۔

وہ عجیب و غریب شخصیت کا مالک تھا۔ وقت کی سیاست میں پوری طرح دخیل تھا۔ وہ خلیفہ مقتدر باللہ کے زمانے میں ۳۱۶ھ میں وزیر مقرر ہوا اور تین سال تک وزیر رہا مگر پھر معتوب ہوا اور وزارت سے معزول ہو گیا، لیکن جب قاہر باللہ (۳۲۰-۳۲۲ھ) خلیفہ بنا تو تخت پر متمکن ہونے کے ساتھ ہی قلمدان وزارت ابن مقلہ کے سپرد کر دیا۔ لیکن محلاتی سازشوں میں پھنس کر وزارت سے معزول کر دیا گیا، لیکن جب راضی باللہ (۳۲۲-۳۲۹ھ) خلیفہ بنا تو اس نے پھر ابن مقلہ کو اپنا وزیر بنالیا، مگر جلد ہی وہ اس سے سخت ناراض ہو گیا۔ اس کے حریف ابن رائق کو خلیفہ کے مزاج پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ خلیفہ نے ابن مقلہ کو قید خانے میں ڈلوا دیا۔ وہاں اس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ پھر اس کی زبان کٹوادی اور بالآخر اس عذاب میں ۳۲۸ھ میں اس کو قتل کرا دیا۔ ہاتھ کاٹے جانے کے بعد اس نے کہا۔

> ''جس ہاتھ سے تین بار تین خلفاء کی خدمت کی اور دوبار قرآن مجید لکھا وہ چوروں کی طرح کاٹا گیا۔''

اس کی لاش کو سلطانی مقبرے میں دفن کیا گیا۔ پھر اس کا لڑکا ابوالحسین لاش نکلوانے کے لئے اجازت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور جسد کو اس نے گھر میں لا کر دفن کیا۔ کچھ دن بعد اس کی ایک آزاد کردہ کنیز دیناریہ نے وہاں سے بھی لاش کو نکلوایا اور اپنے محل قصر ام حبیب میں دفن کرایا۔

خط کی تعلیم اس نے استاد احول سے حاصل کی جو ابراہیم شجری کا شاگرد تھا۔ اس سے قبل حروف کی ساخت نہیں تھی۔ یہ خود علم ہندسہ کا ماہر تھا۔ اس نے حروف کی پیمائش کے قواعد مقرر کئے۔ جو تقریباً آج تک بدستور قائم ہیں۔ حروف کی پیمائش کے لئے اس نے الف کو پیمانہ مقرر کیا۔ اس کے قائم کردہ قواعد پر آگے چل کر ابن عبدالسلام نے بعض اضافے کئے ہیں۔ قطبۃ المحرر نے جو کام شروع کیا تھا ابن مقلہ نے اس کو مکمل کر دیا۔ اس نے پیچیدہ خط کوفی کو علمی اور فنی حیثیت سے مدون کیا اور ایک حسین خط میں تبدیل کر دیا۔ مختلف خطوط کی دستہ بندی اس نے کی ہے۔ تمام خطوط کو اس نے مہذب اور مدون کیا۔

کوفی، محقق، ریحان، توقیع، رقاع، ثلث، اور خط بدیع یا نسخ تو اس کا خاص خط ہے۔ اگر وہ پہلے سے موجود بھی تھا تو لاعلمی اور گمنامی میں تھا۔ مقلہ نے خط نسخ مشہور و معروف خط بنایا ہے۔ ہاتھ کاٹے جانے کے بعد وہ کلائی پر قلم باندھ کر لکھتا تھا اور خوب لکھتا تھا۔

تمام مؤرخین اور ماہرین خط کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس جیسا ماہر خط کوئی دوسرا پیدا نہیں ہوا۔ (۱) خوش نویسی کے تمام اساتذہ ابن مقلہ کی عظمت کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کی خدمت میں نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ ثعالبی، زمخشری، صاحب ابن عباد وغیرہ نے اپنے اشعار میں ابن مقلہ کا نام بطور ضرب الامثال کے لیا ہے۔ عربی شاعر کہتا ہے ؎

فصاحته سحبان، و خط ابن مقله
و حكمته لقمان و زهد ابن ادهم
اذا اجتمعت فی المرء وَالمرءُ مفلس
فليس له قدر بمقدار درهم

"جس انسان میں سحبان کی فصاحت، ابن مقلہ کا خط، لقمان کی حکمت، ابراہیم بن ادھم کا زہد جمع ہو جائیں، اور خواہ وہ شخص مفلس ہو تو اس کی قدر و منزلت کا اندازہ درہم و دینار سے نہیں لگایا جاسکتا۔"

فارسی شاعر کہتا ہے ؎

خطے چناں کہ اگر ابن مقلہ زندہ شود
تراشہ قلم تو بمقلہ بر دارد

"تیرا خط اتنا حسین ہے کہ اگر ابن مقلہ بھی زندہ ہو کر آجائے تو تیرے قلم کے تراشے کو پلکوں سے اٹھائے۔"

شیخ ابراہیم ذوق کہتے ہیں ؎

وہ روشنی ترے خط میں کہ ابن مقلہ اگر
لگائے آنکھوں سے سرے کی جا تری تحریر
تو ہو یہ نور بصارت کہ پڑھ لے حرف بحرف
جو نہ ہووے لوح جبیں پر نوشتہ تقدیر

افسوس اس کے ہاتھ کی اس کے دستخطوں کے ساتھ کوئی تحریر آج دنیا میں موجود نہیں ہے۔

۱- ابو عبداللہ بن الزنجی الکاتب نے ہمیں بتایا کہ "وہ (ابن مقلہ) خطاطی میں پیغمبر ہے۔ جس کے ہاتھ پر لکھنا اس طرح نازل گیا ہے جس طرح شہد کی مکھیوں پر چھتہ بنانا وحی کیا گیا ہے۔" علم الکتابت، ابو حیان توحیدی، ۴۱۴ھ، اردو ترجمہ عبداللہ چغتائی، کتاب خانہ نورس، لاہور، ص ۱۶، ۱۹۶۲ء

ابو عبداللہ حسن بن علی مقلہ، اس کا بھائی بھی بڑا کاتب تھا۔ وہ ۲۷۸ھ میں پیدا ہوا تھا اور ۳۳۸ھ میں فوت ہوا۔ یہ بھی ماہر کاتب تھا۔ اس کی اولاد میں بھی فنِ خطاطی ایک دو نسلوں تک متوارث چلتا رہا، مگر جو شہرت ابو عبداللہ ابن مقلہ نے پائی وہ پھر کسی کو نہ مل سکی۔ بیٹوں پوتوں کے علاوہ اور بہت سے لوگ اس کے شاگرد تھے۔ جن میں اسمٰعیل بن حماد جوہری فارابی ۳۹۳ھ مؤلف الصحاح فی اللغۃ ہے۔ ابو اسحاق ابراہیم بن ہلال الصابی مؤلف کتاب التاج در تاریخ دیالمہ ہے۔ شمس المعالی قابوس بن دشمگیر مؤلف قابوس نامہ ہے مگر ابن مقلہ کے معروف ترین شاگرد دو تھے۔ محمد بن سمسانی ۴۱۵ھ اور محمد ابن اسد بغدادی ۴۱۰ھ۔ ان دو شاگردوں کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ ان کے دامنِ تربیت کے زیرِ اثر تاریخ کا دوسرا مشہور و معروف خطاط ابن بواب پیدا ہوا۔

ابن مقلہ کے ہاتھ کی تحریر، ابتدائی خطِ نسخ

☆ ابن بواب

ابوالحسن علی بن ہلال معروف بہ ابن بواب قرن چہارم ہجری کے نصف ثانی میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ آل بویہ (۳۲۰-۴۴۷ھ) کے یہاں دربان تھا۔ اسی وجہ سے اس کو ابن بواب اور ابن استری (استر۔ پردہ) کہتے ہیں۔ ابن بواب نے اصلاً خطاطی کی تعلیم ابو عبداللہ محمد بن اسد بغدادی سے حاصل کی۔ دوسرے اساتذۂ فن سے بھی اکتسابِ فیض کیا اور پھر خود بہت محنت اور ریاضت کی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے زمانے کا ممتاز خطاط بن گیا۔ جس کی استادی کو بعد میں آنے والے تمام قلم کاروں نے تسلیم کیا۔

اس کی فنی لیاقت کی بناء پر بہاء الدولہ (۳۸۸-۴۰۳ھ) کے وزیر فخر الملک ابو طالب نے ابن بواب کو اپنا ندیم بنالیا،

اور کسی مجلس میں اس کو اپنے سے جدا کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ یہ کچھ عرصہ تک بہاء الدولہ کے کتب خانہ کا کتاب دار (لائبریرین) بھی رہا۔ اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ بہاء الدولہ نے کتب خانے سے ابن مقلہ کا قرآن شریف طلب کیا۔ یہ قرآن مجید مکمل نہ تھا۔ آخری پارہ اس میں موجود نہیں تھا۔ کہیں گم ہو گیا تھا۔ بہاء الدولہ کے حکم پر ابن بواب نے آخری پارہ لکھ کر قرآن مجید کو مکمل کرالیا۔ بہاء الدولہ خود بھی خط کا بڑا نقاد تھا۔ مگر وہ یہ تمیز نہ کر سکا کہ ابن مقلہ کا خط کون سا ہے اور ابن بواب کا خط کون سا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ابن بواب کتنا قادر الخط قلم کار تھا۔ ابن بواب کا انتقال جمادی الاولی ۴۱۳ ہجری میں ہوا ہے۔

نقادوں کا خیال ہے کہ قواعد سازی اور ضابطہ سازی کا جو سلسلہ خط میں ابن مقلہ نے جاری کیا تھا اس کو ابن بواب نے تکمیل تک پہنچا دیا۔ پھر ان قواعد اور ضوابط کے مطابق خطوط کی تہذیب اور تکمیل کی۔ ابن مقلہ کے یہاں تو کہیں کہیں جھول اور خامی نظر آجاتی ہے۔ مگر ابن بواب کے یہاں نظر نہیں آتی۔ اس نے تمام نقائص دو کر دیئے۔ حتی کہ لوگوں میں ابن مقلہ کی بجائے اب ابنِ بواب کی روش کو ہی مقبولیت عامہ حاصل ہو گئی۔

بلا شبہ وہ اپنے دور کا ماہر خطاط تھا جس کی عظمت کا سب نے اعتراف کیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے ۶۴ مرتبہ قرآن شریف کی نقل کی ہے۔ ابن مقلہ اور اس سے قبل کے تمام خطاطوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر تو آج دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے۔ لیکن ابن ابواب کے آثار تحریر آج بھی دنیا کے کتب خانوں اور عجائب خانوں میں موجود ہیں۔ ایک قرآن مجید خط نسخ میں لکھا ہو چیسٹر بیٹی (۱) کے عجائب گھر واقع لندن میں موجود ہے۔ جس پر ۳۹۱ھ سن درج ہے۔ ایک اور قرآن مجید جامع سلطان سلیم اول استنبول میں محفوظ ہے۔

اس کے مرنے پر مختلف لوگوں نے مرثیے کہے ہیں۔ جن میں نقیب الاشراف سید مرتضٰی موسوی (۴۳۶ھ) کا مرثیہ بھی شامل ہے۔ شعراء ابن بواب کے خط کو بطور تشبیہ استعمال کرتے ہیں۔ اس کا خط حسن ورعنائی میں ضرب المثل تھا۔ ابوالعلا معری کہتا ہے ۔

ولاح هلال مثل نون اجادها
بماء النضار الكاتب ابن هلال

ماہ رجب کے ہلال کو نون سے تشبیہ دی گئی ہے جس کو کاتب ابن بواب نے سونے کے پانی سے لکھا ہے۔

صاحب انیس العشاق کہتا ہے ۔

از خط و سواد ابروانت بمثال

۱-ڈی۔ ایس رائس نے ۱۹۵۵ء میں ابن بواب کے اس یگانہ قرآن مجید کو بڑی آب و تاب کے ساتھ لندن سے شائع کر دیا ہے۔ پنجاب میوزیم لاہور نے اس کو حاصل کر لیا ہے۔

عاجز شود ابن مقلہ و ابن ھلال

ابن بواب کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن میں سے مشہور عالم ابوالفرج ابن جوزی (۵۹۷ھ) ابو علی جوینی (۵۸۴ھ) اور یاقوت مستعصمی نے سب سے زیادہ شہرت پائی ہے۔

☆ یاقوت مستعصمی

ابن بواب کے بعد جمال الدین یاقوت مستعصمی پیدا ہوا جو قِبلۃ الکُتّاب کہلاتا ہے۔ جس پر تجویدِ خطِ کی ریاست کا خاتمہ ہوگیا۔ یاقوت آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ (۶۴۰-۶۵۶ھ) کا غلام تھا۔ خلیفہ نے اس کی تعلیم اور تربیت میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ وہ بڑا ادیب، عالم، فاضل اور شاعر تھا۔ یاقوت مدرسہ مستنصریہ کے کتب خانے میں کتاب دار تھا۔ یاقوت نے ابن بواب کے دو شاگردوں عبدالمومن اور شیخ حبیب کے سامنے خط کی مشق کی۔ خلیفہ مستعصم یاقوت کو بہت ہی عزیز رکھتا تھا۔ وہ اس کا کاتب دیوان تھا۔ جب ہلاکو خان کے ہاتھوں بغداد تباہ و غارت ہوا تو وہ بچ نکلا تھا اور اتابک علاء الدین جوینی کے دربار سے وابستہ ہوگیا تھا۔ دور دور سے امراء اپنے بچوں کو خط کی تعلیم دلانے کے لئے اس کے پاس بھیجتے تھے۔ اس کی وفات ۶۹۸ھ میں ہوئی ہے۔ بغداد میں امام احمد بن حنبلؒ کے جوار میں وہ دفن ہوا ہے۔

اس کو اپنے فن سے عشق تھا۔ ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خان نے بغداد کا قتل عام کرایا۔ خون کے دریا بہہ گئے۔ یاقوت ایک ویران شکستہ مسجد میں جاکر چھپ گیا۔ قلم دوات تو ساتھ تھی، البتہ کاغذ پاس نہ تھا۔ دنیا کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے مگر یاقوت کو اپنی مشق کی فکر تھی۔ اس نے اپنی دستار کو کاغذ بنا کر اس پر لکھنا شروع کردیا۔ دستار کو مینار سے باندھ کر پھیلالیا۔ کمال یہ دکھلایا کہ دو بالشت موٹے حروف (۱۸انچ) لکھنے شروع کردیئے اور اس شان سے لکھا کہ کپڑے کی لکھائی اور کاغذ کی لکھائی میں فرق معلوم نہ ہو۔ اسی زمانے میں ایک شاگرد نے آکر کہا بغداد میں قتل عام ہو رہا ہے۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے ہیں، جلدی سے بھاگئے، جان بچایئے، یاقوت نے جواب دیا۔

> ''خاموش! میں نے ایسا لکھا ہے کہ تمام دنیا اس کی قیمت نہیں بن سکتی۔ بغداد اور یاقوت کس گنتی شمار میں ہیں۔'' (۱)

اس کے زمانے سے شش قلم کا نام کتابوں میں آتا ہے۔ ثلث، نسخ، ریحان، محقق، توقیع، رقاع۔ کوئی شخص ماہر کاتب نہیں قرار دیا جاتا تھا، جب تک کہ وہ ان چھ خطوں میں مہارت کامل حاصل نہ کرلے۔ یاقوت ان تمام خطوں کا ماہر تھا۔ البتہ بعض نقادوں کا خیال ہے کہ خط ثلث اور خط ریحان سب سے بہتر لکھتا تھا۔ قوانین خط کو اس نے اپنے ایک شعر میں جمع کردیا ہے۔

اصول و ترکیب کراس و نسبۃ
صعود و تشمیر نزول و ارسال

۱- صحیفہ خوش نویساں، ص ۱۸۷،

بہر کیف اس نے فنِ کتابت اور تجدیدِ خط کو ابن بواب سے آگے بڑھایا۔ ترک خطاط اس کو قبلۃ الکتاب کا لقب دیتے ہیں۔

یاقوت کے ہاتھ کے لکھے ہوئے آثار دنیا کے بہت سے عجائب گھروں میں ملتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس نے ۳۶۴ مرتبہ مکمل قرآن مجید کے نسخے لکھے۔ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک سالم نسخہ حال ہی میں کراچی کے عجائب خانے نے پچاس ہزار روپے میں ایک شخص سے خریدا ہے۔ یہ نسخہ امیران سندھ کے کتب خانے میں رہ چکا ہے۔ قسطنطنیہ، قاہرہ، لندن میں بھی اس کے تحریر کردہ نسخے موجود ہیں۔(۱)

لوگوں نے اس کی تعریف میں بہت سے اشعار کہے ہیں۔ مثلاً ؎

کاملے باید کہ در یابد اصول خط نیک
ورنہ ہر ناقص نداند شیوۂ یاقوت چیست

وہ خود شاعر تھا۔ ایک جگہ اپنے متعلق کہتا ہے ؎

فان کانت خطوط الناس عینا
فخطی فی عیون الخط مقلہ

اگر لوگوں کا خط چشم (آنکھ) کی مانند ہے تو پھر میرا خط آنکھ کی پتلی ہے۔

سقوطِ بغداد اگرچہ ایک قیامت تھی، مسلمانوں کا سیاسی زوال اور معاشی تباہی تھی مگر حسن خط کی قدردانی کا بازار اسی طرح گرم رہا۔ اس کی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یاقوت کے شاگردوں نے اس طریقے (شیوہ) کو مقبولِ عام بنا دیا۔ یاقوت کے پانچ شاگردوں نے بہت شہرت پائی اور انہوں نے شیوۂ یاقوت کو عام کر دیا۔

۱- ارغون بن عبداللہ کاملی

اصلاً ایرانی مگر بغداد میں رہتا تھا۔ مدرسہ بغداد پر کتبات اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ طہران، قسطنطنیہ، انجمن ترقی اردو ہند میں اس کے آثار تحریر موجود ہیں۔ اس کا انتقال ۷۴۰ھ کے قریب ہوا ہے۔

۲- یوسف مشہدی

اس نے بہت سے شاگرد پیدا کئے۔ استاد کے طریقے کو عام کیا۔ اس کا تحریر کردہ قرآن مجید مسجد آیا صوفیہ ترکیہ میں موجود ہے۔ جس پر ۶۶۸ھ کی تاریخ درج ہے۔ اس کا انتقال ۷۰۰ھ کے قریب ہوا ہے۔

۱- یاقوت مستعصمی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قرآن مجید خدا بخش لائبریری بانکی پور، پٹنہ، بہار، ہندوستان میں موجود ہے اس پر شاہ جہاں بادشاہ اور عالمگیر بادشاہ کی مہریں ہیں۔ شاہ جہاں کی مہر کے نیچے لکھا ہوا ہے۔ "سی صد و پنجاہ روپیہ" باقیات شبلی ص ۴۲، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۵ء، یاقوت مستعصمی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قرآن مجید ذخیرہ نوادرات سر سالار جنگ حیدر آباد دکن میں موجود ہے۔ اس پر شہنشاہ جہانگیر کی مہر ہے، الزبیر، کتب خانہ نمبر، ص ۱۲۲،

۳- مبارک شاہ تبریزی، زرین رقم

مزار نجف اشرف پر سلطان جلائر (۷۵۶-۷۷۶ھ) کے حکم سے اس نے کتبات لکھے ہیں۔ اس کے قطعات قسطنطنیہ میں موجود ہیں۔ اس کا انتقال ۷۶۰ھ کے قریب ہوا ہے۔

۴- سید حیدر گندہ نویس

گندہ نویسی کے معنی ہیں خط جلی لکھنے والا۔ کہتے ہیں اس دور میں خط جلی اس سے بہتر لکھنے والا کوئی دوسرا نہیں تھا۔ بڑے بڑے لوگ اس کے شاگرد تھے۔ ان میں مشہور ترین عبداللہ صیرفی ہے۔

۵- شیخ زادہ سہروردی بغدادی

بغداد میں اکثر کتبات اس کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ یہ شش قلم کا ماہر تھا۔ اس کے لکھے ہوئے قرآن مجید ایران اور ترکی میں موجود ہیں۔
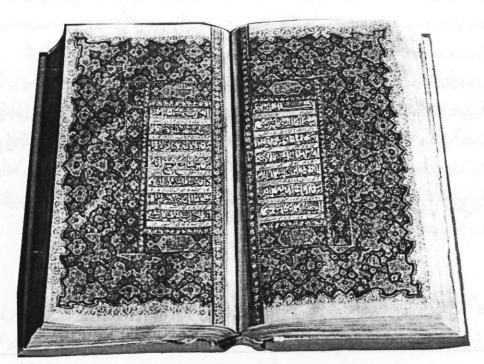
قرآن مجید کا قلمی نسخہ، خط نسخ میں، فارسی ترجمے (خط نستعلیق) کے ساتھ، ہر صفحے پر خوبصورت نقش و نگار بنائے گئے ہیں، ۱۲/ صدی ہجری کا شہکار، کراچی عجائب گھر میں موجود ہے۔
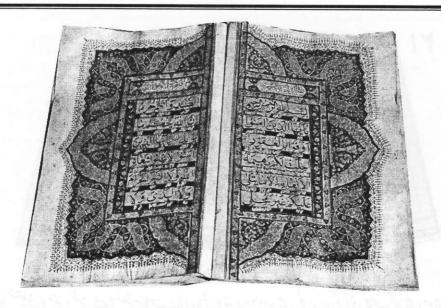
فارسی ترجمے (خط نستعلیق) کے ساتھ خط نسخ میں قرآن کریم کا مطلا نسخہ، بہ قلم محمد مختار بن میر حبیب اللہ ۱۲۵۸ھ میں تحریر کیا گیا۔ کراچی عجائب گھر میں موجود ہے۔

۱۱۹۰ھ میں تحریر کیا جانے والا خط نسخ کا ایک اور مطلا نسخہ، بہ قلم تجلی علی شاہ، کراچی عجائب گھر میں موجود ہے۔
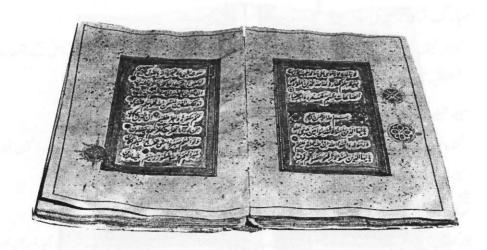
خط نستعلیق کا منفرد نسخہ جسے نامعلوم کاتب نے زرپاش کاغذ پر ۱۰۶۰ھ میں تحریر کیا، کراچی عجائب گھر میں موجود ہے۔

باب ۱۶

متعلقات خط و کتابت

سلطنت بنی عباس کا خاتمہ (۱) (۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء) صرف ایک حکومت کا خاتمہ نہ تھا، بلکہ عباسی دور میں زندگی کا جو نہج تھا۔ علوم و فنون کا جو انداز تھا۔ تہذیب و تمدن کا جو عروج تھا اور خاص امتیاز تھا۔ ان سب کا خاتمہ تھا۔ تاریخ نے ایک نیا ورق الٹ دیا۔ اب علوم و فنون اور تہذیب و تمدن ایک نئے انداز سے مرتب ہوئے۔ نئے حکمران تھے ان کے ذوق کے مطابق تہذیب و فنون نے ترقی کی۔ تمدن کے تمام مظاہرات سے تو فی الوقت ہمیں بحث نہیں ہے۔ فن خطاطی کا ارتقاء ہم سابقہ ابواب میں بیان کر چکے ہیں- یہاں ہم کتابت سے متعلق اشیاء کا تذکرہ کرتے ہیں۔

☆ رق (کھال)

اس دور میں کھال کا استعمال بطور کاغذ کے ختم نہیں ہوا۔ شمالی افریقہ میں نہ تو مصری طرز کا قرطاس ملتا تھا چونکہ وہاں بردی گھاس پیدا نہیں ہوتی ہے اور نہ چینی طرز کا کاغذ مہیا تھا۔ اس لئے وہاں قدیم طریقے پر رق استعمال ہوتا تھا۔ یہ ہرن کی کھال کی جھلی ہوتی ہے۔ قیروان کی جامع عقبہ میں جو قدیم ذخیرہ کتب موجود ہے، وہ سب کا سب ہرن کی کھال پر ہے۔ مشہور سیاح مقدسی نے احسن التقاسیم میں لکھا ہے کہ ۳۷۵ھ تک افریقہ میں کاغذ نہیں ہے، رق (کھال) استعمال کرتے ہیں۔

مشرقی ممالک سے بھی رق کا استعمال بالکل متروک نہیں ہوا تھا۔ بعض لوگ احتراماً قرآن مجید کی کتابت رق پر کرتے تھے۔ رق (کھال) چونکہ دیرپا ہوتی ہے۔ اس لئے قانونی تحریرات بیع و معاہدات کی تحریریں رق پر لکھتے تھے۔ لیکن عام تحریروں میں یہ استعمال نہیں ہوتا تھا۔

۱۔ سقوط بغداد کی تاریخ، ۴ر صفر ۶۵۶ ہجری، مطابق ۱۰ فروری، ۱۲۵۸ء بروز اتوار،

☆ قرطاس

زیادۃ اللہ اغلبی کے زمانے میں مسلمانوں نے (۲۱۳ھ / ۸۲۷ء) صقلیہ پر قبضہ کر لیا۔ وہاں مصر کی طرح بردی گھاس پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے وہاں مسلمانوں نے بردی سے قرطاس بنانے شروع کر دیئے، مگر اس قرطاس پر پہلے تو اغالبہ (۱۸۴-۲۹۶ / ۸۰۰-۹۹۰ء) قبضہ کر لیتے تھے اور سرکاری کاموں میں استعمال کرتے تھے۔ پھر ان کی جگہ فاطمی خلفاء برسر اقتدار آگئے۔ تو ان کا طرز عمل بھی وہی رہا۔ سارا قرطاس حکومت کے قبضے میں آجاتا تھا۔ اس کا بالواسطہ ایک نقصان یہ ہوا کہ افریقہ میں قرطاس نہ عام ہو سکا نہ سستا۔ اس وجہ سے کتاب سازی میں اور علوم و فنون کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ یہی باعث ہے کہ اس دور میں جو علمی سرگرمی مشرقی ممالک میں نظر آتی ہے وہ افریقی ممالک میں نظر نہیں آتی۔

مصر میں البتہ قرطاس کا کاروبار بدستور ترقی کرتا رہا۔ اس دور میں چند شہر قرطاس سازی کے بڑے مشہور مرکز تھے۔ مثلاً بنھا، بوصیر، سجنود، دھقلہ۔ ان شہروں میں کئی قسم کا قرطاس تیار ہوتا تھا۔ قرطاس کے ایک پورے تختے صفحے کو طومار کہتے تھے۔ بغدادی، شامی، مصری، طومار حجم اور طول میں قدرے مختلف ہوتے تھے۔ عام طور پر ایک گز (ذراع) کے برابر ہوتا تھا۔ واضح رہے کہ عربی ذراع ۱۰ گرہ یعنی ساڑھے ۲۲ انچ کے برابر ہوتا تھا۔

☆ کاغذ

کاغذ کی ایجاد اہل چین کی ہے۔ پھر چین سے ہی یہ صنعت ساری دنیا میں پہنچی ہے۔ عہد بنی امیہ میں اسلامیہ سلطنت کی سرحدیں چین سے ملتی تھیں۔ اس لئے عربوں کو اس صنعت کا علم ہوا۔ مگر چینی لوگ اس صنعت کو مخفی رکھتے تھے۔ تالاس کی جنگ میں جو (۷۲۳ء / ۱۰۵ھ) میں ہوئی۔ مشرقی صوبے کے والی زیاد بن صالح نے چینیوں کو شکست دی۔(۱) ہزاروں چینی

۱۔ چین میں ایک شخص زای لون Tsai Lun نے پہلی صدی عیسوی میں شہتوت کے درختوں کی چھال سے کاغذ بنایا تھا۔ یہ شخص ہانگ جاؤ کا باشندہ تھا۔ کاغذ کا چینی تلفظ Kukdz ہے۔ زیاد بن صالح کا واقعہ اللطائف المعارف میں ابو منصور ثعالبی نیسابوری (۹۶۱-۱۰۳۸) نے بیان کیا ہے۔ (عرب و چین کے تعلقات۔ مولوی بدر الدین چینی، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی ۱۹۴۹ء)

طباعت: چین میں فن طباعت کا طریقہ بڑا اہم تھا۔ کتابوں کو محفوظ رکھنے کا طریقہ اس سے بھی زیادہ اہم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ چینی کتابوں میں تحریف، تصحیف یا الحاق کا کام ہی نہیں ہے۔ تاتاری سلطان غازان خاں کے درباری شاعر ابو سلیمان داؤد البناکیتی (۷۱۱ھ / ۱۳۱۷ء) نے تاریخ البناکیتی میں اس کی تفصیل لکھی ہے۔ وہ لکھتا ہے!

> ”چین میں ہر کتاب کا ایک نسخہ شاہی کتب خانے میں محفوظ رکھا جاتا ہے۔ پہلے ماہر خطاط سے ورق بہ ورق چوبی تختے پر نقل کراتے ہیں۔ علماء اس نقل پر ذمہ داری سے نظر ثانی کرتے ہیں اور تختے کے دوسرے حصے پر اپنے دستخط ثبت کرتے ہیں۔ اس کے بعد نقاش منقولہ نسخے کو لکڑی پر کندہ کرتے ہیں۔ جب تختوں پر اس رخ کتاب کندہ ہو جاتی ہے تو پھر تختوں پر نمبر ڈالے جاتے ہیں پھر ان تختوں کو یعنی اس کتاب کو صندوق میں بند کر کے مہر بند کر دیا جاتا ہے۔ (بقیہ اگلے صفحے پر)

جنگی قیدی بن گئے۔

زیاد بن صالح والی خراسان نے ان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ جو شخص کسی مسلمان کو کاغذ بنانے کا طریقہ سکھادے گا اس کو رہائی مل جائے گی۔اس طرح بہت سے مسلمانوں نے کاغذ بنانے کا طریقہ چینیوں سے سیکھ لیا۔وہاں سے یہ فن پھر بغداد پہنچا۔

عام روایت وہی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ بشار مقدسی نے اپنے سفر نامے احسن التقاسیم (۳۷۵ھ) میں لکھا ہے کہ کاغذ بنانے کا طریقہ عہد بنی امیہ میں رائج ہو چکا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ خراسان میں کتان (السی) سے کاغذ بنایا جاتا تھا اور یہ صنعت یہاں عہد بنی امیہ سے جاری ہے۔

بغداد میں اس صنعت کو فروغ دینے والا فضل بن یحییٰ برمکی (۱۴۹-۱۹۳ھ) ہے۔ وہ ہارون الرشید کی طرف سے شمالی صوبہ، جرجان، طبرستان، رے، خراسان، والی تھا۔ قلقشندی نے لکھا ہے کہ ہارون الرشید (۱۷۰-۱۹۳ھ) نے کھال (رق) پر لکھنے سے انکار کر دیا تھا۔ کھال کی تحریر کو چھیل کر آسانی سے مٹایا جاسکتا تھا۔ وہ صرف کاغذ پر لکھنے پر اصرار کرتا تھا۔ بہر کیف ہارون کے زمانے میں برامکہ نے خاص طور پر اس صنعت کو متعارف کرایا۔ جلدی ہی یہ صنعت ساری اسلامی دنیا میں پھیل گئی۔ مسلمانوں کے ذریعے پھر یہ صنعت یورپ اور ایشیا کے تمام ملکوں میں پھیل گئی۔

کاغذ کی صنعت کا پھیلاؤ

۱-	چین میں کاغذ کی صنعت کا قیام	۱۰۵ء
۲-	مسلمانوں نے کاغذ بنانا سیکھا	۱۵۰ھ / ۷۶۷ء
۳-	بغداد میں کاغذ کا رواج ہوا	۱۷۸ھ / ۷۹۴ء
۴-	خراسان میں کاغذ کا کارخانہ	۸۰۰ء
۵-	اندلس میں کاغذ سازی کا زمانہ	۹۵۰ء
۶-	رومی سلطنت (قسطنطنیہ) میں کاغذ سازی	۱۱۰۰ء
۷-	اطالیہ میں صنعتِ کاغذ سازی کا قیام	۱۱۵۴ء
۸-	جرمنی میں صنعتِ کاغذ سازی کا قیام	۱۲۲۸ء

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) یہ صندوق معتبر علماء کی تحویل میں رہتا ہے۔اگر کوئی شخص اس کتاب کی نقل حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو علماء کی کمیٹی سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ پھر علماء کی موجودگی میں وہ صندوق کھولا جاتا ہے، اور لکڑی کے کندہ منقوشی تختوں سے چھاپ کر کتاب شخصِ مذکور کو دیدی جاتی ہے۔اس طرح کتابوں کی تحریف سے سخت حفاظت کی جاتی ہے۔"

۹- انگلستان میں صنعت کاغذ سازی کا قیام ۱۳۰۹ء(۱)

☆ قلم

اس دور میں نرکل کا واسطی قلم (۲) استعمال ہوتا تھا۔ تیز دھار والے قلم تراش (چاقو) سے اسے چھیلتے تھے۔ ہاتھی دانت کے ایک ٹکڑے پر رکھ کر قلم کو قط لگا دیتے تھے۔ اس کو قط زن یا مقطہ کہتے تھے۔ قلم کی زبان کو شگاف دیتے تھے۔ داہنی طرف کے حصے کو انسی اور بائیں طرف کے حصے کو وحشی کہتے تھے۔ خط ثلث دیوانی میں وحشی حصہ انسی حصے سے بڑا ہوتا تھا۔ مگر خط نستعلیق میں دو حصے برابر ہوتے تھے۔ خط کوفی اور تعلیق میں قط سیدھا ہوتا تھا اور خط نستعلیق میں محرف (ٹیڑھا) ہوتا تھا۔

☆ اصطلاحات فن کتابت

وزیر ابو علی ابن مقلہ اپنے رسالے میزان الخط میں لکھتا ہے!

"کاتب کو سات چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسا خط جو تحقیق کے ساتھ ممتاز ہو، جو تحدیق کے ساتھ آراستہ ہو، جو تعریق کے ساتھ باقاعدہ ہو، جو تخریق کے ساتھ مزین ہو، جو تشفیق کے ساتھ بہتر ہو، جو تدقیق کے ساتھ باقاعدہ ہو اور تفریق کے ساتھ ممتاز ہو۔"

کتابت کے یہ اصول ہیں۔ ہر کاتب کو ان پر پورا اترنا چاہئے۔ ابن مقلہ کے زمانے تک فن کتابت مدون ہو چکا تھا۔ اس کی اصطلاحات وضع ہو چکی تھیں اور مستحکم ہو چکی تھیں۔ ہر ماہر کاتب ان سے واقف ہوتا تھا، وہ یہ ہیں!

۱- **تحقیق**...... حروف خواہ مفرد ہوں یا مرکب پیائش کے مطابق لکھے جائیں۔ ضوابط کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔ ان کی انفرادی شان بہر حال برقرار رہنی چاہئے، اس کو تحقیق کہتے تھے۔

۲- **تحدیق**...... اس سے مراد حا خا اور جیم ہیں، یعنی بائیں دائرے والے حروف، ان کا جوف (پیٹ) بالکل صاف دکھائی دینا چاہئے۔ ان کا سر ہر حال میں نمایاں ہونا چاہئے خواہ یہ ترکیب میں ہوں۔

۳- **تحویق**...... اس سے مراد، ف اور ق جیسے حروف ہیں۔ ان کے سر گول ہیں اور گردن میں بھی گولائی ہے۔ ان کو اس طرح لکھنا چاہئے کہ ان کے اندر رونق پیدا ہو جائے۔

۱۔ تمدن عرب، از گستاولیبان، ترجمہ اردو از عماد الملک سید علی بلگرامی، ۲- چونکہ Calamies لفظ یونانی میں بھی پایا جاتا ہے، اس لئے تقدم زمانی کا خیال کرتے ہوئے مستشرقین یہ خیال کرتے ہیں کہ عربی لفظ یونانی سے ماخوذ ہے۔ یہ رائے سرسری مطالعے کی بناء پر قائم کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یونانی زبان میں یہ لفظ اور بعض دوسرے الفاظ آرامی سے داخل ہوئے ہیں۔ اور آرامی سامی النسل زبان تھی۔ یہ لفظ سامی زبانوں میں عام ہیں۔

۴- تخریق...... اس سے مراد ھ، ع اور غ ہیں۔ یہ حروف خواہ مفرد ہوں یا مرکب ان کی آنکھ بالکل واضح ہونی چاہئے۔ دُور سے صاف نمایاں نظر آئے۔

۵- تعریق...... اس سے مراد س ش ن ی دائرے والے حروف ہیں۔ ان کا پیٹ (علاقہ) بالکل صاف اور ایک ہی روش سے بنانا چاہئے۔

۶- تشقیق...... اس سے مراد ص، ض، ک، ط ظ وغیرہ ہیں۔ ان حروف کی گرہ اس انداز سے بنائی جائے کہ اندر کی سفیدی نمایاں نظر آئے۔

۷- تنمیق...... حروف کو اس طرح لکھنا کہ حروف خوبصورت اور حسین نظر آئیں۔

۸- توفیق...... کلمات میں توافق ہو، سطروں میں توافق ہو، کرسی سیدھی ہو۔

۹- تدقیق...... حروف کے وہ حصے جہاں خط کو باریک لکھنا چاہئے وہاں ضرور باریک لکھیں۔ خاص طور پر حروف لے دنبالہ۔ وہ باریک ہونا چاہئے۔

۱۰- تفریق...... حروف اس طرح بنائے جائیں کہ خلط ملط نہ ہوں۔ ہر حرف جداگانہ اور ممتاز نظر آئے۔(۱) دنبالہ حرف باریک بنانے کو خاص طور پر شنطبہ بھی کہتے ہیں۔

☆ کتب فن

اس دور میں فن خط اور خطاطی پر دو اعلیٰ پائے کی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں۔ جن سے اس دور کے خط میں واقع ہونے والے تغیرات کا حال بھی معلوم ہوتا ہے۔ اور اس دور کے خطاطوں اور فنکاروں کے حالات بھی معلوم ہوتے ہیں۔

(ا) شوق المستهام الى معرفة رموز الاقلام

یہ ابو بکر علی بن احمد بن وحشیہ نبطی کی تصنیف ہے۔

مصنف کا انتقال ۳۲۲ھ میں ہوا ہے۔ اس کا واحد نسخہ مکتوبہ ۱۱۶۶ھ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ وہاں کا نمبر یہ ہے۔ 440H17 مستشرق ہومر نے اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ۱۸۰۶ء میں لندن سے شائع کر دیا تھا۔ ترجمے کا نام یہ ہے۔

Ancient Alphabet and Hieroglaphic Characters By J. Homer.

اس کتاب میں قدیم مصری اور بابلی رسم الخط بھی دیئے گئے ہیں۔ غالباً اس کتاب کی مدد سے قدیم خط پڑھے گئے ہیں۔ اس لئے کہ کیمولین فرانسس نے ہیروغلیفی خط اس کتاب کی اشاعت کے بعد ۱۸۳۱ء میں پڑھا ہے، اور رالن سن انگریز نے خط مسماری بابلی ۱۸۳۵ء میں پڑھا ہے۔ اس کتاب کی نقل ناجی زین الدین عراقی نے لندن سے ۱۹۶۵ء میں حاصل کر لی ہے۔

۱- علم الکتابت، ابو حیان توحیدی (۴۱۴ھ) ترجمہ اردو ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، ص ۱۱-۱۳، ابو حیان نے یہ اقتباس ابن مقلہ کے رسالے میزان الخط سے لیا ہے۔ جس کا قلمی مخطوطہ مکتبہ عطارین، تونس میں آج بھی موجود ہے۔

قدیم خطوط کے علاوہ ابتدائے عہد اسلام کے خطوط کی بھی اس کتاب میں تفصیل موجود ہے۔

(۲) الفہرست

یہ محمد بن اسحاق ابن الندیم وراق متوفی ۳۸۰ھ کی تصنیف ہے۔ اس نے یہ کتاب ۳۷۷ھ میں لکھی تھی۔ ابن ندیم ایک وراق یعنی پیشہ ور کاتب تھا۔ ساری زندگی اس کو کتابوں سے اور علم سے واسطہ رہا۔ وہ ساری معلومات اس نے اس کتاب میں جمع کر دی ہیں۔ اپنے زمانے تک تحریر شدہ عالم اسلام کی ساری کتابوں کا حال اس نے لکھا ہے۔ یہ آسامی کتب کا ذخیرہ ہے اور نہایت مستند مرجع سمجھی جاتی ہے۔

اس کتاب میں اس نے دنیا میں رائج مختلف خطوں کا بھی ذکر کیا اور اسلامی خط، بعہد مطیع باللہ (۳۳۴-۳۶۳ھ) اور طالع باللہ (۳۶۳-۳۸۱ھ) تک کے حالات لکھے ہیں۔ ابتدائی معلومات خط کا یہ نہایت بیش قیمت ذخیرہ ہے جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اسلامی علوم و فنون کی تاریخ اس کتاب کے حوالوں کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یونان، مصر، ایران، ہند کی معلومات بھی اس نے جمع کی ہیں۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ لائپزک سے ۱۸۷۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ پھر قاہرہ مصر سے ۱۳۴۸/۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی۔ رضا تجدد ماز ندرانی نے اس کا فارسی ترجمہ ۱۲۴۳(ش) میں شائع کیا۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا محمد اسحاق بھٹی نے لاہور سے شائع کیا ہے۔ محقق کے لئے یہ کتاب بیش بہا ذخیرہ ہے۔

☆ شجرہ خطاطین
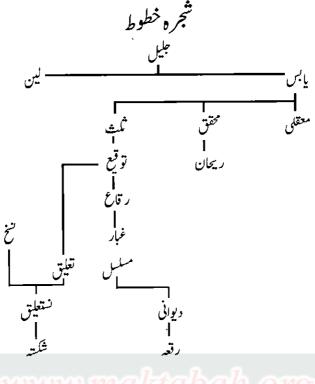
تحصیل علم میں اسناد کا سلسلہ قائم کرنا مسلمانوں کا خاص امتیاز ہے۔ قرآن مجید کی تجوید، حدیث کی روایت، کتاب کی روایت کی اسناد علماء کرام پیش کرتے ہیں۔ اسی اثر کے تحت خطاط بھی اپنے سلسلے کی اسناد پیش کرتے ہیں۔ مختلف بزرگ خطاطوں نے اپنے شجرے کتابوں میں درج کئے ہیں۔ بعض میں اغلاط بھی ہیں اور اسقام بھی ہیں۔ ان سب کو سامنے رکھ کر حبیب اللہ فضائلی نے ایک شجرہ مرتب کیا ہے۔ خاتمہ خلافت عباسیہ تک شجرہ کا حصہ یہاں درج کرتے ہیں۔ کس طرح مختلف ملکوں میں اس کی شاخیں گئی ہیں، اس کا تذکرہ ان ملکوں کے حالات کے ذیل میں بیان کریں گے۔

قطبہ محرر — کاتب عبدلملک

خالد بن ابی الھیاج — کاتب ولید بن عبدلملک

شعیب بن حمزہ — کاتب ہشام بن عبدالملک

ضحاک بن عجلان — کاتب عبداللہ سفاح

اسحاق بن حماد — کاتب منصور ومہدی

ابراہیم شجری، یوسف شجری — کاتب مامون الرشید

احول محرر — کاتب برامکہ

ابراہیم احول سجستانی — کاتب مقتدر باللہ

ابن مقلہ

محمد سمسانی، محمد بن اسد

ابن بواب

عبدالمومن

یاقوت مستعصمی — کاتب متعصم باللہ

وجاهدوا في الله حق جهاده

فصل سوم

باب ۱۷۔ خطِ تعلیق

باب ۱۸۔ خطِ دیوانی، رقاع اور سیاقت

باب ۱۹۔ خطِ نستعلیق

باب ۲۰۔ خطِ شکستہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
محال است سعدی کہ راہ صفا
توان رفت جز در پے مصطفیٰ
ہو الباقی
ہو الآخر
خلاف پیمبر کسی راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
کتبہ یوسف

باب ۱۷
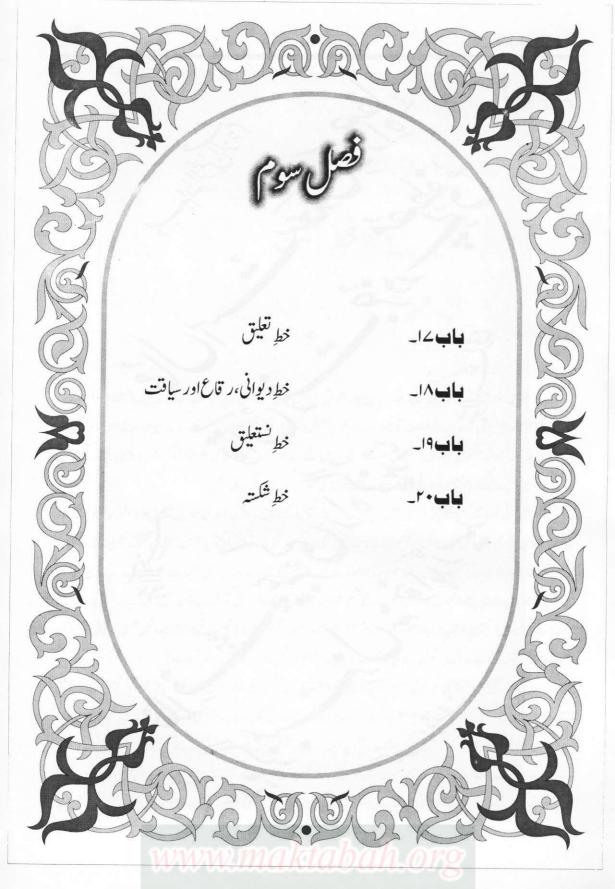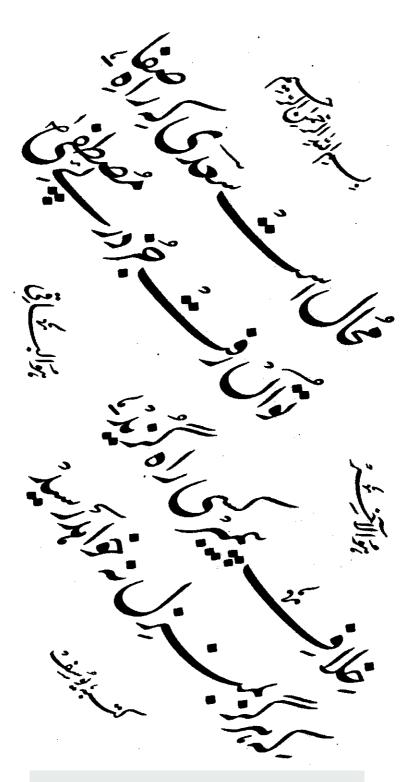
خط تعلیق

عباسی خلافت کے خاتمے کے بعد ایران اور عراق پر ایل خانی منگولوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ (۶۵۴-۷۳۶ھ/ ۱۲۵۶-۱۳۳۶ء) انہوں نے دار السلطنت کو بغداد سے تبریز منتقل کر دیا۔ نئی حکومت میں نئے درباری اور نئے امراء کو تقرب اور عروج حاصل ہوا۔ منگول جلد ہی مسلمان ہوگئے تھے۔ اس لئے سابقہ دور کے اسلامی علوم و فنون میں دلچسپی لینے لگے۔ فنِ خطاطی کو بھی ایل خانی دربار میں فروغ حاصل ہوا۔ اس کی بڑی قدر و منزلت کی جاتی تھی۔

اس نئی فضا میں ایک نیا خط وجود میں آیا، جس کو خط تعلیق کہتے ہیں۔ چھٹی صدی ہجری میں یہ خط اختراع ہوا ہے اور ساتویں صدی ہجری میں اس کی روش مستحکم اور پختہ ہو چکی تھی۔ یہ خط کس نے اختراع کیا؟ اس مسئلے پر مؤرخین کے درمیان کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے خواجہ ابوالعال کو اس کا مخترع بتایا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ حروف پ چ ژ پر بھی تین نقطے سب سے پہلے انہوں نے ہی لگائے تھے مگر خواجہ موصوف کا حال کسی تذکرے میں نہیں ملتا ہے۔ بعض دوسرے لوگوں نے حسن بن حسین کاتب دربار عضد الدولہ (۳۲۴-۳۷۳ھ) کو اس خط کا مخترع قرار دیا ہے، مگر حسن کا حال بھی کسی تذکرے میں نہیں ملتا ہے۔ جن لوگوں نے یہ دعوے کئے ہیں، معلوم نہیں ان کے پاس سند کیا ہے؟

صبح الاعشیٰ فنِ خطاطی کی بڑی معتبر کتاب ہے۔ وہ ۷۹۱ھ میں لکھی گئی ہے۔ اس میں خط تعلیق کا ذکر نہیں ہے۔ جامع محاسن دوسری بڑی معتبر کتاب ہے جو ۹۰۸ھ میں ترتیب دی گئی ہے۔ اس میں باریک (خفی) تعلیق کا ذکر ہے مگر وہ خود اپنے آپ کو اس خط کا موجد بتاتا ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ خط تعلیق کوئی قدیم خط نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض لوگ دعویٰ کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ اہل ایران میں رائج رہا اور مصر میں بہت بعد میں معروف ہوا ہے۔ ایران سے ترکوں نے اخذ کیا اور ترکوں نے مصر میں اشاعت کی ہے۔ درویش محمد بخاری نے قوائد الخطوط کے نام سے ۹۹۵ھ میں ایک کتاب لکھی ہے

جس میں خطِ تعلیق کے قواعد اور ضوابط کو مدون کیا ہے۔

حقیقی صورت حال کچھ ایسی ظاہر ہوتی ہے کہ اس خط کو دفتر کے کاتبوں اور منشیوں نے ایجاد کیا ہے۔ منشیوں کی یہ عادت تھی کہ عجلت میں وہ کلمے کے آخر حرف کو دوسرے کلمے کے اول حرف کے ساتھ ملا کر لکھتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ حروف منفصلہ کو بھی ملا کر لکھ دیتے تھے۔ ان کی اس روش نے ایک مستقل خط کی صورت اختیار کرلی۔ اس خط کا نام خط تعلیق ہے۔ اسی مناسبت سے اس خط کو تعلیق کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اس میں حروف اور کلمات باہم جڑے ہوئے اور ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ تعلیق کے معنی ہیں لٹکانا، چپکانا اور جوڑنا۔

اس خط کے لکھنے میں سہولت اور سرعت دونوں ہیں۔ مزید برآں کلمات کی یکسانیت بڑی دلکش نظر آتی ہے۔ اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اس طریقے پر لکھنے سے کلمات کے اندر فرق واقع ہو جاتا ہے۔ حروف اور کلمات کا تناسب ترتیب اور نظم متغیر ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے حروف اور کلمات کی ایک ساخت نظر نہیں آتی ہے۔ کہیں حروف موٹے اور کشادہ ہوتے ہیں اور کہیں باریک اور چھوٹے ہوتے ہیں۔ ایک لحاظ سے یہ خط شکستہ سے مشابہہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے پڑھنے میں خاصی دشواری پیش آتی ہے۔ بہرکیف اس کی رونق اور جاذبیت میں کوئی شک نہیں ہے۔ یہ خط ایرانی منشیوں کا اختراع کردہ ہے، جس میں عجم کا ذوقِ حسن نظر آتا ہے۔

سرعت رفتار کی وجہ سے سرکاری مراسلت اس خط میں لکھی جاتی تھی۔ اس وجہ سے اس کو خطِ ترسل بھی کہتے ہیں۔ قاآنی کا ایک شعر اس کے متعلق ہے ۔

اے زلف تو پیچیدہ تر از خط ترسل
بر دامن زلف تو مرا دست توسل

یہ خط توقیع اور رقاع کے درمیان ہے۔ اس میں ایک حصہ سطح ہے اور باقی پانچ حصے دور ہے۔ خط توقیع کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سادہ اور دوسری شکستہ، شکستہ تعلیق کا موجد خواجہ تاج الدین سلمان اصفہانی کو بتاتے ہیں۔ خواجہ تاج اصفہانی سلطان ابوسعید گورگانی کے زمانے میں تھا۔ اپنے دور کا ماہر خطاط تھا اور شش قلم میں ماہرانہ دسترس رکھتا تھا۔ ۸۹۷ھ میں اس کا انتقال ہوا ہے۔ خط تعلیق کا دوسرا بڑا استاد خواجہ عبدالحئ منشی استرابادی تھا۔ یہ بھی سلطان ابوسعید گورگانی کے دربار سے وابستہ رہا۔ پھر اوزون حسن (۸۵۷-۸۸۳ھ) اور سلطان یعقوب آق قویونلو (۸۸۴-۸۹۶ھ) کے درباروں سے وابستہ رہا۔ طویل عمر پاکر ۹۰۸ھ میں تبریز میں انتقال کیا۔ خواجہ شہاب الدین عبداللہ مروارید کرمانی خواجہ تاج سلمان کا شاگرد تھا اور خط تعلیق کا بہترین ماہر تھا۔ اس نے ۹۲۲ھ میں رحلت کی ہے۔

ساتویں صدی ہجری سے لے کر دسویں ہجری تک اس خط کا عروج رہا ہے اور اس کو مشرقی ممالک میں بڑا فروغ رہا ہے۔ امراء اور سلاطین اس خط کو بہت پسند کرتے تھے۔ دفتر سلطان اور دفتر قضاۃ کے منشی اپنے سجلات (رجسٹر) اس خط میں لکھتے تھے۔ کتابیں بھی اس خط میں لکھی جاتی تھیں۔ اس خط نے درحقیقت خط نستعلیق اور نستعلیق شکستہ کے لئے راہ ہموار کی۔

دسویں صدی کے بعد جب خط نستعلیق اور شکستہ کا غلبہ ہو گیا تو خط تعلیق متروک ہو گیا۔

عالم مشرق سے تو بالکل ختم ہو گیا یہ اور بات ہے کہ کوئی خطاط تفننِ طبع کے لئے توقیع لکھے۔ البتہ ترکیہ اور مصر میں خط دیوانی کے نام سے یہ ابھی تک باقی ہے۔(۱)

خطِ تعلیق

بہ قلم محمد کاظم

۱- اطلس خط، ص ۴۱۲ - ۴۱۴

باب ۱۸
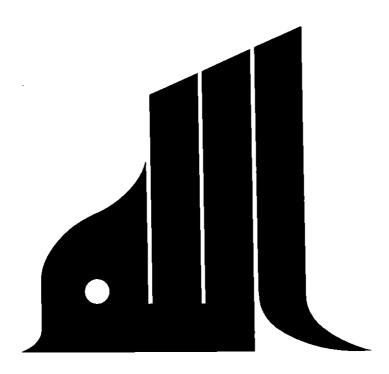
خط دیوانی، رقعہ اور سیاقت

☆ خط دیوانی

سلطان محمد فاتح نے ۸۵۷ھ / ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ فتح کر لیا۔ عثمانی سلطنت کا دارالخلافہ بروصہ سے قسطنطنیہ منتقل ہو گیا۔ دفتر دیوانی بھی قسطنطنیہ میں منتقل ہو گیا۔ اس زمانے میں خط دیوانی وجود میں آیا۔ یہ خط دولت عثمانیہ کے دفتر دیوانی کے منشیوں کی اختراع ہے۔ دفتر کے منشیوں کی یہ ضرورت رہتی ہے کہ کوئی ایسا خط ہونا چاہئے کہ جس میں سرعت کے ساتھ اور سہولت کے ساتھ مضمون کو لکھا جا سکے اور دفتری مراسلت کی جا سکے۔ اسی ضرورت نے ایرانی منشیوں کو ترغیب دی کہ وہ خط توقیع ایجاد کریں۔ اس ضرورت نے ترک منشیوں کو ترغیب دی اور انہوں نے خط دیوانی اختراع کیا۔ دفتر دیوانی (چیف سیکر ٹریٹ) میں سلطان معظم کے فرامین لکھے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے اس کو خط دیوانی کہتے ہیں۔ خط دیوانی کا مخترع ابراہیم حنیف ہے، جو سلطان محمد فاتح کے زمانے میں دفتر دیوان کا صدر منشی تھا۔

خط دیوانی کی دو قسمیں ہیں۔ دیوانی خفی اور دیوانی جلی۔ خفی میں حرکات، اعراب حتی کہ نقطوں کا بھی بہت کم خیال رکھا جاتا ہے۔ دو نقطے لکھنے ہوں تو چھوٹا سا خط (ـ) کھینچ دیتے ہیں اور اگر تین نقطے لگانے ہوں تو آٹھ کے عدد سے مشابہہ نشان (۸) بنا دیتے ہیں۔ لیکن دیوانی جلی میں زیادہ وضاحت ہوتی ہے۔ پورے نقطے لگائے جاتے ہیں۔ جلی میں خط کی رعنائی اور زیبائی کا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ خط تعلیق کی طرح اس میں بھی کلمات پیوستہ ہوتے ہیں حتی کہ حروفِ منفصل کو بھی متصل بنا لیتے ہیں، خطِ دیوانی کو دراصل خطِ تعلیق سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس خط میں کلمات کا جھکاؤ بائیں جانب ہوتا ہے اس وجہ سے اس کو چپ نویسی بھی کہہ دیتے ہیں۔ اس خط میں ترکی ذوق اور سلیقہ صاف جھلکتا ہے۔ مرتبے کے لحاظ سے اس کا درجہ تعلیق سے فروتر ہے۔

ایجاد کے ایک عرصے بعد کاتبوں نے اس کی طرف سرد مہری کا اظہار شروع کر دیا تھا کہ وزیر دولت عثمانیہ شہلا پاشا نے دسویں صدی ہجری میں اس خط کو خوب فروغ دیا۔ سلطان احمد ثالث (۱۱۱۵ تا ۱۱۴۳ھ) کے دور حکومت میں خواجہ محمد راسم اس خط کا بڑا ماہر استاد تھا۔ متاخرین میں دو بھائی استاد عزت اور حافظ تحسین اس خط کے ماہر کامل تسلیم کئے گئے ہیں۔ ترکیہ میں یہ خط بہت مقبول تھا۔ یہاں تک کہ ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء میں مصطفی کمال پاشا نے خلافت کی بساط لپیٹ دی۔ عربی رسم الخط کو ممنوع قرار دے دیا اور اس کی جگہ لاطینی رسم الخط کو رائج کر دیا۔ اس ایک نادانی سے سات صدیوں کا ترک قوم کا علمی اندوختہ سرمایہ نئی نسلوں کے لئے بے کار بن گیا۔

ترکیہ سے یہ خط مصر میں اور تمام عرب ممالک میں پہنچ گیا۔ استاد مصطفی بک غزلان نے اس خط کو مصر میں فروغ دینے کی بے حد کوشش کی ہے۔ اس وجہ سے بعض لوگ مصر میں اس کو دیوانی اور غزلانی کہتے ہیں۔ غزلان شاہ فواد اول (۱۹۲۱ء-۱۹۳۶ء) کے دیوان کا میر منشی تھا۔ رئیس دیوان شاہی تھا۔ عام سرکاری مراسلت اور فرامین وہ لکھتا تھا۔ مدرسہ تحسین خط میں وہ صدر مدرس تھا۔

ستارے میں بسم اللہ اور چاند میں
کلمۂ طیبہ، خط دیوانی جلی

وہاں وہ طلبہ کو خط کی تعلیم دیتا تھا۔ ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء قاہرہ میں اس کی وفات ہوئی ہے۔

خط دیوانی بہت خوش منظر اور جاذب نگاہ ہے۔ اس کے لکھنے میں سہولت بھی ہے اور عجلت بھی ہے۔ عرب ممالک میں یہ خط بہت مقبول ہے۔ سرکاری مراسلت بھی اسی خط میں ہوتی ہے اور ذاتی خط و کتابت بھی اسی خط میں ہوتی ہے۔ عرب دنیا کا یہ مقبول ترین خط ہے۔ سید عبدالعزیز رفاعی نے اس خط کے اصول و قواعد ضبط کئے ہیں۔

ایران میں اور ہندوستان و پاکستان میں یہ خط کبھی معروف نہ ہو سکا۔(۱)

ا۔ اطلس خط، ۴۲۷ تا ۴۳۰۔

☆ خطِ رقعہ

جب خلافت ترکوں کو منتقل ہو گئی تو انہوں نے اسلامی علوم و فنون کی خوب خوب خدمت انجام دی۔ انہوں نے عربی خط کی بھی خوب خدمت کی ہے اور ترک منشیوں اور دفتریوں نے نئے نئے خط ایجاد اور اختراع کئے۔ خط دیوانی کا ذکر قبل ازیں گزر چکا ہے۔ خط دیوانی کے بعد دوسرا خط جو انہوں نے ایجاد کیا وہ خط رقعہ کہلاتا ہے۔ رقعہ عربی زبان میں کپڑے کے پیوند کو اور کاغذ کے ٹکڑے کو کہتے ہیں- جس پر تحریر لکھی جاتی ہے۔ خط رقعہ کو خط رقاع سے خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔

خط رقعہ میں خط دیوانی کو اور زیادہ آسان بنایا گیا ہے۔ اس میں کلمات سیدھے اور کشادہ ہوتے ہیں۔ حروف چھوٹے اور تنگ ہوتے ہیں- نیز سادہ ہوتے ہیں- ان کے اندر خم کم ہوتا ہے تاکہ لکھنا ان کا آسان ہو جائے۔ اس خط میں خط دیوانی کے برخلاف دور کم ہے اور سطح زیادہ ہے۔ مقصود ساری کدو کاوش کا سرعت نگاری اور سہل نگاری ہے۔ اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو خط رقعہ سہل ترین خط ہے۔ درحقیقت یہ خط، خط نسخ اور خط دیوانی سے مل کر پیدا ہوا ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ خط رقعہ نسخ دیوانی نستعلیق اور سیاقت سے مل کر بنا ہے تو بھی غلط نہ ہوگا۔

ابتدا میں خط رقعہ خط دیوانی کی ہی ایک روش سمجھا جاتا تھا۔ اس لحاظ سے مؤرخین اس کے آغاز کو ۸۸۲ھ /۱۴۸۱ء سے تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن بعد میں اس نے ایک بالکل جداگانہ شکل اختیار کرلی۔ خط رقعہ کو جداگانہ شکل دینے والا سلطان عبدالمجید خان اول (۱۲۷۷-۱۳۵۵ء) کا مشہور استاد ممتاز بک ہے۔ وہ اس خط کا زبردست ماہر تھا۔ اس نے اس خط کو فروغ دیا ہے۔ اس نے اس کے قواعد و ضوابط مدون کئے۔ ورنہ اس سے قبل یہ دیوانی اور سیاقت کے ساتھ مخلوط لکھا جاتا تھا۔

خط رقعہ خط دیوانی سے بہتر ہے، روشن ہے واضح ہے، اور نسبتاً منظم ہے۔ اس وجہ سے خط رقعہ کی تحریر پڑھنا بہت آسان ہے۔ اس خط میں سطح ۲/۳ ہے اور دور ۱/۳ ہے۔ نستعلیق شکستہ کی طرح یہ خط بھی لکھنے میں آسان ہے اور تیزی سے لکھا جاتا ہے۔ اس خط میں بعض حروف اور کلمات نے خاص شکلیں اختیار کرلی ہیں۔ آخری شوشہ کشیدہ دراصل حرف کا نقطہ ہوتا ہے۔

عرب ممالک میں یہ خط بے حد مقبول ہے۔ ہر نجی تحریر خط رقعہ میں لکھی جاتی ہے۔ البتہ ایران، پاکستان اور ہندوستان میں لوگ اس سے ناواقف ہیں۔ وہاں اس کی جگہ خطِ شکستہ مقبول ہے۔(۱)

☆ خط سیاقت

سلجوقی دور (۴۲۹-۵۵۲ھ) میں دفتر کے منشیوں نے ایک نیا طرز تحریر ایجاد کیا۔ جس کو سیاقت کہتے ہیں۔ اس کو سیاقت کیوں کہتے ہیں۔ اس کے متعلق کوئی بات نہیں معلوم ہے۔ دیوانی کاغذات، سرکاری دستاویزات اور قبالہ جات زمین

۱- اطلس خط، ص ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۸،

سب خط سیاقت میں لکھے جاتے تھے۔ اس خط میں حذف اور اختصار سے اس درجہ کام لیا گیا تھا کہ کلمات عام فہم نہیں رہے تھے بلکہ طلسم اور معما بن گئے تھے۔ یہ ایک قسم کی مرموز تحریر تھی۔ درحقیقت یہ اس دور کا شارٹ ہینڈ خط تھا۔ منشیوں کی ایک ضرورت تو تیز لکھنے کی ہے جو اس سے پوری ہو جاتی ہے۔ دوسری ضرورت بعض دستاویزات کے سلسلے میں یہ ہے کہ کوئی عامی شخص ان کو نہ پڑھ سکے وہ بھی اس سے پوری ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ دفتر کے منشیوں کے اندر بڑا مقبول خط رہا ہے۔ اس لئے کہ ان کی ضرورت پوری طرح سے ادا کرتا تھا۔(۱)

الفبا خطِ سیاقت

۱- اطلس خط، ص ۴۴۰،
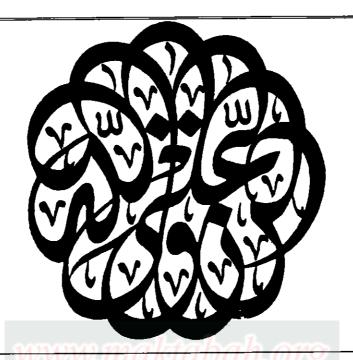
☆ رمزیہ ارقام عربی

رمزیہ تحریر کے مقابلے میں دفتر کو منشیوں کے رمزیہ ارقام لکھنے کی ضرورت بدرجہ اولیٰ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے لکھے ہوئے اعداد کوئی دوسرا نہ پڑھ لے۔ اس کے لئے انہوں نے رمزیہ انداز میں پوری ہزار تک گنتی لکھنے کا ایک نیا ڈھنگ نکالا تھا۔ ان کو ارقام ہندی کہتے ہیں۔ یہ گنتی لکھنے کا شارٹ ہینڈ ہے۔

رمزیہ ارقام عربی

ہندسہ	تحریر	رمزیہ	جزورمز
۱	عدد	عہ	لہ
۲	عددان	عاہ	ے
۳	ثلثة	سے	سے
۴	اربعة	للعہ	للعـ
۵	خمسة	صہ	صـ
۶	ستة	ے	ـــ
۷	سبعة	معہ	معـ
۸	ثمانية	مےہ	مـ
۹	تسعة	لعہ	لعـ
	دھائی		
۱۰	عشر	عـہ	
۲۰	عشرون	ہمـہ	
۳۰	ثلثون	سـہ	
۴۰	اربعون	للعـہ	
۵۰	خمسون	صـہ	
۶۰	ستون	سـہ	
۷۰	سبعون	معـہ	
۸۰	ثمانون	لسـہ	
۹۰	تسعون	لعـہ	
	سیکڑہ		
۱۰۰	مأة	مار	
۲۰۰	مائتان	مارر	
۳۰۰	ثلثمأة	سمار	
۴۰۰	اربعمأة	امار	
۵۰۰	خمسمأة	صمار	
۶۰۰	ستمأة	سمار	
۷۰۰	سبعمأة	معمار	
۸۰۰	ثمانمأة	لہار	
۹۰۰	تسمأة	لعمار	
	ہزار		
۱۰۰۰	الف	الـً	
۲۰۰۰	الفان	اـً	
۳۰۰۰	ثلثة آلاف	سمـً	
۴۰۰۰	اربعة آلاف	للعـً	
۵۰۰۰	خمسة آلاف	صمـً	
۶۰۰۰	ستة آلاف	سممـً	
۷۰۰۰	سبعة آلاف	معمـً	
۸۰۰۰	ثمانية آلاف	ممـً	
۹۰۰۰	تسعة آلاف	لعمـً	
۱۰۰۰۰	عشرة آلاف	ہمـً	

نصف صدی قبل تک یہ گنتی ایران، ہندوستان، پاکستان وغیرہ میں عمومیت کے ساتھ استعمال ہوتی تھی۔ آج کل یہ متروک ہو گئی ہے

بسم الله الرحمن الرحيم
نا انزلناه في ليلة القدر وما ادريك
ما ليلة القدر ليلة القدر خير من الف
شهر تنزل الملائكة والروح فيه
باذن ربهم من كل امر سلام هي
حتى مطلع الفجر

باب ۱۹

خط نستعلیق

نستعلیق دو الفاظ سے ترکیب پا کر بنا ہے، نسخ اور تعلیق۔ یعنی خط نستعلیق در حقیقت خط نسخ اور خط تعلیق سے مل کر بنا ہے۔(۱) یہ ایران کے منشیوں اور قلم کاروں کا اختراع کردہ ہے۔ اس لئے عرب ممالک میں آج بھی اس کو خط فارسی کہتے ہیں۔ وہاں یہ خط وہ مقبولیت حاصل نہ کر سکا جو اس نے مشرقی اسلامی ممالک میں حاصل کی ہے اور یہ بات بھی درست ہے کہ یہ خط فارسی زبان کے لئے ہی استعمال ہوا۔

سارے تذکرہ نویس یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خط نستعلیق خواجہ میر علی تبریزی نے سلطان احمد جلائر (۷۸۴-۸۱۳ھ) کے عہد میں بغداد میں اختراع کیا ہے۔ بعد میں وہ امیر تیمور کے دربار سے وابستہ ہو گیا تھا۔ اس دعوے کے خلاف سب سے پہلی آواز علامہ ابو الفضل نے آئین اکبری (ص ۱۱۴) میں بلند کی۔ اس نے لکھا ہے کہ نستعلیق تحریر کے نمونے امیر تیمور سے بہت پہلے ملتے ہیں۔ ۱۹۰۵ء میں مشہور مستشرق مارگولیتھ نے ایک قبالہ (دستاویز) پیش کیا ہے۔ جس پر ۴۰۱ھ / ۱۰۰۰ء درج ہے۔ قبالہ کی تحریر خط نستعلیق سے قریبی مشابہت رکھتی ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر جدید محققین نہ تو اس دعوے کو قبول کرتے ہیں کہ خط نستعلیق آٹھویں صدی کے نصف آخر میں اختراع ہوا ہے اور نہ یہ مانتے ہیں کہ اس خط کا اختراع کرنے والا خواجہ میر علی تبریزی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک طویل عرصے تک قلمکاروں اور منشیوں کے ہاتھوں ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد آٹھویں صدی کے آخر میں یہ اپنی تکمیل کو پہنچا ہے۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ میر علی تبریزی نے اس خط کی امتیازی شان

۱- اردو میں نستعلیق کے معنی ہی حسین اور شائستہ کے ہو گئے ہیں، مرزا شوق لکھنوی مثنوی زہر عشق میں کہتا ہے۔

اس سن و سال پر کمال خلیق
چال ڈھال انتہا کی نستعلیق

قائم کی ہے اور خط کے قواعد و ضوابط مقرر کیے ہیں۔ اس کو مقبول بنانے میں سعی و جہد کی ہے۔ اس وجہ سے عوام الناس میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ اس خط کے موجد ہی خواجہ میر علی تبریزی ہیں۔

شروع ہی سے خط نستعلیق میں دو شیوہ نگارش چلے آ رہے ہیں۔ ایک شیوہ خراسانی ہے اور دوسرا شیوہ جنوبی ایران ہے۔ شیوہ خراسانی کے بانی خواجہ تبریزی کے شاگرد جعفر اور اظہر ہیں۔ جس کو بعد میں سلطان علی مشہدی نے خوب فروغ دیا اور بارونق بنادیا۔ شیوہ جنوبی ایران کا بانی عبدالرحمٰن خوارزمی ہے۔ یہ شاہ آذربائیجان سلطان آف قویون لو (۸۸۴-۸۹۴ھ) کے دربار سے وابستہ تھا۔ خوارزمی کے شاگردوں نے اس روش کو خوب خوب ترقی دی اور جنوبی ایران میں مقبول بنادیا۔

ان دونوں طرز نگارش میں تھوڑا سا فرق ہے۔ مغربی نگارش میں حروف اور کلمات تند اور تیز لکھے جاتے ہیں۔ شد و مد زیادہ بڑے ہیں۔ عین کا سر بھی بڑا ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف خراسانی قلم میں حروف اور کلمات معتدل لکھے جاتے ہیں۔ انداز اور تناسب ٹھیک ہوتا ہے۔ اس وجہ سے مشرقی انداز نگارش زیادہ پسندیدہ اور زیادہ مقبول ہے۔ مغربی نگارش مائل بہ زوال ہے۔ البتہ ہندوستان اور پاکستان میں بعض جگہ قدم جمائے ہوئے ہے۔

خط نستعلیق میں ۲/۷ یا ۲/۶ سطح ہے باقی دور ہی دور ہے۔ الف بالکل سیدھے مگر سبک اور لطیف ہوتے ہیں۔ دائرے مکمل ہوتے ہیں۔ حروف سبک اور جاذب نظر آتے ہیں۔ اس خط میں اصول کتابت کی نہایت سختی سے پابندی کی جاتی ہے۔ اصول و قواعد کرسی و نسبت، سطح و دور، صعود و نزول اور ذوق و سلیقے کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ اصول و قواعد کی پابندی کی وجہ سے اس خط میں ہر حرف صاف نظر آتا ہے اور اپنے مقام پر واضح ہوتا ہے۔ مد، کشش، دائرے سب مناسب نظر آتے ہیں۔ عربی خطوط میں بلکہ ساری دنیا میں یہ حسین ترین اور جاذب قلب و نظر خط ہے۔ دنیا کا کوئی خط اس کا حریف نہیں بن سکتا۔ یہ خط مصوری اور رعنائی کا حسین مرقع ہے۔ اس خط میں تحریریں اعلیٰ درجہ کی فنکاری کا نمونہ ہوتی ہیں۔

خط نستعلیق اس معاملے میں بڑا خوش بخت ہے کہ بڑے صاحب کمال اساتذہ پے در پے اس کی خدمت کی طرف متوجہ ہوتے رہے ہیں۔ میر علی تبریزی (۸۵۶ھ) تو اس خط کا اختراع کرنے والا ہے۔ سلطان علی مشہدی (۹۳۶ھ) نے اس خط کو تقویت اور حرکت بخشی ہے، پھر یہ میر علی بردی (۹۵۱) مالک دیلمی (۹۶۹ھ) باباشاہ اصفہانی (۹۶۶ھ) محمد حسین تبریزی (۹۸۵ھ) کے ہاتھوں میں یہ کمال پختگی کو پہنچا اور آخر میں میر عماد حسنی (۱۰۳۴ھ) نے اس کو رفعت اور کمال کے اعلیٰ مرتبے پر پہنچایا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ خط بعد میں بھی نفاست اور لطافت میں ترقی کرتا رہا۔ تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری کے خطاطوں کے یہاں جو جاذبیت اور شگفتگی پائی جاتی ہے وہ متقدمین کے یہاں موجود نہیں۔

لیکن بہر حال الفضل للمتقدم، اصل محنت انہوں نے کی، راستہ انہوں نے صاف کیا۔ جس پر چل کر اب بعد میں آنے والے اِدھر اُدھر سے نوک پلک درست کر دیتے ہیں۔

۱۔ اطلس خط، ۴۲۷ تا ۴۳۰۔

☆ میر علی تبریزی

اصلی نام علی بن حسن تبریزی ہے۔ قبلۃ الکتاب، واضع الاصل خواجہ ظہیرالدین اس کے خطابات ہیں۔ یہ عالی نسب سید تھے۔ حافظ قرآن تھے اور فن خطاطی میں ہفت اقلام کے ماہر تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی نے ہفت اقلام کو اس قطعہ میں جمع کر دیا ہے۔

ابن مقلہ وضع کرد ایں شش خط از خط عرب
ثلث ریحان و محقق، نسخ و توقیع و رقاع
بعدازاں از خط توقیع و رقاع اہل عجم
ہفتمیں خط دگر تعلیق کردند اختراع

ہفت قلم سے مراد ثلث، ریحان، محقق، نسخ، توقیع، رقاع اور تعلیق ہوتے ہیں۔ ان میں نستعلیق شامل نہیں ہے۔
سلطان علی مشہدی میر علی کے متعلق کہتے ہیں ۔

در جمیع خطوط بود شگرف
ز اوستاداں شنیدہ ام ایں حرف

تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ خط نستعلیق کے ایجاد کرنے والے میر علی تبریزی ہیں۔ سلطان علی مشہدی لکھتا ہے۔(۱) ۔

نسخ و تعلیق گر خفی و جلی است
واضع الاصل خواجہ میر علی است
خط پاکش چوں شعر او موزوں
ہست تعریف او ز حد فزوں

سلطان احمد جلائر کے بعد بغداد چھوڑ کر خواجہ تبریزی امیر تیمور کے پاس سمرقند چلا گیا تھا۔ خواجہ تبریزی نے طویل عمر پائی اور ۸۵۰ھ میں اس کا انتقال ہوا ہے۔

باوجود اس غیر معمولی شہرت کے اس کے آثار قلم دنیا میں بہت قلیل ہیں۔ ایک کتاب خمسہ نظامی ہے، دوسری کتاب خمسہ خسرو ہے۔ جن پر کاتب کا نام میر علی لکھا ہوا ہے، اور سن ۸۲۴ھ درج ہے۔ یہ طہران کے سرکاری کتب خانے میں موجود ہیں۔

بلاشک خط نستعلیق کے قواعد و ضوابط اس نے متعین کئے ہیں۔ تمام سر برآوردہ خطاط اور کاتبان اس کی اولیت اور بزرگی کے قائل ہیں۔ آغاز میں خواجہ میر علی تبریزی سلطان احمد جلائر کے دربار سے وابستہ تھا اور اپنے بیٹے عبداللہ کے ساتھ

۱- رسالہ صراط السطور،

بغداد میں رہتا تھا۔ خط نستعلیق اس نے بغداد ہی میں ایجاد کیا ہے۔ البتہ یہ بات صحیح ہے کہ اول روز سے اس خط میں فارسی زبان لکھی گئی ہے۔ سلطان احمد جلائر کی فرمائش پر خواجہ میر علی تبریزی نے خواجہ کرمانی کی کلیات کا نسخہ لکھا تھا۔ جس پر ۷۹۸ھ کی تاریخ درج ہے۔ یہ نسخہ مصور بھی ہے۔ جنید نقاش نے اس پر تصویریں بنائی ہیں۔ یہ خطِ نستعلیق کا قدیم ترین نمونہ تسلیم کیا گیا ہے۔ حالانکہ سلطان احمد جلائر کے دیوان کا نسخہ کتب خانہ آیا صوفیہ قسطنطنیہ میں موجود ہے جس کو صالح بن علی رازی (۸۰۰ھ) نے میر علی تبریزی کے نسخہ سے قبل لکھا تھا۔

☆ میر عبداللہ تبریزی

یہ خواجہ میر علی تبریزی کا فرزند تھا۔ اس کو شکریں قلم کا خطاب ملا ہوا تھا۔ یہ بھی بڑا ماہر خطاط تھا۔ بیٹے کے خط کو باپ کے خط سے تمیز کرنا دشوار ہے۔ باپ کو خط نستعلیق کا استاد اول اور بیٹے کو استاد دوئم کہتے ہیں۔ خطِ نستعلیق کی اشاعت میں اس نے بہت زیادہ حصہ لیا ہے۔ اس کی وفات ۸۶۰ھ میں ہوئی ہے۔ افسوس اس کی کوئی تحریر آج دنیا میں موجود نہیں ہے۔(۱)

نمونہ میر علی تبریزی

○○○○○○○○○○○○○○○○

۱- اطلس خط، ص ۴۴۹، ۴۵۵،

باب ۲۰

خطِ شکستہ

خط کی مقبولیت اور پھر بے توجہی میں ایک اصول کار فرما نظر آتا ہے۔ پہلے ایک خط اختراع ہوتا ہے۔ مختلف قلم کار اور اساتذہ فن اس کی تحسین اور تزئین کے درپے ہو جاتے ہیں۔ اس کی نوک پلک درست کرتے ہیں اور اس کو حسین سے حسین تر بنا دیتے ہیں۔ اس محنت اور جانفشانی کے بعد بلاشبہ وہ خط بڑا حسین اور جاذب نظر بن جاتا ہے۔ سب لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں، مگر دوسری جانب وہ لکھنے والوں کے لئے دشوار اور مشکل بھی بن جاتا ہے۔ صرف ماہر اساتذہ ہی ویسا خوبصورت لکھ سکتے ہیں۔ عام کاتب اتنا حسین خط نہیں لکھ سکتا۔ مزید بر آں اس کے لکھنے میں مہارت فن کے ساتھ ساتھ اچھا خاصا وقت صرف ہوتا ہے۔ انسانوں کی ضرورت اس امر کی متقاضی ہوتی ہے کہ تحریر جلدی سے جلدی لکھی جائے۔ خواہ فنی اعتبار سے وہ ناقص ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے فن تحریر کی ایک اہم قدر زود نویسی ہے، جس کی اہمیت حسنِ نظر سے بھی بڑھ کر ہے۔

خط کوفی سے خط ثلث پیدا ہوا۔ پھر سہولت کی خاطر خط محقق پیدا ہوا۔ زود نویسی نے خط ریحان ایجاد کیا۔ مزید عجلت پسندی کی وجہ سے رقاع اور خط غبار پیدا ہوئے۔ زود نویسی کی ضرورت نے ہی خطِ تعلیق کو پیدا کیا پھر تعلیق سے شکستہ تعلیق پیدا ہوا۔ اس کلیے کے تحت خطِ نستعلیق سے خط شکستہ نستعلیق پیدا ہوا۔ خط شکستہ کی ایجاد ایران مین دفتر کے منشیوں نے کی ہے۔ دفتر کے منشیوں کی ایک عادت ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کی تحریر کو کوئی آسانی سے نہ پڑھ سکے۔ وہ اس کو پیچیدہ بنا کر لکھتے ہیں۔

اس طرح خطِ شکستہ کی دو قسمیں ہیں، سادہ اور پیچیدہ، شکستہ پیچیدہ کے پڑھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ اس میں حروف کو باہم ملا دیتے ہیں، جس کی وجہ سے حروف کی شکلیں بدل جاتی ہیں۔ اور ان کا پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔

☆ خط شکستہ کی خصوصیات:

۱- حروف منفصل کو بھی متصل لکھ دیتے ہیں۔

۲- دوائر پھیل جاتے ہیں۔

۳- اس خط میں التباس کے مواقع بہت زیادہ ہیں۔ ایک شکل لکھ کر کئی لفظ پڑھتے ہیں۔

۴- اس خط میں دور ہی دور ہے، سطح بہت کم ہے۔

خط شکستہ کے سلسلے میں مرزا صائب کا شعر بہت مشہور ہے۔

مرا بہ تجربہ کاراں نصیحتے یاد است
کہ توبہ نامہ بہ خط شکستہ می باید

☆ شاملو

یہ خط عہد صفوی (ایران) میں پیدا ہوا ہے۔ ہرات کے حاکم مرتضیٰ قلی خاں فرزند حسن خاں شاملو نے یہ اختراع کیا ہے۔ وہ شاہ سلیمان صفوی کے دربار سے وابستہ تھا۔ تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے خط شکستہ مرتضیٰ قلی خاں شاملو نے لکھا ہے۔ اس کی وفات ۱۱۰۰ھ / ۱۶۸۹ء میں ہوئی ہے۔

☆ محمد شفیع ہروی حسینی

یہ ہرات کے مشہور خاندان سادات کے فرد تھے۔ یہ خط تعلیق، نستعلیق اور شکستہ کے ماہر تھے۔ شکستہ اس نے شاملو سے سیکھا تھا۔ پھر اس خط کو منقح اور مہذب کیا۔ اس کے اصول و قواعد متعین کیے۔ اس نے اس خط میں اس قدر انہاک دکھایا کہ بعض لوگ اس کو خط شفیعا کہنے لگے۔ محمد شفیع کے سن وفات میں اختلاف ہے۔ بعض نے ۱۱۲۴ھ اور بعض نے ۱۱۲۸ھ لکھا ہے۔

☆ کفایت خاں

ہندوستان میں یہ خط عہد شاہجہانی میں پہنچ گیا تھا۔ یہاں اس خط کو محمد کفایت خاں نے مقبول عام بنایا۔ اس کا اصلی نام محمد جعفر خاں بن محمد مقیم خان تھا۔ ۳۵ سال تک تن خالصہ (شعبہ تنخواہ) میں ملازمت کی۔ پھر عہد عالمگیری میں محاسب مقرر ہو گیا تھا۔ خط تعلیق اور شکستہ لکھنے میں کوئی اس کا مدمقابل نہیں تھا۔ خط شکستہ لکھنے میں یہ ایک خاص روش کا موجد ہے۔ اس کی روش کو روش کفایت خان کہتے تھے۔ جو بے حد دلکش، نظر افروز تھی۔ بہت سے لوگ ان کے شاگرد تھے، جو ان کا تتبع کرتے تھے ۱۰۹۵ھ / ۱۶۸۴ء میں اس کا انتقال ہوا ہے۔

☆ درانیت خان

اس کا اصلی نام عبداللہ ہے۔ یہ کفایت خان کا بیٹا ہے۔ یہ بھی شاہی دربار سے وابستہ تھا۔ شکستہ خط کی تعلیم اس نے اپنے والد سے حاصل کی تھی اور پھر مشق سے خود ایک طرز خاص ایجاد کی تھی۔ جس کو درایت خانی کہتے تھے۔ اساتذۂ فن کا اتفاق ہے کہ یہ اپنے والد سے بڑھ کر لکھتا تھا۔ غلام محمد صاحب تذکرہ خوش نویساں نے اس کی اس قدر تعریف کی ہے کہ اگر میر علی تبریزی زندہ ہوتا اور درایت خان کا خط دیکھ لیتا تو وہ اپنے خطِ نستعلیق کو بھول جاتا۔ اس کے خط کا نمونہ بیاض بختاور خان میں موجود ہے۔

خط شکستہ کا تعلق دفتر سے تھا۔ دفتر میں اکثر ہندو ہوتے تھے۔ اس لئے شکستہ کے ماہر اکثر ہندو ہوئے ہیں۔ جیسے چندر بھان برہمن، رائے پریم ناتھ وغیرہ(۱)

خطوط کے درجات اور مراتب

حبیب اللہ فضائلی نے مختلف خطوط کے درجات اور مراتب مقرر کئے ہیں۔

آسان خوانی میں اول درجہ خط نسخ کو حاصل ہے۔

آسان نویسی میں اول درجہ خط شکستہ کو حاصل ہے۔

زیبا منظری میں اول درجہ خط نستعلیق کو حاصل ہے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

۱- اطلس خط، ۴۱۹، ۴۲۰،

والله خير الرازقين
صدق الله العظيم
خالد

فصل چہارم
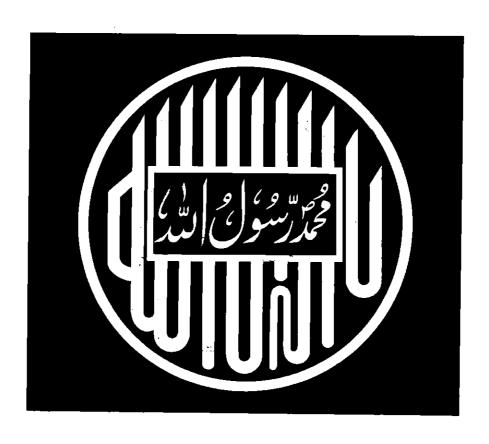
باب ۲۱

دبستان ہرات

دولت بنی عباس کے آخری ایام میں فن اور فنکاروں کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی تھی۔ ایسے قدردان ماحول میں یاقوت مستعصمی جیسا نادرہ روزگار فنکار پیدا ہوا۔ پھر اس کے شاگردوں کا طویل سلسلہ چلتا رہا، مگر سوئے اتفاق سے عین اس وقت وحشی تاتاری بلائے ناگہانی بن کر عروس البلاد بغداد پر چڑھ آئے۔ انہوں نے خلافت عباسیہ کی بساط کو الٹ دیا۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ تہذیب و تمدن پر برق بلا آپڑی۔ علوم وفنون کو تاراج کر ڈالا، علماء اور فنکاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، آثار علوم وفنون نادر کتابیں دریائے دجلہ میں بہادیں، وحشت اور بربریت کا ننگا ناچ تھا جو بغداد میں کھیلا گیا۔

جب امن و امان اور نظم و ضبط قائم اور غارت گری بند ہوئی تو لٹے پٹے، زخم خوردہ اور دل بریاں پھر جمع ہوئے۔ اجڑی محفل پھر جمائی، بساط علم و فن پھر آراستہ کی۔ پہلے تبریز آذربائیجان میں ایل خانیوں (تاتاریوں) کے پاس جمع ہوگئے۔ (۷۳۶-۶۵۶ھ) پھر بغداد میں آل جلائر (۶۳۶-۸۱۴ھ) کے پاس جمع ہوگئے اور آخر میں ہرات خراسان میں تیموری حکمرانوں (۸۰۷-۹۱۱ھ) کے پاس دلجمعی کے ساتھ اقامت گزیں ہوگئے۔ جو قدر و منزلت اور جو عروج ان کو ہرات میں حاصل ہوا اس کے سامنے اگلی تمام محفلیں ماند پڑ گئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تیموری حکمرانوں میں سے ایک ایک فرد علم و فن کا قدردان تھا۔ یہ علماء، فضلاء اور فنکاروں کے بے حد قدردان تھے۔ یہ ان کی پرورش پر بے دریغ دولت صرف کرتے تھے۔ اس دور میں فنکاروں اور خطاطوں کی جس قدر عزت و تکریم اور بے اندازہ ہمت افزائی ہوئی وہ فن کی تاریخ میں ایک بے مثال باب ہے۔ فنون لطیفہ کی ایسی قدر و منزلت کسی دور میں نہیں ہو سکی۔ فنون لطیفہ اور خاص طور پر خطاطی کے لئے تیموریان ہرات کا مختصر سا زمانہ فنون لطیفہ کا عہدِ زریں کہلاتا ہے۔

فن کی قدردانی کا آغاز امیر تیمور (۷۷۱-۸۰۷ھ) سے ہوا۔ فاضل اور نامور فنکار اور ہنرمند اشخاص اس کے دربار

سے وابستہ تھے۔ اس کا وزیر بدرالدین خود مشہور خوش نویس تھا۔ سید عبدالقادر بن سید عبدالوہاب خط ثلث لکھنے میں یاقوت مستعصمی کے ہم پلہ شمار ہوتا تھا۔ اس نے امیر تیمور کے لئے ایک قرآن مجید لکھا تھا۔ جو نفاست تحریر، تذہیب اور آرائش میں نادرۂ روزگار قرار دیئے جانے کے قابل ہے۔ یہ قرآن مجید آج جامع سلطان سلیم قسطنطنیہ میں محفوظ ہے۔ خط ترسل (خط تعلیق) لکھنے میں بدرالدین تبریزی (۸۰۰ھ) بہت مشہور تھا۔ اس نے امیر تیمور کا فرمان سلطان مصر کے نام خط تعلیق میں لکھا تھا۔ اس مکتوب میں ۷۰۰ اسطریں تھیں۔ التون تاش بھی دربار سے وابستہ تھا جو بے مثل حکاک تھا۔ عقیق پر نام کندہ کرنے میں وہ لاثانی تھا اور سرآمد خوش نویساں میر علی تبریزی بھی امیر کے دربار سے وابستہ تھا، جس کا ذکر آگے آئے گا۔
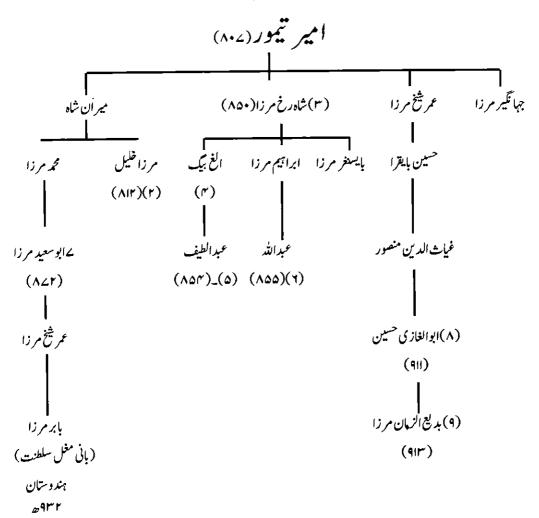
۹۱۳ھ میں شاہی بیگ ازبک نے ہرات پر قبضہ کرلیا اور تیموری سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔

امیر تیمور کی دلچسپی کا اثر یہ ہوا کہ اس کی اولاد نے اس فن سے بیش از بیش دلچسپی لی۔ تیمور کا جانشین اس کا بیٹا شاہ رخ مرزا ہوا۔ اس نے دارالسلطنت سمرقند سے ہرات (افغانستان) میں منتقل کر دیا۔ ہرات میں بیٹھ کر خاصے طویل عرصے تک (۸۰۷-۸۵۰ھ) وہ علم و فن کی آبیاری کرتا رہا۔ دبستان ہرات کی داغ بیل درحقیقت اس کے ہاتھوں رکھی گئی ہے۔ اس کے تینوں بیٹے بایسنغر مرزا، ابراہیم مرزا اور الغ بیگ فن خطاطی کے خود بھی بڑے ماہر تھے۔ جن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریریں اور کتبات آج بھی موجود ہیں۔ بایسنغر مرزا تو گویا فنافی الفن تھا۔

یہ شاہ رخ کا بیٹا تھا۔ اور ۸۰۲ھ میں پیدا ہوا۔ ۸۳۷ میں باپ کی زندگی میں ہی ۳۵ سال کی عمر میں ہرات میں اس کا انتقال ہو گیا۔ جہاں وہ گورنر تھا۔ یہ بہت مہذب شائستہ اور علم دوست شاہزادہ تھا۔ فارسی اور ترکی زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ فن خطاطی سے اس کو خاص شغف تھا۔ خود بھی شش قلم کا ماہر تھا۔ اس کے دربار میں علماء، فضلاء، شعراء کے علاوہ چالیس خوش نویس کاتب ملازم تھے جو کتابوں کے خوش خط نسخے تیار کرتے رہتے تھے۔ خوش نویسی کے علاوہ مصوری، نقاشی، تذہیب، تجلید، طراحی، معماری، کاشی گری جیسے فنون لطیفہ کے ماہرین اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ خوند میر نے ایک جگہ ان تمام فن کاروں کے نام لکھے ہیں جو کسی کتاب کو آراستہ پیراستہ کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کرتے تھے۔ وہ تھے "کاتب، مذہب، جدول کش، مجلد، صحاف، زرکوب، لاجورد شو، کاغذ فروش۔ (۱) اس نے ہرات میں ایک عظیم الشان کتب خانے اور ایک نگار خانے کی بنیاد رکھی تھی۔ ہر روز ماہر فن کار عراق، ایران اور آذربائیجان سے اس کے دربار ہرات میں آتے رہتے تھے اور بیش از بیش انعامات سے نوازے جاتے تھے۔ فن کاروں کی دلداری اور بردباری کا ایک عجیب واقعہ دوست محمد نے مرقع بہرام مرزا میں لکھا ہے۔ ایک رات مجلس میں لطائف اور مزاح کا بازار گرم تھا۔ ایک درباری امیر خلیل کی لات بے خیالی میں شاہزادے بایسنغر مرزا کے ماتھے پر پڑی اور اس زور سے پڑی کہ خون جاری ہو گیا۔ شاہزادے کا مسکن سفید باغ ہرات میں تھا۔ سب سے پہلے تو اس نے باغ کا دروازہ بند کرا دیا تاکہ کوئی شخص یہ خبر اس کی والدہ تک نہ پہنچا دے۔ اس عرصے میں امیر خلیل خاں ندامت کے باعث حجرہ چہل ستون میں جا کر چھپ گیا، جہاں بیٹھ کر خواجہ جعفر تبریزی کتابت کیا کرتا تھا۔ اس نے وہاں دروازہ اندر سے مقفل کر لیا۔ شاہزادے نے امیر خلیل کو بلوایا۔ بڑی تلاش کے بعد معلوم ہوا کہ وہ حجرے میں مقفل بند ہے۔ امیر خلیل نے باہر آنے سے صاف انکار کر دیا۔ خدام نے سارا واقعہ شاہزادے کو بتا دیا۔ رحم دل شاہزادہ حجرہ کے دروازے پر خود گیا، اس کو معاف کیا، اس کی تسلی و تشفی کی اور پیار و محبت سے دروازہ کھلوایا۔ امیر خلیل نے دروازہ کھولا اور سامنے آکر سر شاہزادے کے پیروں پر رکھ دیا۔ شاہزادے نے اس کا سر اٹھایا، اس کو بوسہ دیا اور اپنے ساتھ باغ میں لے گیا۔ وہاں انعامات سے نوازا۔ یہ واقعہ شاہزادے کی شرافت، بردباری اور رحمدلی کی روشن دلیل ہے۔ (۲)

شاہزادہ ماہر خطاط تھا۔ محقق اور ثلث استادانہ انداز میں لکھتا تھا، مسجد گوہر شاد مشہد کے پیش طاق (محراب) کا کتبہ خط ثلث میں اس نے خود لکھا ہے۔ اس وقت اس کی عمر بیس سال کی تھی۔ اس کے ہاتھ کا قلمی قرآن مجید کا نسخہ لٹن لائبریری

۱-سرگزشت خط نستعلیق، از عبداللہ چغتائی، ص ۳۲، ۲-خوش نویسان و ہنرمندان از فکری سلجوقی، ص ۱۴، کابل ۱۳۴۹ش،

علی گڑھ یونیورسٹی میں محفوظ ہے۔(۱)

اس کے دور میں اسلامی فنون لطیفہ کے دو زندہ جاوید شاہکار تیار ہوئے۔ مسجد گوہر شاد مشہد تعمیر میں، اور شاہنامہ فردوسی، بایسنغری فن خطاطی میں، یہ دونوں لاثانی نمونہ ہائے فن ہیں۔

بایسنغر کا ایک شعر بہت مشہور ہے ۔

گدائے کوئے او شد بایسنغر
گدائے کوئے خوباں بادشاہ است

بایسنغر کے بعد ابوالغازی سلطان حسین بن منصور بن بایسنغر (۸۷۳-۹۱۱/۱۵۰۵) نے فنون وعلوم کی بے حد قدر و منزلت کی ہے۔ سلطان حسین مرزا نے اطراف و اکناف سے اہل علم اپنے دربار میں جمع کر لئے تھے۔ مثلاً علماء میں مولانا عبدالرحمٰن جامی، ملّا عبدالغفور لاری، ملّا حسین سیف الدین بن سعد الدین تفتازانی، میر جمال الدین محدث و مرتاض، شعراء میں بنائی، معمائی، ہلالی، علی شیر نوائی، آصفی وغیرہ۔ مصوروں میں استاد بہزاد اور شاہ مظفر مؤرخوں میں میر خوند اور اس کا فرزند خوند میر وغیرہ۔ سلطان حسین مرزا بڑا علم دوست تھا۔ بارہ ہزار طلبہ اس کے خزانے سے وظائف پاتے تھے۔(۲) وہ صاحب تصنیف تھا۔ مجالس العشاق فارسی زبان میں اس کی تصنیف ہے۔ وہ صاحب دیوان شاعر تھا، حسینی اس کا تخلص ہے۔ اس کے دربار کی خوبی یہ تھی کہ مشہور علم دوست اور علم نواز وزیر میر علی شیر نوائی (۹۰۶/۱۵۰۰) اس کے پاس تھا۔ وہ خود بھی صاحب دیوان تھا اور ترکی چغتائی کا بہترین شاعر تھا۔ اس کا ترکی دیوان حال ہی میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے دستیاب ہوا ہے۔

امیرت تیمور سے لے کر سلطان حسین مرزا بایقرا تک ڈیڑھ سو سال کی مدت میں فنون لطیفہ نے وہ ترقی کی اور ان فنون کو وہ فروغ حاصل ہوا کہ اس سے زیادہ متصور نہیں ہو سکتا۔ فنون لطیفہ کا یہ زریں دور پھر کسی خانوادہ کو میسر نہ آسکا۔ دبستانِ ہرات نے ہمیشہ کے لئے ایک لاثانی معیارِ فن و قدردانی قائم کر دیا۔ دبستان ہرات کے چند اہم قلمکاروں کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

☆ مرزا جعفر تبریزی

قدیم مؤرخ اس کا نام اس طرح لکھتے ہیں۔ قبلۃ الکتاب مولانا کمال الدین میر جعفر بایسنغری تبریزی۔ تذکرہ نگار اس کو خط نستعلیق کا تیسرا استاد تسلیم کرتے ہیں۔ میر علی تبریزی اور میر عبداللہ تبریزی کے بعد اس کا درجہ ہے۔ خط نستعلیق کو نکھارنے اور سنوارنے میں اور اس کی ترویج و اشاعت میں میر جعفر کی خدمات بہت زیادہ ہیں۔ شاہ زادہ بایسنغر مرزا کی اس پر بے حد عنایات تھیں۔ وہ چالیس سال تک شاہ زادہ کے دربار سے وابستہ رہا ہے۔ اس وجہ سے بایسنغری اس کے نام کا جزو بن گیا ہے۔ اس بات کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ شاہزادہ فنون لطیفہ اور خطاطی کا بڑا شیدائی تھا۔ اس کے دربار سے چالیس مشہور اور

۱- صحیفہ خوش نویساں، از احترام الدین شاغل، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ، ص ۹۲، ۲- مقالات مولوی محمد شفیع، ص ۹، بحوالہ تحفہ سامی،

اپنے اپنے فن کے ماہر فن کار وابستہ تھے۔ اس "مجلس چہل گانہ نگارستان ہرات" کا میر مجلس شاہ زادے نے مرزا جعفر تبریزی کو بنایا تھا۔ مرزا جعفر نے شش قلم کی تعلیم شمس الدین قطابی مشرقی سے حاصل کی تھی اور خط نستعلیق کی تعلیم عبداللہ بن میر علی تبریزی سے حاصل کی تھی۔ ان خطوط کے لکھنے میں اس کو استادانہ مرتبہ حاصل تھا۔ مرزا جعفر خط نستعلیق کے علاوہ خط ثلث ریحان، نسخ، رقاع، توقیع اور تعلیق میں بھی بڑی مہارت رکھتا تھا۔

اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قطعات ایران اور قسطنطنیہ کے دارالآثار میں موجود ہیں۔ اس دور میں فن خطاطی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ شاہ زادے کے حکم سے اس نے شاہنامہ فردوسی کو نہایت خوبصورت لکھا ہے۔ یہ شاہنامہ بایسنغری کے نام سے شہرت رکھتا ہے۔ یہ تہران کے سرکاری کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں بے دریغ دولت صرف ہوئی ہے اور بے حد محنت کی گئی ہے۔ اس کتاب کی کتابت، تذہیب، ترصیع، تشعیر، تصویر، تجلید اس پائے کی ہے کہ اس سے بہتر تصور نہیں کی جاسکتی ہے۔ یہ دنیا کی حسین ترین کتابوں میں سے ایک ہے۔ یہ ۸۳۳ھ میں لکھی گئی ہے۔ مرزا جعفر تبریزی کے قلم کا لکھا ہوا، "کلیات ہمام تبریزی" کا نسخہ کتاب خانہ ملی پیرس فرانس میں موجود ہے۔ اس پر سن کتابت ۸۱۰ھ درج ہے۔

اس کا ایک اہم کارنامہ جنگ بایسنغری ہے۔ (جنگ بوزن زلف) شاہ زادہ بایسنغر مرزا ابن شاہ رخ بن امیر تیمور (۸۰۲-۸۳۷ھ) نے خراسان کی گورنری کے زمانے میں ہرات میں بیٹھ کر فنون لطیفہ خاص طور پر فن خطاطی کی بے حد قدر و منزلت کی، بے حد خدمت کی۔ تاریخ عالم میں علوم و فنون کی قدردانی کی دوسری اور کوئی مثال اس پائے کی نہیں ملتی، مگر افسوس شاہ زادے کا انتقال عین جوانی یعنی ۳۵ سال کی عمر میں باپ کی زندگی میں ہی ہو گیا۔ تمام لوگوں کو اس کی موت پر بے حد رنج ہوا۔ شاعروں نے اس کے غم میں بڑے پر سوز مرثیے کہے ہیں۔ میر جعفر نے ان سب کو جمع کر کے ایک جنگ تیار کی۔ اس کو اظہر تبریزی نے نہایت خوبصورت انداز میں لکھا۔ پھر میر جعفر نے یہ جنگ شاہ زادے کے والد شاہ رخ مرزا والئی ہرات کی خدمت میں پیش کی۔ خوش قسمتی سے یہ جنگ حاجی محمد **نخجوانی** طہرانی کے کتب خانے میں موجود ہے۔

آج کل علمی دنیا میں ایک روایت ہے کہ کسی بڑے صاحب علم کی وفات ہوتی ہے تو اہل علم اپنی اپنی تحقیقی نگارشات پیش کرتے ہیں اور اس مجموعے کو اس مصنف کے نام سے ارمغانِ علمی کے طور پر شائع کرتے ہیں- اس روایت کو جدید دور کا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں بھی یہ روایت موجود تھی۔ مرزا جعفر تبریزی کا تیار کردہ جنگ ہماری معلومات کی حد تک پہلا علمی ارمغان ہے۔ جو ایک علم پرور شیدائے فن بیٹے کی موت پر اس کے باپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس سنت حسنہ کا بانی ہم مرزا جعفر تبریزی کو قرار دے سکتے ہیں۔

مرزا جعفر شریف النفس اور خوش اخلاق آدمی تھا۔ اس کے شاگردوں کی فہرست خاصی طویل ہے۔ اس کے شاگرد نامور خطاط بنے۔ ایران میں خط نستعلیق کو فروغ دینے میں اس کو بھی دخل حاصل ہے۔ اس کی تاریخ وفات صحیح طور پر معلوم نہیں ہے۔

جعفر تبریزی کے قلم سے مختلف خطوط کے نمونے،
ریحان، ثلث، توقیع، رقع، نسخ، تعلیق، نستعلیق

بایسنغر مرزا کے انتقال (۸۳۷ھ) کے بعد جعفر تبریزی ہرات سے ماوراء النہر چلا گیا تھا۔ تین سال تک اس نے بلخ میں قیام کیا۔ ایک سال خوارزم میں رہا۔ پھر ایک سال سمرقند میں رہا۔ آخری ایام بخارا میں گزارے۔ وہاں ۸۶۰ یا ۸۶۱ھ میں اس کا انتقال ہوا۔

اس کے شاگردوں میں اظہر تبریزی، عبداللہ طباخ، عبدالحی منشی استر آبادی اور شیخ محمود زریں رقم بہت مشہور ہیں۔

☆ اظہر تبریزی

مولانا ظہیر الدین اظہر تبریزی مرزا جعفر تبریزی کا شاگرد تھا۔ مہارت فن کے باعث نقادوں کی رائے یہ ہے کہ فن نستعلیق کا یہ تیسرا استاد ہے۔ اکثر لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ مرزا جعفر بایسنغری اپنے استاد میر علی تبریزی سے بہتر خوش نویس تھا۔ اس طرح اظہر تبریزی مرزا جعفر سے بہتر خوش نویس تھا، مگر صحیح فیصلہ میر علی ہروی نے کیا ہے۔ رسالہ مدار الخطوط میں وہ لکھتا ہے کہ "خط نستعلیق میں اظہر کی نسبت جعفر کے ساتھ ایسی ہے جیسے خط ثلث میں عبداللہ صیرفی کی نسبت یاقوت مستعصمی کے ساتھ ہے، یعنی دونوں اگرچہ استاد سے صاف تر لکھتے ہیں لیکن اصولوں کی پیروی میں استاد کو نہیں پہنچ سکے۔" بہر کیف اظہر نستعلیق کا بہت باکمال خطاط ہے۔ نستعلیق کے علاوہ وہ شش قلم کا بھی ماہر تھا۔ اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قطعات ایران اور ترکی کے کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ اس کے ہاتھ کا لکھا ہو خمسہ نظامی گنجوی اور خمسہ امیر خسرو دہلوی پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ یہ ۸۷۷ھ کا تحریر کردہ ہے۔ اس کے شاگرد بہت مشہور خطاط ہوئے ہیں۔ جیسے سلطان علی قاینی، سلطان علی مشہدی، مالک دیلمی، عبدالرحیم انیس خوارزمی۔

اظہر تبریزی کے قلم سے
نستعلیق کا ایک نمونہ

مرزا بایسنغر کی وفات کے بعد یہ تبریز چلا گیا تھا۔ وہاں مرزا ابو سعید گورگانی (۸۵۵ - ۸۷۳ھ) کا ملازم ہو گیا۔ جب الغ بیگ کو غلبہ حاصل ہو گیا تو وہ کتب خانے سے متعلق تمام افراد کو سمرقند لے گیا۔ اسی سال کی عمر میں ۸۸۰ھ میں اس کا انتقال ہوا ہے۔ وہ بیت المقدس میں مدفون ہے۔(۱)
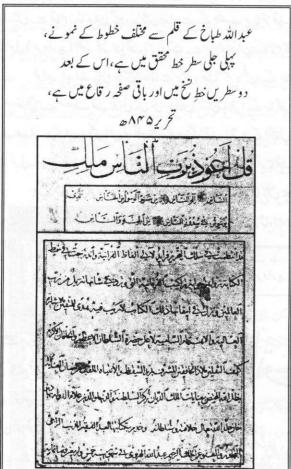
☆ عبداللہ طباخ ہروی

عبداللہ کا باپ باورچی تھا۔ اس لئے طباخ اس کے نام کا جزو بن گیا۔ یہ بڑا ماہر خطاط تھا۔ خطوط شش گانہ بہت خوب لکھتا تھا۔ بعض نقاد ان فن نے لکھا ہے کہ اگر جعفر تبریزی کو خط نستعلیق کا ابن مقلہ تصور کیا جائے تو پھر خواجہ شہاب الدین عبداللہ طباخ کو یاقوت مستعصمی کا درجہ ملنا چاہئے۔(۲) خط نسخ بھی یہ بہت خوبصورت لکھتا تھا۔ مجنوں ہراتی لکھتا ہے۔ "بہت سے اساتذۂ فن خطِ نسخ میں طباخ کی تحریروں کو خواجہ یاقوت پر برتری دیتے ہیں"۔ ڈاکٹر بیانی کے قول کے مطابق یہ خط ثلث اور خط ریحان نہایت استادانہ لکھتا تھا۔ ان تمام خوبیوں کے باعث ان کو لوگ یاقوت ثانی کہتے تھے۔ اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریریں اور قطعات سرکاری کتب خانہ طہران، توپ کاپی سرائے قسطنطنیہ اور جامعہ قسطنطنیہ میں موجود ہیں۔

عبداللہ طباخ کے قلم سے مختلف خطوط کے نمونے، پہلی جلی سطر خط محقق میں ہے، اس کے بعد دو سطریں خطِ نسخ میں اور باقی صفحہ رقاع میں ہے، تحریر ۸۴۵ھ

جعفر تبریزی اپنے اس شاگرد سے اس قدر خوش تھا کہ اس نے اس کو اپنی دامادی کے لئے قبول کر لیا تھا۔ استاد کی وفات کے بعد شاگردوں نے عبداللہ طباخ کو استاد کی جگہ مسند نشین بنایا تھا۔ حافظ فوطہ اور محمود کاتب اس کے شاگرد ہیں مگر اس کا مشہور معروف شاگرد عبداللہ بیانی مروارید ہے۔(۳)

۱- اطلس خط ص ۴۵۹، ۲- حبیب السیر، جلد ۳، ص ۱۵۰، ۳- اطلس خط، ص ۳۲۶،

☆ عبداللہ بیانی مروارید

خواجہ شہاب الدین عبداللہ مروارید متخلص بہ بیانی خواجہ شمس الدین محمد کرمانی کا فرزند تھا۔ اس کا والد کرمان کے شرفاء میں سے تھا اور خاندان تیموریہ میں وزارت کے منصب پر فائز تھا۔ ایک مرتبہ وہ حج بیت اللہ پر گیا تھا۔ واپسی میں بحرین کے موتی (مروارید) بطور تحفہ لایا تھا۔ اس وقت سے مروارید ان کے نام کا جزو بن گیا۔

خواجہ عبداللہ بیانی جامع الصفات شخص تھا۔ علم و فن کے ساتھ حسن صورت، حسن سیرت، شیریں گفتاری اور مکارم اخلاق سے متصف تھا۔ جوانی میں ہی سلطان حسین بایقرا کے ساتھ وابستہ ہوگیا تھا۔ وہاں اس کی بڑی عزت و توقیر تھی، حتیٰ کہ صدارت کا عہدہ بھی اس کو تفویض کر دیا گیا تھا۔ بایقرا کے انتقال کے بعد یہ دنیا سے دست کش ہوگیا، اور گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ سارا وقت تلاوت قرآن مجید اور عبادت الٰہی میں بسر کرتا تھا۔

جب شاہ اسمٰعیل صوفی (۹۰۷-۹۳۰ھ) خراسان پر قابض ہوگیا تو اس نے خواجہ عبداللہ مروارید کو شاہی تاریخ لکھنے پر مامور کیا اور پھر شاہ زادے سام مرزا کا اتالیق مقرر کر دیا۔ شاہ زادہ سام مرزا نے اپنی کتاب تحفہ سامی میں خواجہ کا حال بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔

عبداللہ بیانی مروارید کے قلم سے خطِ محقق، نسخ و رقاع، تحریر ۹۱۲ھ

خواجہ عبداللہ بیانی علوم متداولہ سے پوری طرح واقف تھا۔ نظم و نثر لکھنے پر یکساں قدرت رکھتا تھا۔ خطوط شش گانہ خوب لکھتا تھا۔ اس نے خط تعلیق خواجہ سلیمان سے اور نستعلیق سلطان محمد نور سے حاصل کیا تھا۔ مگر حق بات یہ ہے کہ وہ عبداللہ طباخ ہروی کا شاگرد تھا۔ ان کے مزاج میں بڑی جدت پسندی تھی۔ رسالہ قواعد الخطوط میں درویش محمد نے لکھا ہے۔ "افشار غبار" اور "رنگ آمیزی ابری" کاغذ اس کی اختراع ہے۔
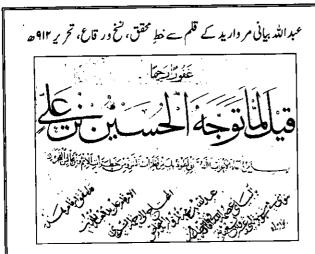
مرقع بہزاد ہروی پر خواجہ نے ایک مبسوط مقدمہ لکھا تھا۔ جو اس کی کتاب "منشات مروارید" میں موجود ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ راقم السطور کے پاس موجود ہے۔ یہ اہم مقدمہ آج تک طبع نہیں ہوا ہے، دنیا اس سے ناواقف ہے۔ اس کے آثار تحریر ایران اور استنبول کے کتب خانوں میں موجود ہیں- سنہ ۹۲۲ھ میں اس کا انتقال ہوا ہے۔ (۱)

۱۔ اطلس خط، ص ۳۲۷،

☆ سلطان علی مشہدی

مولانا نظام الدین سلطان علی مشہدی خط نستعلیق کا مشہور ترین استاد ہے۔ اس کو لوگوں نے مختلف خطابات سے نوازا ہے۔ سلطان الخطاطین، قبلۃ الکتاب، زبدۃ الکتاب وغیرہ۔ سلطان علی مشہدی نے اپنی منظوم خود نوشت میں اپنے حالات لکھے ہیں - وہ مشہد کا رہنے والا تھا۔ سات سال کی عمر میں یتیم ہو گیا تھا۔ تعلیم و تربیت کا بار بیوہ ماں پر آ پڑا۔ بیس سال کی بڑی عمر میں مدرسے میں داخل ہوا۔ خوش نویسی کا بہت شوق تھا۔ صبح سے شام تک تختی پر مشق کرتا رہتا تھا۔ اتفاق سے وہاں سے میر مفلس ایک عارف زمانہ کا گزر ہوا۔ اس نے تختی پر حروف لکھ کر دیئے۔ اس طرح خوش نویسی کی طرف مزید رغبت بڑھ گئی۔ خواب میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ انہوں نے قلم ہاتھ میں دیا اور لکھنا سکھایا۔ اس طرح انہوں نے لکھنا سیکھا اور خط میں کمال حاصل کیا۔ بتدریج ان کی شہرت پھیل گئی۔ شاگرد اصلاح خط کے لئے آنے لگے مگر یکایک اس کو خیال آیا کہ ابھی تک خط میں پختگی پیدا نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے ایک مدت کے لئے گوشہ گیر ہو گیا اور خط کی مشق کرتا رہا۔

سلطان علی مشہدی کے قلم سے
نستعلیق کا نمونہ

بہرکیف ان کے خط کی شہرت سلطان حسین بن منصور بایقرا (۸۷۳-۹۱۲ھ) کو پہنچی۔ اس نے ان کو بلوالیا اور اپنے کتب خانے میں کتابت پر مامور کر دیا۔ سلطان حسین کے پاس سلطان علی مشہدی نے بڑے عیش و آرام کا زمانہ گزارا۔ وہاں مولانا عبدالرحمٰن جامی جیسے فاضل اجل اور امیر شیر علی نوائی جیسے مدبر کی رفاقت اور صحبت میسر تھی۔ سلطان علی مشہدی حسنِ صورت اور حسن سیرت دونوں سے متصف تھا۔ مرد پرہیزگار اور درویش منش تھا، شاعری پر قدرت رکھتا تھا، مگر اس کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔

خطاطی میں بعض لوگ ان کو اظہر تبریزی کا بلاواسطہ شاگرد بتاتے ہیں مگر دوسرے لوگ اس کو اظہر کے شاگرد حافظ حاجی محمد کا شاگرد بتاتے ہیں، لیکن علامہ ابو الفضل کی رائے یہ ہے کہ اس نے مولانا اظہر سے بالمشافہہ تعلیم حاصل نہیں کی ہے۔ بلکہ بالواسطہ ان کی تحریرات کو سامنے رکھ کر خط کی مشق بہم پہنچائی ہے۔ فن خطاطی پر اس نے ایک رسالہ صراط الخطوط تصنیف کیا ہے۔ کتبہ مزار
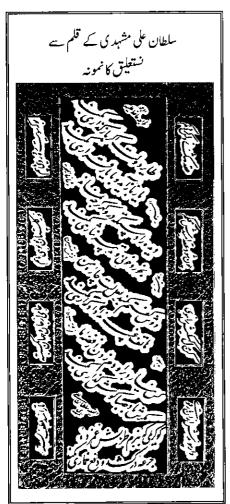
عبداللہ انصاری ہرات، رباعیات عمر خیام(۱) تحفۃ الاحرار جامی، مخزن الاسرار نظامی، دین حافظ، غزلیات شاہی ترکی وغیرہ اس کی ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں، جو ایران اور ترکی کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اس کے آثار قلم اتنے زیادہ ہیں کہ بعض لوگ ان کو درست تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ فن خوش نویسی میں اس کے مرتبے کو میر علی ہروی نے مدار الخطوط میں بیان کیا ہے، وہ لکھتا ہے۔ ''سلطان علی اصول پسندی میں خواجہ جعفر تبریزی کے ہم پلہ ہے اور صفائے کتابت میں اظہر تبریزی کے مانند ہے۔''

خوش نویسوں میں کوئی شخص اتنا خوش قسمت نہیں تھا جتنا کہ سلطان علی مشہدی۔ کتابت کی وجہ سے وہ بڑے عروج پر پہنچا۔ تمام مؤرخ اور تمام تذکرے اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کی شہرت کی وجوہات بیان کی ہیں۔ اس کے شاگرد بہت تھے۔ یاقوت مستعصمی کی طرح سلطان علی مشہدی کے بھی چھ شاگرد استاد زمانہ کی حیثیت سے مشہور ہوئے ہیں۔ جن میں سلطان محمد نور اور محمد ابریشمی، سلطان محمد خنداں، زین الدین محمود سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کے قلم کے آثار بہت ملتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اس نے مدت العمر ایک جگہ بسر کر دی اور آخری بات یہ ہے کہ مرتے دم تک فن کی مشق جاری رکھی۔ وہ خود کہتے ہیں۔

مرا عمر شصت و سہ شد بیش و کم
ہنوزم جوان است مشکیں قلم
ہنوز آں چناں است از فضل حق
کہ باطل نہ گردانم الحق ورق
توانم ہنوز از خفی و جلی
نوشتن کہ العبد سلطان علی

۹۳۶ھ میں ۸۵ سال کی عمر میں اس کی وفات ہوئی۔ (۲)

☆ سلطان محمد نور

اس کا پورا نام سلطان محمد بن نور اللہ تھا مگر عام طور پر سلطان محمد نور کے نام سے معروف تھا۔ ہرات کا رہنے والا تھا۔ خط کی تعلیم اس نے سلطان علی مشہدی سے پائی تھی۔ بڑی جلدی مشق بہم پہنچا کر اس نے ناموری حاصل کر لی تھی۔ سلطان علی مشہدی اس پر بڑا مہربان تھا اور اس سے بہت خوش تھا۔

یہ سلطان حسین بایقرا کے وزیر دانشمند علی شیر نوائی (۸۴۴-۹۰۶ھ) کے ملازمین میں شامل ہو گیا تھا اور کتابت پر

۱۔ رباعیات عمر خیام از قلم سلطان علی مشہدی کا مصور نسخہ دسینہ بہار کی لائبریری میں موجود ہے۔ جس کے متعلق یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ رباعیات کا یہ اولین مصور نسخہ ہے جو دنیا میں موجود ہے۔ الزبیر کتب خانہ نمبر ص ۱۸۵، ۲- اطلس خط، ۲۶۸-۲۶۹،

مامور تھا، البتہ انقلاب حکومت کے بعد یہ بھی بخارا چلا گیا تھا اور آخر تک وہیں رہا۔ ۹۴۰ھ میں اس کا بخارا میں انتقال ہوا۔

سلطان محمد نور قوت کتابت سے متصف تھا۔ اس نے اپنے خط کو استاد کے خط سے ملا دیا تھا۔ ماہرین فن کی رائے اس کے خط کے متعلق یہ ہے کہ خط خفی کوئی بھی اس سے بہتر نہیں لکھ سکا۔ خط میں اس کا مقام سلطان محمد خنداں سے برتر ہے۔ بعض لوگوں نے تو اس کو اظہر ثانی لکھا ہے۔ یہ شعر بھی کہتا تھا۔ مشہور مؤرخ خوند میر نے اس کے اخلاق اور کردار کی بھی تعریف کی ہے۔(۱)

سلطان محمد نور کے قلم سے خط نستعلیق کا ایک خوبصورت نمونہ

☆ انقلاب حکومت

سلطان حسین بن منصور بایقرا کا دربار ہرات میں سارے عالم میں شان و شوکت، شاہانہ کروفر، علوم و فنون کی پرورش میں لاثانی تھا۔ ہر قسم کے فنکار اور ماہرین وہاں جمع ہوگئے تھے۔ ۹۱۱ھ میں شہزادے کی وفات ہوگئی، اس کی اولاد نااہل نکلی، اس کی پر شکوہ سلطنت کو سنبھال نہ سکی، ادھر شیبانی خاں ازبک والی بخارا نے ۹۱۳ھ میں خراسان اور ہرات پر قبضہ کرلیا۔ چند سالوں کے بعد شاہ اسمٰعیل صفوی شاہ ایران نے ازبکوں کو شکست دے دی۔ ۹۱۷ھ میں خراسان اور ہرات پر قبضہ کرلیا۔ چند سالوں کے بعد شاہ اسمٰعیل صفوی شاہ ایران نے ازبکوں کو شکست دے دی۔ ۹۱۷ھ میں ہرات پر صفویوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس طرح عظیم الشان تیموری سلطنت ختم ہوگئی۔ اس کے جانشین ایران و عراق میں صفوی اور ماوراء النہر میں ازبک حکمران بن گئے۔ صرف ایک تیموری شہزادہ بابر ہندوستان میں آکر مغل سلطنت کا بانی ہوا۔ اس انقلاب نے ہرات کی بزم علم و ہنر کو بری طرح منتشر کردیا۔

آں قدح بشکست و آں ساقی نہ نماند

البتہ بزم ہرات کے لوگ جہاں جہاں پہنچے انہوں نے وہاں نئی بزم علم و ادب کی طرح ڈالی۔ نئی بزم کی بساط جمائی۔ خط نستعلیق جب ہرات کی بزم میں پہنچا تو نوخیز تھا۔ وہاں وہ شباب کو اور پختگی کو پہنچا۔ خط کو جو عروج ہرات میں نصیب ہوا وہ پھر اس کو کہیں بھی میسر نہ آسکا۔ البتہ ہرات کے بعد خط کی قلمرو وسیع تر ہوگئی۔

۱- اطلس خط، ص ۳۷۴، سرگزشت نستعلیق، ص ۲۹،

آیت الکرسی
اللّٰہ لا الہ الا ھو الحی القیوم
لا تاخذہ سنۃ ولا نوم لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض
من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ یعلم ما بین ایدیھم وما
خلفھم ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء وسع کرسیہ
السمٰوٰت والارض ولا یؤدہ حفظھما وھو العلی العظیم

باب ۲۲
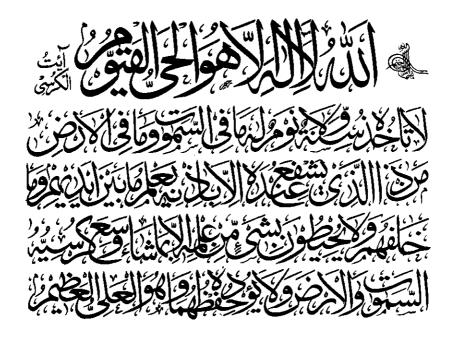
دبستان بخارا

تیموریوں کے زوال کے ایام میں محمد شیبانی ازبک نے ۹۰۶ھ میں ماوراء النہر میں ایک نئی حکومت قائم کر دی تھی۔ جس کا صدر مقام بخارا تھا۔ شیبانی خان نے آگے بڑھ کر ۹۱۲ھ میں ہرات کے مرکز علم و ہنر پر بھی قبضہ کر لیا۔ ۹۱۷ھ میں صفویوں نے ازبکوں کو شکست دی اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ شیبانی خان کے بھائی عبید اللہ خاں نے ۹۳۵ھ میں دوبارہ ہرات کو صفویوں سے چھین لیا۔ وہ ہرات میں موجود تمام علماء، شعراء، فن کار اور ہنر مندوں کو اپنے ساتھ بخارا لے گیا۔ بخارا میں علم وہنر کی نئی بساط جمی۔ اس طرح دبستانِ بخارا وجود میں آیا۔

عبید اللہ خاں مندرجہ ذیل خطاطوں اور فن کاروں کو اپنے ساتھ بخارا لے گیا تھا۔

۱- استاد میر علی ہروی،

۲- میر سید آہو چشم،

۳- محمود بن اسحاق شہابی،

۴- سلطان علی مشہدی بھی آخری ایام میں بخارا چلے گئے تھے، ان کا انتقال بخارا میں ہوا ہے۔

اس دور کے فن تعمیر کی یادگار مدرسہ میر عرب بخارا ہے۔ جو ۹۴۲ھ میں تعمیر ہوا تھا۔ میر علی ہروی نے یہ قطعہ اس مدرسے پر لکھا تھا۔ ؎

میر عرب قطب زماں غوث دہر
ساخت چنیں مدرسہ ایں بوالعجب

بوالعجب ایں است کہ تاریخ اوست
مدرسہ عالی میر عرب
۲ ۴ ۹ ھ

یہ عمارت تعمیری کمال اور فنی ندرت کے باعث بہت مشہور ہے۔ موجودہ حکومت آج بھی سیاحوں کو یہ عمارت دکھاتی ہے۔

☆ میر علی ہروی

میر علی ہروی ہرات کے سادات حسینی میں سے تھے۔ تذکروں میں اس کا مولد تبت لکھا ہے۔ ممکن ہے اس سے کشمیر کا مشرقی حصہ مراد ہو۔ اس نے سلطان علی مشہدی کے شاگرد زین الدین محمود کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور فن خطاطی کی تعلیم حاصل کی۔ جلد ہی خوش نویسی میں نام آور بن گیا۔ اس زمانہ میں ہرات پر مرزا سلطان حسین بن منصور بایقرا کی حکومت تھی۔ وہ فن کاروں کا بڑا قدردان تھا۔ میر علی ہروی اس کے دربار سے وابستہ ہو گیا اور اس کی زندگی تک اس کے لطف و کرم کے زیر سایہ بڑے آرام سے وقت گزارا۔ انقلاب حکومت کے بعد صفویوں نے بھی میر علی ہروی کی قدردانی کی۔ مرزا سام صفوی کے سایہ عاطفت میں ۹۳۵ھ تک ہرات میں ہی رہا۔ جب ہرات پر دوبارہ ازبکوں کا قبضہ ہو گیا تو عبید اللہ خان ازبک میر علی ہروی کو اپنے بچوں کا اتالیق بنا کر اپنے ساتھ بخارا لے گیا۔

میر علی ہروی کی آمد کے بعد بخارا میں ایک نئے دبستان کا آغاز ہوا۔ ہنر مند اور فنکار وہاں جمع ہوتے گئے۔ ان کو علم پرور اور قدردان سلطان ابو الغازی عبد العزیز خان (۹۴۷-۹۵۷ھ) مل گیا۔ اس نے فروغ علم اور ترقی فن پر خاص توجہ کی۔ بے دریغ روپیہ صرف کیا۔ اس کے بعد سے بخارا میں خوبصورت اور نفیس کتابیں تیار ہونے لگیں۔ سلطان ابو الغازی کا کتب خانہ اس دور میں لاثانی تھا۔ مولانا سلطان میرک اس کتب خانہ کا کتاب دار تھا۔ کتب خانہ میں میر علی ہروی اور سلطان میرک کی نگرانی میں کتابیں تیار ہوتی تھیں۔

میر علی ہروی بخارا میں اپنی مرضی کے خلاف گیا تھا۔ وہاں کا تمام زمانہ اس نے بڑی دل گرفتگی کے ساتھ گزارا۔ وہاں رہائی حاصل کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں۔ اس دور میں اس نے رقت آمیز اشعار لکھے ہیں۔ ؎

عمرے از مشق دو تا بود قدم ہمچوں چنگ
تاکہ خط من درویش بدیں قانون شد
طالب من ہمہ شاہان جہان اند ولے
چوں گدایان جگر از بہر معیشت خوں شد

سوخت از غصہ درونم چہ کنم چوں سازم
کہ مرا نیست ازیں شہر رہ بیروں شد
ایں بلا برسرم از حسن خط آمد امروز
وہ کہ خط سلسلہ پائے من مجنوں شد

سولہ سال بخارا میں قیام کرنے کے بعد موت نے رہائی دی۔ ۹۵۱ھ میں میر علی ہروی کا انتقال ہو گیا۔ "میر علی فوت نمودہ" اس کی تاریخ ہے۔

میر علی ہروی مہذب، خوش اخلاق اور شائستہ اطوار آدمی تھا۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی سے اس کے گہرے مراسم تھے۔ تمام تذکرہ نگار اس کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ اس کو سلطان مشہدی پر ترجیح دیتے ہیں بلکہ بعض لوگوں کا تو دعویٰ یہ ہے کہ آغاز خط نستعلیق سے لے کر یعنی میر علی تبریزی سے لے کر میر عماد الحسینی تک کوئی خطاط خوش نویسی میں میر علی ہروی کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ البتہ بابا شاہ اصفہانی اور شاہ محمود نیشاپوری اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ بزرگ ترین خطاط میر عماد الحسینی فرماتے ہیں۔ "خوش نویسوں کا سردار میر علی ہے جس نے تمام سابق استادوں کے خطوط پر قلم تنسیخ کھینچ دیا ہے۔ اس نے خط کو اس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ اگر زمانے بھر کے کاغذ اس کی تعریف میں لکھے جائیں تب بھی حق ادا نہ ہو سکے گا"۔(۱)

قوت دست، رعایت اسلوب، متانت، رعونت، صفائی، استحکام، ہمواری اور تیزی تمام صفات میں میر علی ہروی بے مثال ہے۔

ایک خطاط کے لئے درکار ضروری صفات کو میر علی ہروی نے ایک قطعہ میں جمع کر دیا ہے ۔

پنج چیز است کہ تا جمع نہ گردد در خط
ہست خطاط شدن نزد خرد منداں محال
دقت طبع و وقوفی ز خط و خوبی دست
طاقت محنت و اسباب کتابت بکمال
در ازیں پنج یکے راست قصورے حاصل
ندہد فائدہ گر سعی نمائی صد سال

میر علی ہروی نے خطاطوں کی ہدایت کے لئے فن خطاطی پر ایک رسالہ بھی تحریر کیا ہے، جس کا نام ہے مدار الخطوط یہ رسالہ طبع ہو چکا ہے۔ میر علی کو اتنے باکمال شاگرد ملے کہ شاید ہی کسی دوسرے خطاط کو اتنے شاگرد ملے ہوں، جن میں مالک دیلمی کا نام سرفہرست ہے۔ محمد حسین کشمیری اور میرک بخاری بھی نام آور ہیں۔

میر علی ہروی کے آثار خط بہت زیادہ ہیں۔ مختلف کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا یوسف زلیخا کا

۱- اطلس خط، ص ۴۷۶،

مصور نسخہ بھی موجود ہے جو فن کا نادر نمونہ شمار ہوتا ہے۔ اس میں خطاطی اور مصوری دونوں کا کمال ہے۔ اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی بوستان سعدی کابل افغانستان میں موجود ہے۔

مثنوی گوئی چوگان از مولانا محمود عارفی خواجہ میر علی ہروی نے ۹۳۹ھ بمقام ہرات لکھی تھی۔ یہ نسخہ گولکنڈہ کے قطب شاہی کتب خانے میں تھا۔ وہاں سے مغل سلاطین کے کتب خانے میں منتقل ہوا۔ کتاب خانہ مغل کے تحصیل دار نے اس کی قیمت دو ہزار روپیہ قرار دی ہے۔ آج کل یہ نواب حبیب الرحمن خان شروانی کے ذخیرے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے۔ (۱)

☆ محمود شہابی

عبید خاں از بک جن فن کاروں کو ہرات سے بخارا لے گیا تھا ان میں خواجہ اسحاق شہابی سیاوشانی ہروی بھی تھا۔ محمود شہابی ان کا لڑکا ہے۔ محمود شہابی نے ہرات میں میر علی ہروی سے خطاطی کی تعلیم حاصل کی اور قلیل مدت میں نام پیدا کرلیا۔ یہ اپنے استاد کی روش پر بہت خوب لکھتا تھا۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ استاد کو اپنے قابل فخر شاگرد پر ناز تھا، مگر بعد میں تعلقات خراب ہوگئے۔ استاد شاگرد سے ناراض ہوگیا۔

محمود شہابی ایک مدت تک بخارا میں رہا مگر جب وہاں دل تنگ ہوا تو وہاں سے بلخ چلا گیا۔ بلخ میں اس کی خوب شہرت ہوئی۔ اس کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ تذکرہ نویس اس کے اخلاق کی تعریف کرتے ہیں۔ ۸۰ سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوا ہے۔ اس کا انتقال ۹۹۳ھ کے بعد ہوا ہے۔ (۲)

☆ سید احمد الحسنی مشہدی

اس کا تعلق مشہد کے سادات سے تھا۔ ہرات میں وہ میر علی ہروی کی شاگردی میں تھا، جب میر نے بخارا کا سفر اختیار کیا۔ تو یہ بھی اپنے استاد کے

سلطان علی مشہدی کے قلم سے خط نستعلیق کا ایک خوبصورت نمونہ

محمود شہابی، خط نستعلیق

۱۔ اطلس خط، ص ۴۷۷،
۲۔ اطلس خط، ص ۴۷۹،
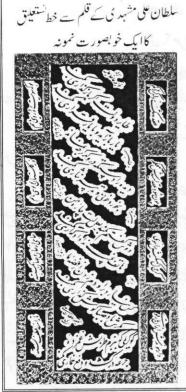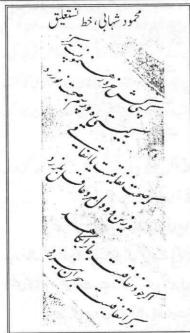
سید احمد حسنی مشہدی
خط نستعلیق

ساتھ بخارا چلا گیا۔ وہاں یہ عبدالعزیز خان ازبک کے کتاب خانے میں کتابت پر مامور ہو گیا۔ عبدالعزیز کے انتقال ۹۶۹ھ کے بعد سید احمد واپس مشہد میں آ گیا۔ یہاں آ کر وہ صفویوں کے دربار سے وابستہ ہو گیا، لیکن یہاں بھی زیادہ عرصہ قیام نہیں کیا۔ یہاں سے وہ مراد خان مازندرانی حاکم کے پاس چلا گیا۔ کچھ عرصہ وہاں رہا۔ اس کے انتقال کے بعد پھر مشہد میں واپس آ گیا۔ جب شاہ اسمٰعیل دوئم ایران کا سلطان بنا (۹۸۴ھ) تو اس نے اس کو قزوین میں بلالیا اور وہیں ۹۸۶ھ میں سید احمد کا انتقال ہو گیا۔ خطاطی میں وہ اپنے استاد میر علی ہروی کی بڑی کامیابی سے نقل کر لیتا ہے۔ استاد کی نگارش کے اثرات اس کی تحریرات میں ہیں۔ اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قطعات مختلف مقامات پر موجود ہیں۔(۱)

☆ میر کلنگی

اس کا پورا نام میر حسین حسینی بخاری معروف بہ میر کلنگی تھا۔ یہ میر علی ہروی کے معروف تلامذہ میں سے تھا۔ میر علی ہروی سے بخارا میں اس نے فن خطاطی کی تعلیم حاصل کی تھی اور پھر نام پیدا کیا۔ وہ امیر بخارا سلطان عبداللہ ثانی (۹۶۴-۱۰۰۱ھ) کے کتب خانے میں کتاب دار مقرر ہو گیا تھا۔ اس کی وفات ۹۸۲ھ میں بخارا ہی میں ہوئی ہے۔ یہ استاد کے خط سے اپنا خط ملا دیتا تھا۔ استاد کی بہترین نقل کرتا تھا۔ اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے بعض قطعات کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان حافظ کا ایک خوبصورت نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے۔ بعض قطعات کے ترقیمے ظاہر کرتے ہیں کہ یہ لاہور پاکستان میں بھی آیا تھا۔ اس کی وفات ۹۸۳ھ میں ہوئی ہے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

۱۔ اطلس خط، ص ۴۸۱،

باسمہ سبحانہ
إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا
یقیناً اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے دُرود و رحمت بھیجتے ہیں پیغمبر علیہ السلام پر اے ایمان والو تم بھی آپ پر دُرود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو

باب ۲۳

دبستان ایران

ہرات کے خاتمے کے بعد علوم و فنون کی دوسری مجلس ایران میں شاہ اسمٰعیل صفوی نے قائم کی۔ علماء و شعراء، ہنر مند اور فنکار صفویوں کے دارالحکومت تبریز میں جمع ہونے شروع ہوئے۔ وہاں بساط علم و ادب جمنے لگی۔ شاہ اسمٰعیل صفوی کے دل میں اہل ہنر کی جو قدر و منزلت تھی، اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے کہ صفویوں اور عثمانیوں کے درمیان چالدران کے مقام پر ۹۲۰ھ میں ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی ہے۔ جب شکست کے آثار نظر آنے لگے تو شاہ اسمٰعیل نے شاہ محمود کاتب اور بہزاد نقاش کو ایک غار کے اندر پوشیدہ کرادیا تاکہ انہیں کوئی نہ لے جائے اور انہیں کوئی گزند نہ پہنچے۔ اس جنگ میں ایرانی لشکر کو شکست ہوئی۔ جنگ کے بعد شاہ اسمٰعیل صفوی نے جو پہلا کام کیا وہ یہ تھا کہ اس نے ان دونوں فنکاروں کو تلاش کرایا۔(۱) ورنہ اس شکست کا اس پر اتنا اثر پڑا تھا کہ اس کے بعد کسی نے اسے خندہ زن نہیں دیکھا۔ ۹۳۰ھ میں اس کا انتقال ہوگیا۔

شاہ محمود نیشاپوری

شاہ اسمٰعیل کی قدردانی کا جذبہ صفوی شہزادوں کو منتقل ہوا۔ بہرام

۱۔ اطلس خط، ص ۴۹۱،

مرزا بن شاہ اسمٰعیل صفوی شعر گوئی میں طاق اور خط نستعلیق کا ماہر تھا۔ یہ شہزادہ بڑا ہنر پرور تھا۔ بہت سے شعراء اور ہنر مند لوگ اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ خطاطی کے فن سے اسے اس قدر شوق تھا کہ ماہر خطاطوں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قطعات کا اس نے ایک مجموعہ تیار کیا تھا، جس کو مرقع بہرام مرزا کہتے ہیں۔ اس مجموعے سے اس دور کے خطاطوں کے متعلق بہت معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ افسوس کہ عین جوانی میں ۹۵۶ھ میں اس شاہزادے کا انتقال ہوگیا۔

دوسرا صاحب علم وفن شہزادہ سام مرزا تھا۔ یہ بھی بہت زیادہ علم دوست اور ہنر پرور تھا۔ اس کے دربار سے بھی بہت سے شعراء، ادبا، خطاط اور ہنر مند وابستہ تھے۔ اس نے اپنے زمانہ کے شاعروں، ادیبوں اور فنکاروں کا ایک مبسوط تذکرہ مرتب کیا۔ جس کو تحفہ سامی کہتے ہیں۔ اس دور کی ثقافتی سرگرمیوں کی معلومات کا یہ بہت بڑا خزانہ ہے۔

تیسرا شہزادہ سلطان ابراہیم مرزا بن بہرام مرزا بن شاہ اسمٰعیل تھا۔ بلند ہمتی، وفور علم اور جودت طبع میں یہ تمام صفوی شہزادوں میں ممتاز اور منفرد تھا۔ اہل علم، اہل فن اور اہل ہنر لوگوں سے قلبی تعلق رکھتا تھا۔ بعض تذکرہ نگار لکھتے ہیں۔ "یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ کسی بھی دور میں کوئی شہزادہ اس جامعیت کا پیدا نہیں ہوا، تمام علوم متداولہ میں وہ مہارت رکھتا تھا۔ مثلاً صرف، نحو، معانی، بیان، عروض، معما، انشاء، منطق، حکمت طبعی، حکمت الٰہی، طب، ریاضی، موسیقی، ہیئت، تاریخ، علم انساب، اسماء الرجال، اصول، احادیث، تجوید، قرأت، فنون و ہنر میں بھی اس کا درجہ بہت بلند تھا۔ مثلاً خوش نویسی، نقاشی، تذہیب، تصویر، زر افشانی، زرگری، صحافی، خیاطی، درودگری، نقاری خاتم سازی میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ مزید برآں شاہانہ مشاغل میں بھی طاق تھا۔ مثلاً شناوری، شہسواری، چوگان بازی، تیر اندازی میں بھی گوئے سبقت لے گیا تھا۔ فارسی اور ترکی زبانوں میں خوب شعر کہتا تھا۔ اس کا ترکی دیوان سرکاری کتب خانہ تہران میں موجود ہے۔ اس میں تین ہزار اشعار ہیں۔ اس کا تخلص جاہی تھا۔ اس کے پاس ایک کتب خانہ تھا اور ایک دار النوادر تھا، جس کے اندر خوشنویسوں کے خطوط وقطعات، مصوروں کی تصاویر، قیمتی جواہرات اور چینی کے ظروف جمع تھے۔ اس کے کتب خانے میں بہت سے خوش نویس، نقاش، مذہب، صحاف اور دیگر ہنر مند ملازم تھے۔ جو اپنی تخلیقات سے کتب خانے میں اضافہ کرتے رہتے تھے۔ اس کتب خانے میں ۴ہزار قلمی کتب جمع ہوگئی تھیں۔ سلطان ابراہیم مرزا بارہ سال تک خراسان (ہرات) کا فرماں روا رہا۔ پھر وہاں سے تبریز آیا اور پھر قزوین چلا گیا۔ ۹۸۴ھ میں شاہ طہماسپ صفوی کا انتقال ہوگیا۔ اس کی جگہ شاہ اسمٰعیل ثانی تخت حکومت پر بیٹھا۔ اس نے ذاتی عداوت میں ایسے قابل گوہر کو قتل کرادیا۔ شہزادہ ۹۸۴ھ میں قتل کیا گیا۔

سلطان ابراہیم مرزا نے خط کی تعلیم تو مالک دیلمی سے لی تھی مگر درحقیقت وہ میر علی ہروی کے خط کا عاشق تھا، اور اس کی نقل کرتا تھا، میر علی ہروی کی بہت زیادہ نگارشات اس نے اپنے کتب خانے میں جمع کر رکھی تھیں۔

☆ مالک دیلمی

مالک قزوین کے ایک گاؤں میں ۹۲۴ھ میں پیدا ہوا۔ ابتداء میں خوش نویسی کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر

قزوین جاکر رستم علی اور حافظ باباجان سے خط نستعلیق کی تعلیم حاصل کی۔ یہ دونوں خطاط سلطان علی مشہدی کے شاگرد تھے۔ مالک شہزادہ ابراہیم مرزا کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ اس کے کتب خانے میں کتابت پر مامور ہو گیا۔ وہاں سے دراصل اسکی شہرت پھیلی۔ ۹۶۴ھ میں شہزادہ ابراہیم مرزا کے ساتھ مالک دیلمی مشہد گیا، وہاں شاہ طہماسپ صفوی نے ایک نیا محل تیار کرایا تھا۔ اس پر کتبات لکھنے کے لئے مالک دیلمی کو وہیں روک لیا گیا۔ اس کے علاوہ ایوان چہل ستون قزوین پر بھی مالک نے حافظ شیرازی کی غزلیں لکھی ہیں۔ اس کے بعد وہ شاہ طہماسپ کے ساتھ تبریز چلا گیا اور وہیں ۹۶۹ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔
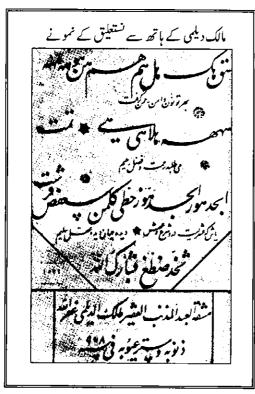
مالک دیلمی کے ہاتھ سے نستعلیق کے نمونے

مالک دیلمی اکثر علوم متدوالہ میں مہارت رکھتا تھا۔ مختلف فنون اور ہنر کا ماہر تھا۔ انفرادی کردار بھی اچھا تھا۔ وہ خوش اخلاق اور پرہیزگار شخص تھا۔ شعراء اور موسیقی کا اسے شوق تھا۔ بہت زیادہ وقت مطالعہ کتب میں صرف کرتا تھا۔ خط نستعلیق مالک دیلمی بہت خوب لکھتا تھا۔ امیر حسین بیگ کے تیار کردہ مرقع پر مقدمہ مالک ہی نے لکھا ہے۔ یہ مرقع اس وقت لینن گراڈ کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔(۱)

☆ باباشاہ اصفہانی

باباشاہ کا مولد تو جبال عراق ہے، لیکن اس نے اصفہان میں پرورش پائی ہے۔ فن خطاطی میں مہارت اس نے سید احمد مشہدی کی شاگردی میں حاصل کی ہے۔ علوم متدوالہ میں بھی اس کو دسترس حاصل تھی۔ شعر گوئی کی جانب بھی اس کی طبیعت مائل تھی۔ حالی تخلص استعمال کرتا تھا۔

فن خطاطی اور خوش نویسی میں باباشاہ اصفہانی مسلم الثبوت اساتذہ میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے معاصرین اور متاخرین تمام ماہرین خط نستعلیق اس بات پر متفق ہیں کہ اس جیسا باکمال خوش نویس دوسرا پیدا نہیں ہوا۔ فن نستعلیق کی کتابت میں وہ ایک شیوہ خاص کا مخترع ہے۔ اس کے خط میں عجیب طرح کی کشش اور دلکشی ہے۔ اس کا خط نہایت پختہ اور مستحکم ہے۔ بعض

ا۔ اطلس خط، ص ۴۸۵،

باباشاہ اصفہانی، خط نستعلیق

ناقدین فن کی رائے ہے کہ شاہ طہماسپ کے دربار سے وابستہ فن کاروں میں اس سے بڑا کاتب اور خطاط اور کوئی نہیں تھا۔

فن خطاطی کے فروغ کیلئے اور کاتبوں اور خطاطوں کی رہنمائی کے لئے باباشاہ نے فن پر ایک رسالہ آداب المشق کے نام سے لکھا ہے۔ جس کو بعض لوگ غلطی سے میر عماد حسینی کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ باباشاہ کے قلم کا لکھا ہوا اصل نسخہ دانش گاہ پنجاب کے کتب خانے موجود ہے۔

باباشاہ کے آثار تحریر بہت کم ملتے ہیں۔ اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے چند قطعات استنبول کے دارالآثار میں موجود ہیں۔ کوئی سالم کتاب اس کے قلم کی لکھی ہوئی کہیں دستیاب نہیں ہوئی ہے۔

آخری زمانہ میں وہ عراق چلا گیا تھا۔ اس کا انتقال بھی عراق میں سنہ ۹۹۶ھ میں ہوا ہے۔(۱)

☆ محمد حسین تبریزی

محمد حسین تبریزی کا تعلق آذربائیجان کے ایک علمی خاندان سے تھا۔ وہ شیخ الاسلام مولانا عنایت اللہ کا فرزند تھا۔ خط کی ابتدائی تعلیم اس نے مشہد میں سید احمد مشہدی اور میر حیدر سے حاصل کی مگر فن خطاطی کی تکمیل مالک دیلمی سے کی۔ وہ شعر گوئی کی طرف بھی رغبت رکھتا تھا۔ محزوں اس کا تخلص تھا۔

محمد حسین تبریزی، خط نستعلیق کے دو نمونے

صاحب عالم آرائے عباسی لکھتا ہے کہ اگرچہ آذربائیجان میں خط نستعلیق کے بڑے بڑے اساتذہ

۱۔ اطلس خط، ص ۴۹۴،
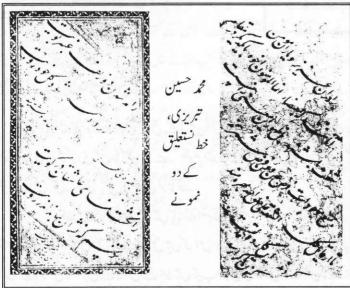
گزرے ہیں۔ مگر خراسان کے خوش نویس ان کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ البتہ محمد حسین تبریزی کا مرتبہ اپنے معاصرین میں بلند ہے، اس کو لوگوں نے تسلیم کیا ہے ایک ماہر فن محمد صالح اصفہانی کی رائے ہے کہ محمد حسین تبریزی کے قلم میں سرعت اور استحکام بیک وقت جمع ہوگئے ہیں۔ بت کم لوگ اس صفت کے حامل ہوتے ہیں۔ چند قطعات اس کی یادگار موجود ہیں۔ دارالسلطنت قزوین میں ۹۸۵ھ میں اس کی وفات ہوئی ہے۔(۱)

☆ میر عماد حسنی (۲)

عماد الملک میر عماد بن ابراہیم حسنی سیفی کا تعلق قزوین کے سادات کے مشہور خاندان سے تھا۔ ۹۶۱ھ میں وہ تولد ہوا بچپن قزوین میں گزارا۔ ابتدائی تعلیم بھی وہیں حاصل کی۔ پھر تبریز جاکر محمد حسین تبریزی سے فن خطاطی کی تعلیم حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد فرہاد خاں قرامان کے یہاں کتابت کے لئے ملازمت کرلی۔ فرہاد خان شاہ عباس کی طرف سے آذربائیجان کا والی تھا۔ فرہاد خاں کا کتب خانہ میر عماد کی تحویل میں تھا۔ وہ خود میر عماد کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ سفر وحضر میں ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ۱۰۰۷ھ میں فرہاد خاں قتل ہوگیا۔ میر عماد کو اس کا صدمہ ہوا۔ وہ خراسان سے واپس قزوین آگیا اور گوشہ نشین ہوگیا۔

کچھ عرصے کے بعد میر عماد شاہ عباس صفوی کے دربار اصفہان میں چلاگیا، لیکن وہاں میر عماد کا زمانہ خوش کلامی اور فارغ البالی سے نہیں گزرا۔ وہاں اس کے مخالفین اور حاسد پیدا ہوگئے تھے۔ علی رضا نام کا ایک کاتب شاہ عباس کے بہت منہ چڑھا ہوا تھا۔ اس نے میر عماد کے خلاف بادشاہ کے کان بھرنے شروع کردیئے۔ اس کے بعد بادشاہ کی نظر عنایت میر عماد کی جانب سے منطعف نظر آئی۔ میر عماد کو جب اس کا احساس ہوا تو اس نے بادشاہ کی خدمت میں کئی قطعات لکھ کر پیش کیے۔ جن میں اپنی صفائی پیش کی، ایک شعر اس کا یہ ہے ؎

قول دشمن شنو در حق من
کہ زمن دوست ترے نیست ترا

اس زمانے میں ایک خاص واقعہ پیش آیا۔ جس نے بادشاہ کے مزاج کو برہم کردیا۔ ایک مرتبہ شاہ عباس نے میر عماد کو ستر اشرفیاں بھجوائیں کہ وہ اس کے لئے شاہنامہ فردوسی لکھ دے۔ میر نے وہ اشرفیاں اپنے پاس رکھ لیں، اور شاہنامہ لکھنا شروع کردیا۔ ایک سال بعد شاہی قاصد شاہنامہ لینے کیلئے آئے تو میر نے ستر اشعار لکھ کر ان کے حوالے کردیئے۔ اور کہا کہ شاہی عطیہ اسی قدر تھا۔ قاصد نے یہ ماجرا بادشاہ کو سنادیا۔ بادشاہ برافروختہ ہوگیا۔ اس نے حکم دیا کہ اشعار اس کو واپس دے آؤ اور ہماری رقم واپس لے آؤ۔ میر کے پاس رقم کہاں تھی۔ سب خرچ ہوچکے تھے۔ میر نے ایک ایک شعر کاٹ کر شاگردوں کو دیا۔ انہوں نے ایک ایک اشرفی پیش کردی۔ میر نے رقم بادشاہ کو لوٹادی۔ اس سے بادشاہ اور زیادہ غضبناک ہوگیا، اور اس

۱۔ اطلس خط، ص ۴۹۶ ۲۔ یہ حضرت حسن سے نسبت ہے، اس لئے حسنی ہے۔ حسینی درست نہیں ہے۔

حالت میں اس نے کہا!

''ہے کوئی جو اس سنی کا سر کاٹ دے، اس کام کی ذمہ داری ایک شخص مسمی منصور نے اپنے ذمہ لی۔''(۱)

میر عماد پر بڑا الزام یہ تھا کہ وہ اہل سنت کے اعتقاد رکھتا ہے اور صفوی دربار میں شیعیت کو بڑا غلو تھا۔ بہر کیف نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک شخص نے صبح کے وقت نیم اندھیرے میں میر عماد کو قتل کر دیا۔ سب لوگوں کا گمان یہی ہے کہ اس قتل

میر عماد حسنی کے قلم سے خط نستعلیق کا نمونہ
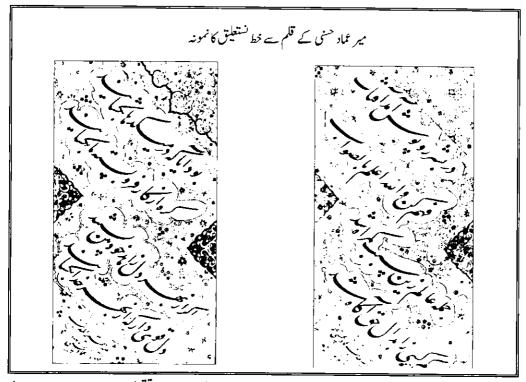
میں شاہ کا اشارہ تھا۔ میر کے جنازے میں بڑے بڑے عمائدین شہر نے شرکت کی۔ میر کے قتل کی خبر جلد ہی ہندوستان اور ترکی پہنچ گئی۔ وہاں میر عماد کے لئے سوگوار مجالسیں قائم ہوئیں۔ مغل شہنشاہ جہانگیر بادشاہ نے مجلس تعزیت میں کہا کہ اگر میر عماد کو میرے سپرد کر دیتے اور میر کے ہم وزن موتیوں کا مطالبہ کرتے تو میں وہ بھی دے دیتا۔ میر عماد کی شہادت ۱۰۲۴ھ میں ہوئی ہے۔

آغاز کار میں میر عماد شیوہ میر علی ہروی کی پیروی کرتا تھا۔ اس کی روش کی نقل اتارتا تھا۔ اس میں اس کو بڑی مہارت حاصل ہو گئی تھی۔ جب میر عماد اصفہان پہنچا تو وہاں باباشاہ اصفہانی کے قطعات نظر سے گزرے۔ میر کو باباشاہ کا شیوہ پسند آیا۔ پھر باباشاہ کے شیوے کی نقل کرنا شروع کر دی۔ اس حد تک کہ دونوں کے خط میں لوگوں کو تمیز کرنا مشکل ہو گیا۔ عمر کے آخری حصے میں میر عماد نے خود ایک نیا شیوہ ایجاد کیا، جس میں میر علی ہروی کی استواری پائی جاتی ہے اور باباشاہ اصفہانی

۱۔ صحیفہ خوش نویساں، ص ۱۴۰

کی ملاحت موجود ہے۔ اس طرح اس نے دونوں فنکاروں کی خوبیوں کو ایک جگہ جمع کر دیا۔

آغاز سے لے کر ڈیڑھ صدی تک خط نستعلیق میں میر علی ہروی کے شیوہ کو غلبہ حاصل رہا۔ تمام خطاط میر علی ہروی کی نقل کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ اسکے بعد باباشاہ اصفہانی کے شیوہ کو مقبولیت عام حاصل ہوگئی۔ ایک زمانہ باباشاہ کے شیوہ کی تقلید کرتا تھالیکن جب سے میر عماد میدان میں آیا تو شیوہ میر عماد سب پر غالب آگیا۔ شیوہ میر عماد کمال فن کا نمونہ ہے۔ سب نقادوں کی متفقہ رائے ہے کہ فن کی معراج میر عماد پر ختم ہے۔ میر عماد کو گزرے ساڑھے تین سو سال ہو چکے ہیں، مگر فن نستعلیق میں سکہ میر عماد کا ہی رائج ہے۔ تمام خطاط اس کی تقلید کرنا فخر سمجھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نستعلیق کی دنیا میں ایسا باکمال شخص اور کوئی دوسرا پیدا نہیں ہوا۔ میر عماد قلم خفی کو نمکین لکھتا ہے اور قلم جلی کو استوار اور شیریں لکھتا ہے۔ اس کی شہرت بیان سے مستغنی ہے، خط کی خوبی اور رعنائی میں شعراء اس کو بطور مثال پیش کرتے ہیں۔

میر عماد نہایت خوش اخلاق، مہذب اطوار اور کریم النفس شخص تھا۔ شاگردوں سے اس کو محبت اور شفقت اس قدر تھی کہ گویا پیر و مرید ہیں۔ اس نے بہت سے شاگردوں کی تربیت کی ہے۔ شعر گوئی سے بھی اس کو دلچسپی تھی۔

میر عماد کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قطعات ایران، ترکی اور پاکستان میں ملتے ہیں اور کثیر تعداد میں ہیں۔ میر عماد ۱۶سال تک اصفہان میں رہا۔ وہاں اس نے بہت سے شاگرد بنائے۔ جن میں عبدالرشید دیلمی، ابوتراب اصفہانی، نورالدین لاہیجی وغیرہ شہرت رکھتے ہیں۔ (۱)

☆ حسن خاں شاملو

صفوی بادشاہوں کے ماتحت شاملو امراء کا ایک خاندان تھا، جو نسل در نسل حاکم اور والی بنتا چلا آرہا تھا۔ شاہ عباس دوئم کے عہد میں حسن خاں شاملو اس خاندان کا ایک فرد تھا۔ وہ خراسان کا حاکم تھا، اور شاید سلیمان کے زمانے میں ہرات کا حاکم تھا۔ یہ امیر فنون لطیفہ اور ہنر کا بڑا قدردان تھا۔ اس کی مجلس شعراء ادباء خطاط اور فن کاروں کا مجمع بنی رہتی تھی۔ وہ خود بھی صاحب سیف ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب قلم بھی تھا۔ خط نستعلیق جلی بہت خوب لکھتا تھا۔ اس نے یہ رباعی جلی نستعلیق میں لکھ کر مشہد میں امام رضا کے مزار پر نصب کرائی تھی۔

دارم چوں حسن سرے بدرگاہ رضا
بیروں ز روم یک قدم از راہ رضا
خواہی کہ سرت بعرش توفیق رسد
بگذار بر آستانہ شاہ رضا

اس کی وفات ۱۱۰۰ھ میں ہوئی ہے۔

۱۔ اطلس خط، ص ۵۳۱، سرگزشت نستعلیق، ص ۵۳۔

شجرہ خطاطین ہرات، ایران اور بخارا

باب ۲۴
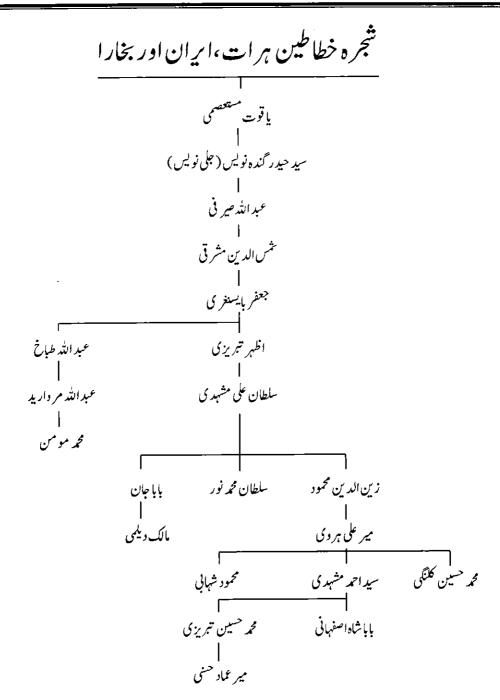
دبستان ترکی

خلافت عباسیہ کے خاتمے کے بعد ترکی میں آل عثمان نے ایک سلطنت قائم کی جو صحیح معنوں میں خلافت بغداد کی جانشین تھی۔ ۶۹۹ھ سے ۱۳۴۲ھ تک یہ خلافت قائم رہی۔ اس کی عظمت و شوکت اور اس کا زوال بڑی حد تک خلافت بغداد سے مشابہہ ہے۔ یہ سلاطین اسلامی علوم و فنون کے بڑے قدردان تھے۔ بعض ان میں سے فارسی اور ترکی زبان میں اچھے شعر کہتے تھے۔ بعض بڑے اچھے خطاط تھے۔ سلاطین کے ہاتھ کے تحریر کردہ قرآن مجید آج بھی موجود ہیں- یہ سلاطین علماء، ادباء، شعراء، خطاطین اور فنکاروں کی ہمت افزائی کرتے تھے۔

خطاطی کا فن یہاں یاقوت مستعصمی کے شاگردوں کے ذریعہ پہنچا تھا۔ اس لئے یہاں خط نسخ کو ہمیشہ غلبہ حاصل رہا۔ سلطان مراد ثانی (۸۲۴-۸۶۶ھ) سلطان مراد ثالث (۹۸۲-۱۰۰۲ھ) اور سلطان سلیمان خط نسخ کے ماہر تھے۔

دوسرے درجے میں یہاں خط تعلیق سے بہت دلچسپی تھی۔ آخر میں خط نستعلیق بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ سلاطین نے خط نستعلیق سے بھی دلچسپی لی۔ سلطان مراد چہارم (۱۰۴۲-۱۰۴۹ھ) خط نستعلیق بہت خوب لکھتا تھا۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ترکی خطاطوں میں خط نسخ کے تو ماہر بلکہ نابغہ پیدا ہوئے، لیکن خط نستعلیق کا کوئی فائق تر خطاط نہیں پیدا ہوا۔ سب سے زیادہ قدر و منزلت وہاں قرآن مجید کی کتابت کی تھی۔ ترکی میں خط نستعلیق کو تعلیق کہتے ہیں۔

☆ شیخ حمد اللہ اماسی

شیخ حمد اللہ اماسی مصطفیٰ دده کا فرزند تھا۔ مصطفیٰ دده اصلاً بخارا کا رہنے والا تھا۔ وہاں سے ہجرت کر کے وہ اماسیہ ترکی

خط محقق وریحان، شیخ حمد اللہ اماسی کے قلم سے

میں آگیا۔ یہاں سے بھی اس نے ہجرت کی اور اناضول میں توطن اختیار کر لیا۔ یہاں حمد اللہ اماسی پیدا ہوا۔ اس کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ یہ (۸۳۰ یا ۸۳۲ھ) میں پیدا ہوا تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر والد سے حاصل کی پھر خط کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوا۔ خط کی تعلیم اس نے خیر الدین مرعشی شاگرد عبداللہ صیرفی سے حاصل کی۔ محنت اور مشق کے باعث وہ تجدید خط نسخ میں اپنے اقران و اماثل میں ممتاز ہو گیا۔ سلطان بایزید نے اس کو ۸۸۶ھ میں استنبول میں بلالیا۔ آخر عمر تک وہ یہیں رہا۔ یہاں رہ کر اس نے خوب خط کی خدمت کی۔ اس نے دور سلطانی کا عروج اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس کی عمر ایک روایت کے مطابق ۹۳ اور دوسری روایت کے مطابق ۹۶ سال ہوئی۔ ۹۲۶ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ اسکدار میں اس کو دفن کیا گیا۔

خط نسخ وہ یاقوت مستعصمی کی روش پر لکھتا تھا۔

وہ اپنے زمانے کا نادرہ روزگار خطاط تھا۔ بعد کے ترک خطاطوں کی اکثریت اس کی شاگرد ہے۔ ترک خطاطوں کا وہ قطب ہے۔ اس کے آثار خط کافی تعداد میں موجود ہیں۔ اس نے ۴۷ مرتبہ مصحف قرآن مجید لکھا۔ سینکڑوں مختلف سورتیں جدا جدا لکھیں۔ حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار لکھی۔

اس کے شاگردوں میں سے محی الدین، جمال الدین اماسی اور عبداللہ اباره مشہور ہیں۔(۱)

۱- اطلس خط، ص ۲۱۳، ۲۴۶، مصور الخط العربی، ص ۱۹۰،

☆ حافظ عثمان بن علی

حافظ عثمان کی پیدائش آستانہ (قسطنطنیہ) میں ہوئی۔ قرآن مجید حفظ کیا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ خط سے دلچسپی بچپن سے تھی۔ درویش علی خطاط سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۸ سال کی عمر میں خط کی تعلیم میں تکمیل ہوئی۔ اساتذہ فن نے دستار بندی کی اور اجازہ تعلیم عطا کیا (۱۰۷۰ھ) مگر حافظ نے مشق بدستور جاری رکھی اور استاد حمد اللہ اماسی کی روش کی نقل کی حتیٰ کہ وہ خود ایک شیوہ کا بانی ہوا۔ اس کے بعد اس کی شہرت ہوگئی۔ اس کی تربیت اور پرورش میں وزیر مصطفیٰ پاشا کو بہت دخل حاصل ہے۔ جب اس کی شہرت ساری مملکت میں پھیل گئی، تو اس کو سلطان احمد خاں ثالث اور سلطان مصطفیٰ خاں ثانی کا معلم منتخب کر لیا گیا۔

حافظ عثمان، پہلی سطر میں ثلث
اور آخری دونوں سطروں میں توقیع، تحریر ۱۰۹۳ھ

اگرچہ خلفاء کا استاد ہو جانے کے بعد اس پر مال و دولت کا دروازہ کھل گیا تھا، مگر وہ قناعت پسند اور استغناء پسند انسان تھا۔ مزاج کے اعتبار سے بھی مسکین طبع تھا۔ افادہ عام کے لئے اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ بدھ کے روز وہ اغنیاء اور امراء کو فن کی تعلیم دیتا تھا، اور اتوار کے دن مسکینوں اور ناداروں کو فن سکھاتا تھا۔ وہ اس قدر بے نیاز انسان تھا کہ راہ چلتے سڑک پر بیٹھ کر سکھانے میں بھی اسے کوئی عار نہیں تھی۔ ترک مصنفین نے اس کو شیخ ثالث کا لقب دے رکھا ہے۔

خط ثلث، حروفِ مرکبہ کی مشق، بہ خط حافظ عثمان

نقادان خط نسخ کی رائے یہ ہے کہ حمد اللہ اماسی نے یاقوت مستعصمی کے خط میں اضافہ کیا ہے۔ اس کی مزید تحسین کی ہے اور حافظ عثمان نے حمد اللہ کے شیوہ میں مزید
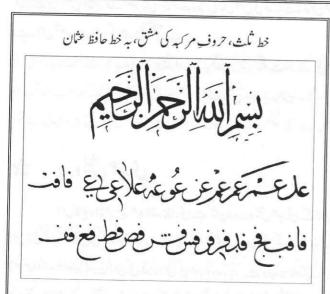
ترقی کی ہے، مزید مستحکم بنایا ہے، مزید حسین بنایا ہے۔ ترکی میں خط نسخ کا وہ سب سے بڑا امام ہے۔ کتابت قرآن کی ریاست اس پر ختم ہے۔ اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ۲۵ قرآن مجید اس وقت موجود ہیں۔ اس کا تحریر کردہ ایک قرآن مجید طبع بھی ہو چکا ہے۔ اس کے قرآن مجید کی بڑی قدر و قیمت تھی۔ قدر دان منہ مانگے داموں میں لیتے تھے۔ بھاری بھاری قیمتیں ادا کرتے تھے۔ چالیس سال تک فن کی خدمت کرنے کے بعد وہ نادرہ روزگار ۱۱۱۰ھ میں انتقال کر گیا۔(۱)

☆ عبداللہ بک زہدی

عبداللہ زہدی خلافت کے آخری ایام کا سب سے فائق خطاط ہے۔ خط نسخ لکھنے میں بڑا ماہر تھا۔ خط کی تعلیم اس نے قاضی عسکر مصطفیٰ آفندی عزت اور دوسرے استادوں سے حاصل کی ہے۔ خط کی سند عزت آفندی سے حاصل کی ہے۔ پھر آستانے میں جامع نور عثمانیہ میں وہ خط کا مدرس مقرر ہو گیا۔ سلطان عبدالحمید خان نے حرم محترم کی بڑے پیمانے پر مرمت کرائی تھی۔ وہ حرم مدنی میں کتابت بھی لکھوانا چاہتا تھا۔ اس کی نظر عبداللہ زہدی پر پڑی۔ عبداللہ زہدی ایک عرصے تک مدینہ منورہ میں رہا اور وہاں بہترین خط میں قرآن مجید کی آیات لکھی ہیں (۱۲۷۰ھ) وہ واپسی میں مصر ہوتا ہوا استنبول جا رہا تھا۔ مصر میں اسمٰعیل پاشا نے اس کے فن کی بڑی قدر دانی کی۔ اسے وہیں روک لیا اور مدرسہ خدیویہ قاہرہ میں استاد خط مقرر کر دیا۔ مدرسہ میں اس نے فن کی بہترین خدمت انجام دی۔ بہت سے لائق شاگرد پیدا کیے۔ پھر حرم محترم میں غلاف کعبہ پر آیات قرآنی لکھنے پر مامور ہوا۔ وہ کام بھی اس نے بہت خوبی سے انجام دیا۔ نہایت حسین خط میں آیات قرآنی لکھیں۔ اس کے حسنِ خط سے ہر شخص متاثر تھا۔ مصر میں اشاعتِ خطِ نسخ میں اس کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ اس کا انتقال مصر میں ۱۲۹۶ھ میں ہوا ہے۔ اس شعر سے اس کی تاریخ نکلتی ہے۔

ولذا	قد	قلت	فی	تاریخہ
مات	زھدی	رحمۃ	اللہ	علیہ
۶	۹	۲	۱	ھ

☆ درویش عبدی

اس کا پورا نام سید عبداللہ بخاری ہے لیکن وہ درویش عبدی کے نام سے مشہور ہے۔ اصلاً وہ اصفہانی ہے۔ اصفہان میں اس نے خط نستعلیق کی تعلیم مشہور استاد میر عماد حسنی سے حاصل کی۔ پھر وہ سیاحت کرتا ہوا ترکی پہنچا۔ یہاں سلطان مراد چہارم (۱۰۳۲-۱۰۴۰ھ) نے اس کی قدردانی کی اور وہ دربار سے وابستہ ہو گیا۔ ترکی میں خط نستعلیق کو متعارف کرانے والا شخص درویش عبدی ہے۔ اس نے اس خط کو مقبول بنانے میں پوری کوشش صرف کر دی۔ صدر اعظم محمد پاشا (۱۰۴۹ھ) اس کا بے

ا۔ اطلس خط، ص ۲۷۱، ۲، مصور الخط العربی، ص ۱۹۶، ۱۹۸، ۱۹۹۔

درویش عبدی، خط نستعلیق

حد احترام کرتا تھا۔ اس وزیر کی خواہش پر درویش عبدی نے شاہنامہ فردوسی کا خوبصورت نسخہ تیار کیا۔ اس نے ترکی میں بہت سے شاگرد پیدا کئے۔

اس نے سلطان مراد سے حج پر جانے کی درخواست کی۔ وہ ایک مرد صالح تھا۔ سلطان نے نہ صرف اجازت دی بلکہ ایک ہزار دینار زاد راہ کے طور پر دیا۔ حج کے بعد وہ واپس آستانہ آ گیا۔ یہاں آخر وقت تک خط نستعلیق کی خدمت انجام دیتا رہا۔ اس کی وفات ۱۰۵۷ھ میں استنبول میں ہوئی ہے۔

واضح رہے کہ ترک تذکرہ نگار اور عرب مصنفین دونوں خط نستعلیق کو خط فارسی لکھتے ہیں اور بعض ان میں سے اس کو خط تعلیق کہتے ہیں، حالانکہ خط تعلیق در حقیقت ایک دوسرا ہی خط ہے۔

☆ محمود چلپی طوپ خانہ ای

محمود چلپی نے خط نستعلیق کی تعلیم درویش عبدی سے حاصل کی تھی اور پھر اس میں کمال حاصل کیا تھا۔ درویش عبدی کے کام کو اس نے جاری رکھا اور خط کی مقبولیت میں خوب حصہ لیا۔ نستعلیق کے علاوہ یہ خط شش گانہ کا بھی ماہر تھا۔ خط ثلث اور خط نسخ کی تعلیم اس نے حافظ امام محمد سے حاصل کی تھی۔

☆ درویش حسام الدین

اصلاً یہ شہر بوسنہ کا رہنے والا تھا۔ تکمیل کے بعد یہ شام میں چلا گیا تھا۔ دمشق میں ایک عرصے تک رہا۔ اس لئے حسام دمشقی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ یہ سنہ ۱۰۰۰ھ تک زندہ رہا۔ خط نستعلیق میں خاص کمال حاصل کیا تھا۔ صاحب مناقب ہنر وراں کی رائے یہ ہے کہ اگر رومیوں (ترکوں) میں سے کسی شخص نے استادان عجم (ایران) کی روش کی صحیح پیروی کی ہے تو وہ درویش حسام الدین ہے۔

☆ ولی الدین آفندی

یہ شخص بہت بڑا عالم تھا۔ اس لئے شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہوا۔ (۱۱۷۳-۱۱۸۰ھ) یہ قسطنطنیہ میں شیخ الاسلام رہا ہے۔ خط کی تعلیم اس نے طورمش زادہ سے حاصل کی تھی۔ خط نستعلیق جلی اور خفی دونوں بہت خوب لکھتا تھا۔ عثمانی ترک خطاطوں میں اس کا مرتبہ اور مقام بہت بلند تھا۔ حسن سلیقہ اور خط شناسی میں بھی اس کو بہت مہارت حاصل تھی۔ اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قطعات آج بھی مختلف کتب خانوں اور عجائب خانوں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ اس کے تیار کردہ تین مرقعے

جامعہ استنبول کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ ان مرقعات کے مطالعے سے اس کے حسنِ سلیقہ اور حسنِ انتخاب دونوں کو داد دینی پڑتی ہے۔ اس کا ذوق جمالیات بلند تھا۔

☆ استاد محمد عبدالعزیز رفاعی

یہ آستانہ کا رہنے والا تھا۔ خط کی تعلیم حاجی احمد عارف فلبوی سے حاصل کی۔ خط نستعلیق حسنی قرین آباد سے سیکھا۔ یہ خط شش گانہ کا ماہر تھا۔ مہارت کے ساتھ طبع مخترع پائی تھی۔ اس لئے اس نے ۱۴ قلم نکالے تھے مختلف خطوں کو ملا کر۔ یہ سب میں ماہر تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ امام الخطاطین تھا۔ ترکی میں ریاست خط کا اس پر خاتمہ ہوگیا۔ کتاب سازی کے دوسرے لوازمات تجلید، تذہیب، ترسیم، نقاشی وغیرہ کا وہ بڑا ماہر تھا۔ وہ اخلاق و کردار میں بڑا نیک، صالح، متقی اور عبادت گزار آدمی تھا۔ نہایت شریف النفس تھا۔

فواد اول ملک مصر نے اس کو خاص طور پر قاہرہ بلوایا تھا۔ اس کے لئے ایک عمدہ قرآن مجید لکھا۔ یہ ۱۳۴۰ھ میں قاہرہ آیا۔ چھ ماہ کی مدت میں قرآن مجید نہایت نفاست اور استحکام کے ساتھ لکھا۔ پھر آٹھ ماہ میں اس کی تذہیب اور تجلید وغیرہ کی۔ یہ ایک عجیب و حسین کلام پاک ہے جس کے خط کو اور جلد کو لوگ حیرت سے دیکھتے ہیں۔

فواد اس سے بڑا خوش ہوا۔ انعام واکرام تو دیا ہی، اس نے اس کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تعلیم خط کا ایک مدرسہ قائم کر دیا۔ جس میں عبدالعزیز رفاعی کو استاد مقرر کر دیا۔ اس کا ایک گراں قدر مشاہرہ مقرر کر دیا۔ ۱۳۵۳ھ میں اس کا انتقال ہوگیا۔ فواد نے مشاہرے کا نصف اس کی زوجہ کو حین حیات اجراء فرمادیا۔

۱۳۴۲ھ میں ترکی میں انقلاب آگیا۔ مصطفیٰ کمال نے خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ عربی زبان اور عربی رسم الخط ختم کر دیا۔ ترکی زبان کے لئے رومن رسم الخط اختیار کر لیا۔ چھ صدیوں کی خوشنویسی اور خطاطی کی روایات کو بیک جنبش قلم دفن کر دیا گیا۔

بیک گردش چرخ نیلو فری
نہ نادر بجا ماند نے نادری

☆ تحفۃ الخطاطین

یہ ترکی زبان میں فن خطاطی اور خوشنویسی پر بڑی جامع کتاب ہے۔ سارے تذکرہ نگار اس کتاب کی تعریف کرتے ہیں۔ اس کا مصنف سعد الدین محمد بن محمد مستقیم زادہ ہے۔ یہ اپنے زمانے کی بڑی عظیم شخصیت تھا۔ بہت ساری صفات اس ایک شخص میں جمع ہوگئی تھیں۔

وہ عالم، فاضل، مؤرخ، ادیب، شاعر، مصنف اور خطاط تھا۔ ایک طرف اس کا شمار سلطنت عثمانیہ کے فاضل علماء میں ہوتا ہے تو دوسری طرف فن خطاطی میں مرتبہ استادی کو پہنچا ہوا تھا۔ خط ثلث اور نسخ کی تعلیم اس نے محمد راسم آفندی سے

حاصل کی تھی اور خطِ نستعلیق کی تعلیم فندق زادہ ابراہیم اور کاتب زادہ محمد رفیع سے حاصل کی تھی۔ وہ ۱۱۳۱ ہجری میں متولد ہوتھا اور ۱۲۰۳ھ میں فوت ہوا۔ ترکی فن کاروں کا یہ سب سے بڑا اور جامع تذکرہ ہے اور معلومات کا خزانہ ہے۔(۱)

☆ خطاطی کی مشقی کاپی (کراسہ)

مشقی کاپی کا ایک مجموعہ سب سے پہلے عزت آفندی نے تیار کیا۔ جس میں خط ثلث، نسخ، رقعہ اور دیوانی اور فارسی یعنی نستعلیق کی تعلیم دی گئی تھی۔ یہ کاپی ۱۳۰۶ھ میں آستانے سے شائع ہوئی۔ اس کے بعد حافظ تحسین نے اپنی مشقی کاپی ۱۳۰۹ھ میں شائع کرائی، اس نے ۱۳۱۸ میں انتقال کیا۔ عزت آفندی ۱۲۵۷ھ میں استنبول میں پیدا ہوا۔ وہ ایک مدت تک مدرسہ سلطانیہ استنبول میں حسن خط کا معلم رہا ہے۔
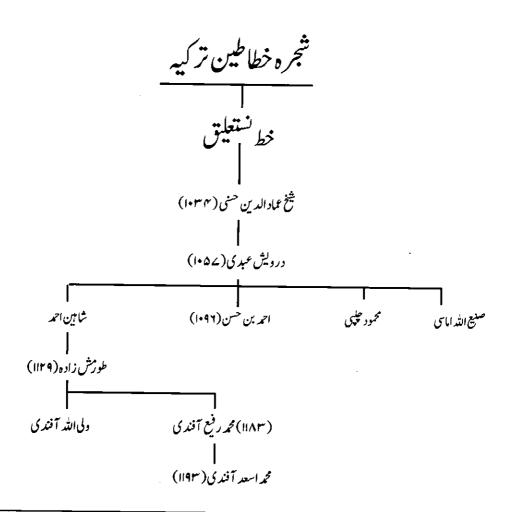
۱۔ یہ کتاب بشیر محمد ملک نور محمد کارخانہ تجارت کتب کے پاس موجود ہے۔

شجرہ خطاطین ترکیہ

باب ۲۵
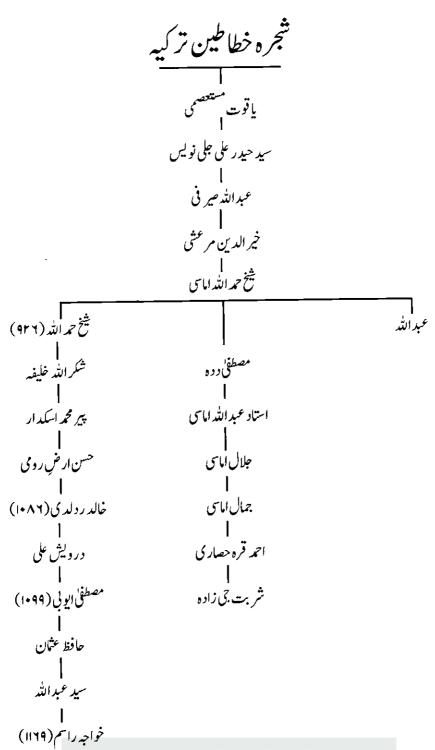
دبستانِ مصر

بنی عباس کے آخری ایام میں مصر میں ممالیک کی سلطنت قائم ہوئی، جو تین صدیوں تک چلتی رہی۔ یہ ایوبیوں کے غلام تھے۔ اس لئے ان کو ممالیک کہا جاتا ہے۔ پہلے ممالک بحری کی حکومت رہی (۶۴۸-۷۹۲ھ) پھر ممالیک بری کی حکومت رہی۔ (۷۴۸-۹۲۲ھ) اس کے بعد مصر سلطنتِ عثمانیہ کا جزو بن گیا۔

جب ۶۵۶ھ میں تاتاریوں نے بغداد بلکہ سارا عالمِ اسلام روند ڈالا تو مصر ان کی غارتگری سے محفوظ رہا۔ مصری سلطان ملک ظاہر الدین بیبرس نے تاتاریوں کو عینِ جالوت پر شکست دے دی۔ یہ پہلی شکست تھی جو مسلمانوں نے تاتاریوں کو دی۔ اس کے بعد سے مصر کا وقار عالمِ اسلام میں بلند ہوگیا۔ ساری دنیا سے علماء، فضلاء اور فن کار کھنچ کھنچ کر مصر میں آگئے اور مصر کے ممالیک سلاطین نے بھی ان کی دل و جان سے قدر کی۔ ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا، جن میں عزالدین عبدالسلام، امام ابن حاجب صاحب کافیہ، علامہ ابن منظور صاحب لسان العرب، مجدالدین فروز آبادی صاحب قاموس، شہاب الدین تیغاشی صاحب جواہر الاحجار جیسے لوگ یہاں جمع ہوگئے، جو آسمانِ علم کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ خود مصر میں بڑے بڑے علماء ظاہر ہوئے مثلاً شہاب الدین قرانی، تقی الدین بن دقیق العید وغیرہ۔ اس وقت سے جامع ازہر در حقیقت عالمِ اسلام کی درسگاہ اور مرکز علم بن گیا۔ سارے عالمِ اسلام سے طلبہ کا رخ جامعہ ازہر کی جانب ہوگیا۔ اس وقت حکمرانوں نے ازہر کو توسیع دی۔ نئے نئے ایوان اور نئے نئے رواق تعمیر کئے۔ بغداد مٹا تو قاہرہ چمکا۔

خطاطی کے سلسلے میں یہ روایت رہی ہے کہ جس خطے میں طاقتور اور مستحکم حکومت قائم ہوئی وہاں فن خطاطی نے ضرور فروغ پایا۔ اس لئے ممالیک کے دور میں دوسرے علوم وفنون کے ساتھ ساتھ فن خطاطی نے بھی خوب فروغ حاصل کیا،

چونکہ یہاں دولت عباسیہ کے خاتمے سے قبل ہی نئی مستحکم سلطنت قائم ہو چکی تھی۔ اس لئے یہاں علی بن ملا ابن بواب کے شاگردوں نے فن خطاطی کو فروغ دیا۔ چند مشہور خطاطوں کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

☆ ابو علی جوینی

ابو علی حسن بن علی ابراہیم نام ہے، فخر الملک لقب ہے۔ اصلاً باشندہ جوینی کا تھا۔ جو نیشاپور میں ایک گاؤں تھا۔ اس لئے نسبت جوینی کی لکھی جاتی ہے۔ یہ خود بغداد میں پیدا ہوا اور فن کتابت کی وہاں ہی تعلیم حاصل کی۔ پھر وہاں سے سلطان نورالدین محمد زنگی کے زمانے میں شام میں آگیا مگر وہاں بھی زیادہ عرصہ قیام نہیں کیا اور مصر چلا گیا۔ شیوہ بواب میں خط نسخ خوب لکھتا تھا بلکہ تذکرہ نگاروں کی رائے تو یہ ہے کہ مصر میں یہی شیوہ بواب کا سب سے بہترین نمائندہ ہے۔ اس کے ہاتھ کی تحریریں کتب خانہ قاہرہ میں موجود ہیں۔ ۸۶-۵۸۴ھ میں اس کا انتقال ہوا ہے۔

☆ عبدالرحمٰن بن صائغ

زین الدین عبدالرحمٰن معروف بہ ابن صائغ، قاہرہ کا رہنے والا تھا۔ خط کی تعلیم محمد وسیمی سے حاصل کی۔ یہ اپنے زمانے کا مشہور ترین خطاط تھا۔ اس نے سلطان برقوق کے لئے ایک قرآن مجید لکھا تھا جو بڑا خوبصورت ہے اور آج کل دارالکتب مصریہ قاہرہ میں محفوظ ہے۔ یہ قرآن مجید خط محقق میں لکھا ہوا ہے۔ اور مذہب ہے۔ اس پر سن کتابت ۸۰۱ھ درج ہے۔ ابن بواب کے بعد اس کی روش میں اس سے بڑا ماہر کوئی اور شخص نہیں گزرا ہے۔

فن خطاطی میں اس نے یہ اختراع کی کہ شاگردوں کو سندوں کا اجراء کیا۔ اس سے قبل فن خطاطی میں سند کا رواج نہیں تھا۔ اس کے بعد سے یہ بات عام ہو گئی کہ سندیافتہ خطاط اپنے قطعات پر اپنے نام باقاعدہ درج کرنے لگے۔ ترک خطاط اس سند کو اجازہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

۸۴۵ھ میں اس کا انتقال ہوا ہے۔ قاہرہ ہی میں ساری زندگی گزاری وہیں دفن ہوا۔ ۷۶۹ھ میں یہ قاہرہ میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے استاد محمد وسیمی کو ابن عفیف، شہاب الدین غازی اور ولی اعجمی تینوں کے شیوہ ہائے نگارش پر عبور تھا۔

عبدالرحمٰن صائغ نے یہ تینوں شیوہ جمع کر کے ایک خاص اپنا شیوہ جاری کیا تھا اور یہی اس کی شہرت کا باعث ہے۔ بلا اختلاف وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا استاد فن تھا۔

مسجد نبوی ﷺ مدینہ منورہ کی دیوار پر سورۂ فتح ابن صائغ نے بہت خوبصورت لکھی تھی۔ مختصر حجم کا ایک قرآن مجید بھی اس نے لکھا تھا۔ فن خطاطی پر اس نے ایک کتاب لکھی ہے۔ "تحفۃ اولی الالباب" جو تیونس سے ۱۹۶۷ء میں شائع ہو چکی ہے۔(۱)

☆ صبح الاعشیٰ فی کتابۃ الانشاء

عہد ممالیک مصر میں فن خطاطی کی خدمت ایک دوسرے انداز میں بہت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی ہے۔ اس دور میں دو بڑی اہم کتابیں لکھی گئی ہیں، جنہوں نے فنکاروں کے نمونے کو آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کر دیا۔ آج ہمارے لئے یہ معلومات کا بہت بڑا خزانہ ہیں۔

صبح الاعشیٰ (۸۱۴ھ) شیخ ابوالعباس احمد قلقشندی (۷۵۶-۸۴۱ھ) نے لکھی ہے۔ جو خود بہت بڑا کاتب تھا اور سرکاری دفتر میں ملازمت رکھتا تھا، یہ کتاب ۱۳۳۱ھ میں قاہرہ سے شائع ہوئی ہے، اس میں اگرچہ دوسری بھی بیش بہا معلومات ہیں، لیکن اس کے جزو ثانی اور جزو ثالث میں فن کتابت، اس کے متعلقات، مختلف خطوط جو اس زمانے میں متداول تھے اور اس کے خطاط غرضیکہ بہت ساری معلومات یکجا بہم موجود ہیں۔ اس کتاب کے ذریعے ہم قرون وسطیٰ میں فن کتابت اور خطاطی کی تاریخ سے پوری طرح واقف ہو جاتے ہیں۔ الفہرست ابن ندیم کے بعد فن خطاطی کی یہ دوسری اہم کتاب ہے اور نہایت قابل قدر کتاب ہے۔

☆ جامع محاسن کتابۃ الکُتَّاب و نزہۃ اولی البصائر والالباب

یہ محمد بن حسن طیبی شافعی کی تالیف ہے۔ آخری مملوک سلطان قانصوہ غوری کے زمانے میں ۹۰۸ ہجری میں تصنیف ہوئی ہے۔ اس نایاب کتاب کو محقق ڈاکٹر صلاح الدین منجد (بروزن مُبصر) نے تصحیح کے ساتھ ۱۹۶۳ء میں بیروت سے شائع کیا ہے۔

مصر میں اوّل روز سے شیوہ بواب کے مطابق خط نسخ لکھا جاتا رہا ہے۔ اپنے ملک کی روایات کے مطابق طیبی بھی شیوہ بواب کے مطابق بہترین خطاط گزرا ہے۔ اس کتاب میں اس نے کتابت اور اسباب کتابت کی تفاصیل دی ہیں۔ ساتھ ہی اپنے زمانے میں رائج ۱۶ قلم خطاطی کے نمونے بھی دیئے ہیں۔ ان کی تفصیل دی ہے۔ یہ سولہ قلم در حقیقت محقق، ثلث، توقیع، رقاع، مسلسل اور نسخ سے متعلق ہیں۔ اس کتاب کی اصل اہمیت اس بات میں ہے کہ اس نے ان اقلام کے نمونے ضبط کئے ہیں۔ جن کی مدد سے ان خطوط کی شناخت سہل ہو گئی ہے۔ جلیل کیا ہے، ریاسی کیا، محقق کیا ہے؟

ایران میں اور مشرق میں یاقوت مستعصمی کا شیوہ عام ہے۔ وہاں ابن بواب کا شیوہ تقریباً مفقود ہے۔ اس کتاب سے

۱۔ اطلس خط، ص ۳۱۱،

معلوم ہوتا ہے کہ ۴ سو سال تک مصر میں ابن بواب کا شیوہ ہی مقبول عام رہا ہے۔

باب ۲۶
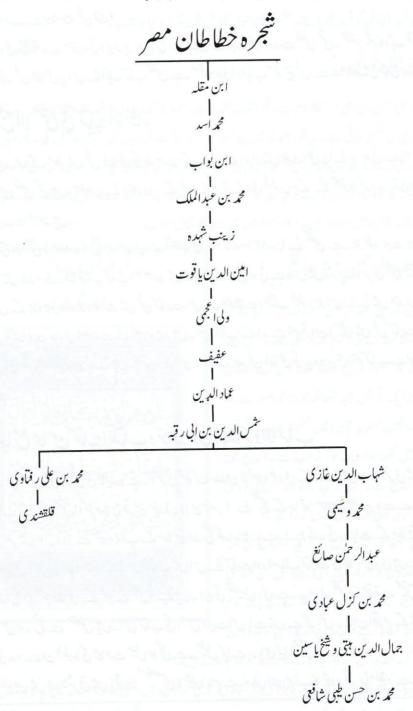
اسلامی ملکوں میں فنِ خطاطی کا احیا

ترکیہ

فن خطاطی کی تاریخ کے مطالعے سے یہ بات مبرہن ہو کر سامنے آتی ہے کہ قیام سلطنت سے فن خطاطی کو فروغ ملا ہے اور زوال سلطنت سے فن خطاطی پر زوال کے بادل چھا گئے۔ مرکزِ حکومت اور دارالسلطنت میں خطاطوں اور فن کاروں کی سرپرستی اور پرورش ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک حکمراں دوسرے حکمراں سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔

خلافت عثمانیہ ترکیہ چار صدیوں تک اسلام کی عظیم الشان قوت کا مظہر رہی ہے۔ مشرق و مغرب ہر جگہ اس کا غلبہ تھا۔ سارے عالم اسلام کا ملجا اور ماویٰ قسطنطنیہ (آستانہ) تھا۔ ہر قسم کے علوم و فنون کے ساتھ فن خطاطی کا مستقر بھی قسطنطنیہ تھا۔ ترک خطاطوں نے عربی خط کے مختلف اقلام کی بہترین خدمات انجام دی ہیں۔ خاص طور پر خط نسخ کو انہوں نے یاقوت مستعصمی کے بعد مزید ترقی دی اور نیا نکھا پیدا کیا۔

اچانک ایک برق بلا ان پر آ کر گری۔ مصطفیٰ کمال پاشا نے خلافت اسلامیہ تیرہ صدیوں کے ادارے کو ختم کر ڈالا۔ اسلام کو ملک سے دیس نکالا دے دیا۔ عربی زبان اور عربی رسم الخط کو ملک بدر کر دیا۔ ترکی زبان گزشتہ آٹھ صدیوں سے عربی رسم الخط میں لکھی اور پڑھی جا رہی تھی۔ اس کے لئے عربی رسم الخط ممنوع قرار دے دیا۔ (۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء) اور اس کی جگہ لاطینی اجنبی رسم الخط کو جبراً نافذ کر دیا۔ عربی رسم الخط کی تحریر کا طبع ہونا ممنوع قرار پایا گیا۔ ترک خطاطوں کی شاندار روایات پر خط تنسیخ پھیر دیا۔

بیک گردش چرخ نیلوفری
نے نادر بجا ماند نے نادری

☆ استاذ حامد الآمدی

عہد رفتہ کی یادگار استاد حامد آمدی ہیں۔ اس کا اصلی نام موسیٰ عزمی ہے۔ دیار بکر میں ۱۳۰۹ھ میں پیدا ہوا، خط کا شوق بچپن سے تھا۔ بڑے بڑے ماہر فن کاروں سے تعلیم حاصل کی۔ خط ثلث کی تعلیم استنبول میں محمد نظیف سے، نسخ کی تعلیم حاج کامل آفندی اور تعلیق (نستعلیق) کی تعلیم خلوصی آفندی سے حاصل کی۔ ان خطوط میں استاذ حامد کی شہرت مصر و عراق تک پھیل گئی۔ کچھ عرصے مکتبہ صنائع نفیسہ (فنونِ لطیفہ) میں ملازمت کی۔ پھر ۱۳۲۸ھ میں خواجہ محمد نظیف کی جگہ سرکاری مکتبے میں ملازمت کی۔ جنگ عظیم اول ۱۳۳۶ھ کے بعد استنبول میں خط کا مکتبہ قائم کرلیا۔ ۱۹۸۲ء میں انتقال ہوا۔

ترکی خطاطوں اور فنکاروں کا یہ آخری نمونہ ہے۔ اس کی تحریریں آج بھی وہاں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

مصر

مصر کے حکمران ممالیک پر سلطان سلیم اوّل نے مرج دابق پر ۱۷۱۱ھ میں فتح حاصل کرلی تھی۔ اس وقت سے مصر عثمانی خلافت کا جزو بن گیا تھا۔ اس وقت سے فن خطاطی پر زوال کے بادل چھاگئے تھے۔ جو خطاط سابق دور کے تھے وہ سب دارالخلافہ قسطنطنیہ منتقل ہوگئے تھے۔ تین صدیوں تک یہی زوال آمادہ صورت حالات رہی۔

۱۷۹۸ء میں نپولین کے حملے نے حالات کے پرسکون بہاؤ میں طوفانی تموج کی لہریں پیدا کردیں۔ جب یہ طوفان فرو ہوا تو محمد علی البانوی ترک نے ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء میں مصر میں ایک آزاد حکومت قائم کرلی، جو محض رسمی طور پر خلیفۃ المسلمین ترکی کے ماتحت تھی۔

آزاد حکومت کے قیام کے بعد سے علوم وفنون کی از سر نو پرورش ہونے لگی۔ علم و فن کے اجڑے گلستان میں پھر سے بہار آنے لگی۔ فن خطاطی کو پھر سے عروج حاصل ہوا۔ سلطان فواد اول نے خاص طور پر اس فن لطیف سے دلچسپی لی۔ اس نے قسطنطنیہ سے ماہر خطاطوں کو درآمد کیا اور پھر فن خطاطی کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا، جس کا افتتاح ۱۵ / اکتوبر ۱۹۲۲ء / ۱۳۴۱ھ کو قاہرہ میں ہوا۔ (۱) اس مدرسہ نے فن خطاطی کو مقبول بنانے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کے اثرات مصر سے نکل کر عرب اور دوسرے ہمسایہ ملکوں پر بھی پڑے۔ وہاں کے طلبہ بھی اس سے مستفید ہوئے۔

☆ شیخ محمد عبدالعزیز رفاعی (۲)

قسطنطنیہ میں آخری دور کا مشہور خطاط تھا۔ اس نے خط نسخ کی تعلیم الحاج احمد عارف فلبوی سے حاصل کی تھی۔ خط نستعلیق کی تعلیم حسنی قرین آبادی سے حاصل کی تھی۔ مشق و محنت سے اس نے اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ وہ مسلم الثبوت استاد تھا۔ خط کی ریاست کا اس پر خاتمہ ہوگیا تھا۔ اس بات پر اساتذہ فن کا اتفاق ہے۔ اس نے طلبہ کی سہولت کے لئے مشق کتابیں لکھی تھیں۔ ثلث، نسخ، نستعلیق اور خط دیوانی کی یہ کاپیاں طبع ہوگئی تھیں۔ جس طرح وہ خطاطی کا امام ہے اسی طرح وہ کتابت تذہیب، رسم اور نقش و نگار کا بھی امام ہے۔ کتاب کو نہایت حسین بنادیتا تھا۔ وہ ۱۳۴۰ھ میں فواد اول کے مطالبے پر آستانے سے قاہرہ آیا۔ یہاں اس نے فواد کے لئے ایک حسین قرآن مجید لکھا تھا۔

یہ صالح متقی شخص تھا۔ اس کی مجلس پُروقار اور محترم ہوتی تھی۔

۱- مدرسہ تحسین الخطوط ملکیہ، قاہرہ،

۲- مزید حالات کے لئے باب ۲۴، ملاحظہ کیجئے،

☆ مصطفیٰ بک غزلان

آستانے کا یہ بھی مشہور خطاط تھا۔ اس نے ثلث اور نسخ کی تعلیم شیخ مصطفیٰ عزت سے حاصل کی تھی۔ خط رقاع کی تعلیم محمود ناجی ملازم دیوان باب عالی سلطانی سے حاصل کی تھی اور خط دیوانی کی تعلیم محمود پاشا شکری سے جو اس زمانہ میں رئیس توقیع دیوانی کے عہدہ پر سرفراز تھا۔ بہت سے خطوط کا ماہر تھا۔ اس نے بھی مشقی کاپیاں لکھی ہیں جو ۱۹۳۸ء میں طبع ہوئی ہیں۔ شاہی محل قصر عابدین میں کتبات اس کے قلم کے لکھے ہوئے ہیں۔ دیواروں پر اس نے کتبات لکھے ہیں۔ اس نے غلاف کعبہ پر بھی آیات لکھی تھیں۔ ۱۳۵۲ھ میں اس کا انتقال ہوا۔

☆ محمد آفندی علی زادہ

آستانے کا مشہور خطاط تھا۔ خط نستعلیق میں اس کی مہارت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ حکومت مصر نے اس کو بھی طلب کیا تھا۔ خاص طور پر اس لئے کہ وہ مصر میں لوگوں کو خط کی تعلیم دے۔ وہ تذہیب، رسم اور نگار و نقش کا بھی ماہر تھا۔ وہ نقشہ نویس بھی تھا۔ ۱۳۵۶ھ میں اس کی وفات ہوگئی۔

☆ استاد یوسف احمد

یہ ماہر خطاط اپنے زمانے کا نابغہ تھا۔ اس صدی میں اس نے خط کوفی کو زندہ کیا۔ یہ دراصل محکمہ آثار قدیمہ میں ملازم تھا۔ اور نقشہ نویس اور نقاش تھا۔ آثار قدیمہ کے تقاضوں کے تحت اس نے بڑی محنت سے مسجدوں، مقبروں اور عمارتوں پر تحریر شدہ خط کوفی کے چربے اتارے اور محنت کر کے ان کو پڑھ لیا۔ اس کے پاس سینکڑوں نمونے جمع ہوگئے۔ اور پھر ہر قسم کے کوفی خط کو پڑھنے میں ماہر ہوگیا۔ حکومت مصر نے ۱۹۴۱ء میں ایک انعامی مقابلہ خط کوفی کے سلسلے میں منعقد کیا۔ اس نے اس مقابلے میں خط کوفی کے ۴۰ نمونے پیش کئے۔ جس میں سے ۱۳/ اس کے اپنے طبع زاد تھے۔ بہرکیف چار صدیوں کی گمشدگی کے بعد اس نے خط کوفی کو دوبارہ زندہ کر دیا۔

☆ شیخ علی بدوی

شیخ کی پیدائش ۱۲۸۴ھ میں ہوئی۔ وہ ایک علمی اور روحانی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اخلاق حسنہ اور تقویٰ سے متصف تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ فن کی تعلیم شیخ محمد زعلونی ملقب بہ راسم سے مدرسہ خط میں حاصل کی۔ وہاں سے استاد کبیر محمد آفندی مونس زادہ کی خدمت میں باریاب ہوا اور ان سے بھرپور استفادہ کیا۔ پھر جامع ازہر میں خط عربی کے مدرسہ میں مدرس مقرر ہوگئے۔ ۱۹۲۲ء میں تحسین الخط کے مدرسے میں مدرس مقرر ہوئے۔ انہوں نے بعض مساجد پر

کتبات لکھے۔ حسین پاشا شاہین کے لئے ایک نہایت خوبصورت قرآن مجید لکھا تھا۔

☆ سیّد ابراہیم

قاہرہ میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم حاصل کی۔ پہلے جامعہ قاہرہ میں پھر مدرسہ تحسین خطوط میں مدرس ہوئے۔ خط عربی کے مختلف نمونوں پر مشتمل ایک کتاب "خط العربی" ۱۳۶۰ھ میں شائع کی۔ پھر اپنا ذاتی مکتبہ بھی کھول لیا تھا۔ اس کا خط حسن و جمال میں بہت نفیس ہے۔ مصر کے خطاطوں میں وہ نام آور ہے۔ اس کی شہرت حدود مصر سے متجاوز ہو کر دوسرے ملکوں میں پھیل گئی ہے۔ وہ خوش خصال اور کریم النفس آدمی ہے۔

قال الله تعالى في كتابه الكريم

إن الصفا والمروة من شعائر الله

فمن حج البيت أو اعتمر فلا جناح عليه أن يطوف بهما ومن تطوع خيرا فإن الله شاكر عليم

كتبه محمد علي المكاوي من تلاميذ الشيخ محمد عبد العزيز الرفاعي

سنة ١٣٥٨
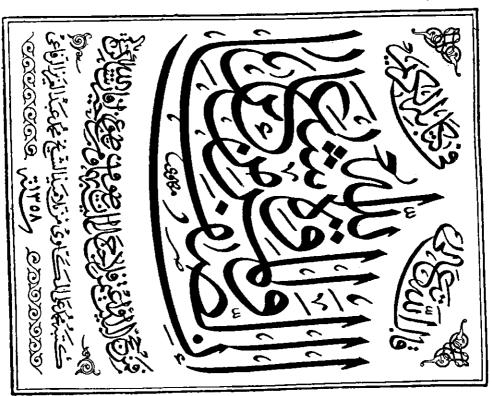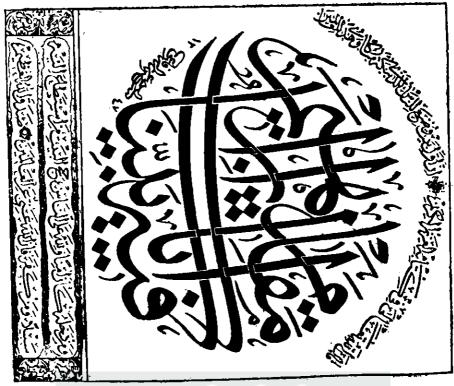
حجاز

خلافت راشدہ کے بعد سے حجاز مقدس میں پھر کبھی کوئی سلطنت قائم نہیں ہوئی۔ تیرہ صدیاں اسی حال میں گزر گئیں۔ پہلی جنگ عظیم کے موقع پر مکہ مکرمہ کے امیر (نواب) شریف حسین نے انگریزوں کی شہ پر خلافت عثمانیہ کے خلاف بغاوت کر دی۔ ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۸ء میں حجاز میں آزاد مملکت ہاشمیہ قائم کر دی۔ ۶ سال بعد سلطان عبدالعزیز بن سعود والی نجد نے مکہ اور مدینہ منورہ پر قبضہ کرلیا اور ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء میں سعودی مملکت قائم کر دی۔ آج تمام عرب ممالک میں سب سے زیادہ مستحکم اور سب سے زیادہ مالدار یہی سعودی عرب کی حکومت ہے۔ آزاد حکومت کے قیام کے ساتھ ہی حجاز میں علوم وفنون کی قدر دانی شروع ہوگئی۔ فن کتابت کی سرکاری سرپرستی شروع ہوگئی۔ خطاط وہاں جمع ہونے لگے۔ شریف حسین نے ۱۳۳۰ھ میں مکہ مکرمہ میں مدرسۃ الفلاح قائم کیا۔ جس میں خوش خطی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس نے تحسین خط کا دوسرا مدرسہ جدہ میں کھلوایا تھا۔ اس طرح عرب میں فن خطاطی کا آغاز شروع ہوگیا۔

☆ شیخ فرج غزاوی

شیخ فرج بن سلیمان علی غزاوی اپنے زمانے کا بہترین خطاط تھا۔ شریف عبداللہ بن عون بن محمد کے زمانے میں دیوان میں کاتب تھا۔ دربار خلافت سے مراسلت اس کے قلم سے ہوتی تھی۔ شریف کی اولاد کا معلم بھی یہی تھا۔ یہ بڑا فاضل شخص تھا۔ ۱۳۲۰ھ میں وفات ہوگئی۔

☆ شیخ سلیمان غزاوی

شیخ سلیمان ۱۲۸۳ھ میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوا۔ دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ مدرسہ مسجد حرام میں تحصیل علم کیا۔ فنِ کتابت کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، حتیٰ کہ سارے حجاز میں اس کی شہرت ہوگئی۔ جب شریف نے ۱۳۳۰ھ میں مکہ میں مدرسۃ الفلاح قائم کیا تو مدرس کے لئے شیخ سلیمان کو ہی منتخب کیا گیا۔ اس مدرسے سے بہت سے شاگرد پیدا ہوئے۔ اس کا خط بہت نفیس اور جمیل تھا۔ انہوں نے کئی کتابیں اپنے قلم سے لکھی ہیں۔ وہ فاضل انسان تھا۔ صلاح و تقویٰ سے آراستہ تھا۔

☆ شیخ تاج غزاوی

یہ ۱۲۹۲ھ میں مکہ تولد ہوا۔ گیارہ سال کی عمر میں حفظ قرآن کی سعادت حاصل کی۔ مسجد حرام میں تحصیل علم کیا۔ والد سے فن کتابت کی تعلیم حاصل کی۔ پہلے مدرسہ تحسین الخط جدہ میں مدرس مقرر ہوا، پھر شریف حسین ۱۳۲۰ھ کے دیوان

(دفتر) کا رئیس الکتاب (چیف سیکرٹری) مقرر کر دیا۔ جب سلطان عبدالعزیز بن سعود کا حجاز پر قبضہ ہو گیا، اس نے ان کی ملازمت مدرسہ جدہ میں برقرار رکھی۔ (۱۳۴۴ھ) پھر ۱۳۴۸ھ میں یہ مکہ کے مدرسے میں آ گیا۔ اس نے بڑے خوبصورت اور حسن عقیدت کے ساتھ تین قرآن مجید لکھے۔ ایک مسجد نبوی ﷺ میں رکھا، دوسرا مسجد ابن عباسؓ طائف میں رکھا اور تیسرا اپنے پاس رکھا۔

☆ شیخ محمد ادیب

۱۳۱۳ھ میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوا۔ مدرسہ رُشدیہ سے تعلیم حاصل کی۔ خط کی تعلیم پہلے اپنے والد سے پھر حسن فروش سے اور علی آفندی سے حاصل کی۔ ذوق سلیم خداداد شے ہے۔ جلد ہی وہ ماہر خطاط بن گیا۔ شریف حسین نے مملکت ہاشمیہ کے لئے سکہ پر اور ٹکٹوں پر اس سے کتابت کرائی تھی۔

☆ شیخ عبدالرحیم داغستانی

یہ ۱۳۱۷ھ میں مکہ میں پیدا ہوا۔ مدرسہ صولتیہ مکہ میں دینی تعلیم حاصل کی۔ خط کی تعلیم بھی وہاں حاصل کی۔ پھر فن کی تکمیل سید محمد مرزوق کتبی سے کی جو سرکاری دفتر میں محرر اعلیٰ کے عہدے پر فائز تھا۔

☆ شیخ محمد طاہر کردی

حجاز عرب کا نامی گرامی خطاط اور فن کار محمد طاہر کردی ہے۔ حجاز سے جا کر مدرسہ تحسین خطوط قاہرہ میں ۱۳۴۱ھ میں داخلہ لیا۔ مدرسے کے افتتاح کے بعد داخل ہونے والا یہ پہلا طالب علم تھا۔ وہاں خطوط کی تعلیم محمد آفندی ابراہیم سے حاصل کی۔ نشش قلم میں مہارت حاصل کی۔ نقش نگاری میں سید عبدالعزیز رفاعی کی شاگردی کی اور چار سال بعد ۱۳۴۵ھ کے سالانہ امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ اس مدرسے سے تعلیم حاصل کرنے والا یہ پہلا گروہ تھا۔

حجاز میں واپس آکر جدہ اور مکہ میں خط کی تعلیم دی۔ تدریس کے لئے مشقی کاپیاں لکھیں۔ دوسری بعض کتابیں لکھیں لیکن سب سے بڑا کارنامہ ان کا فن کی تاریخ ہے۔

☆ تاریخ الخط العربی و آدابہ

کردی نے یہ کتاب لکھی ہے۔ یہ کتاب قاہرہ سے ۱۹۳۹ء / ۱۳۵۸ھ میں شائع ہوئی۔ یہ اپنے انداز کی نئی کتاب ہے۔ اس کتاب میں مصنف کی محنت قابل داد ہے۔ یہ طبقات الخطاطین طرز کی کتاب ہے۔ قدیم و جدید تمام خطاطوں کا تذکرہ بڑی محنت سے جمع کیا ہے۔ بڑی محنت سے ان کے سنین وفات کا پتہ چلایا ہے۔ سندات ترکی اور مصری درج کی ہیں اور دوسری بہت سی متفرق معلومات کا اس کتاب میں احاطہ کیا ہے۔ یہ معلومات کا خزانہ ہے۔

سلسلہ سند ترکی

محمد طاہر کردی
عبدالعزیز رفاعی
احمد عارف فلبوی
محمد شوقی آفندی
خلوصی آفندی
محمود راجی آفندی
عریف مصطفیٰ کوتاہی
سلیمان مشہور مستعد زادہ
عمر وصفی طرابزونی
یملق صالح
حسین الحلی
دوریش علی
حافظ عثمان
مصطفیٰ ایوبی
درویش علی دده
خالد دده
حسن اسکداری
پیر محمد دده
محمد دده
شیخ مصطفیٰ دده
شیخ خیر الدین رعشی

سلسلہ سند مصری

محمد طاہر کردی
محمد آفندی ابراہیم
محمد بک جعفر
محمد مونس آفندی
والدہ ابراہیم آفندی مونس
عثمان آفندی بقلجی
اسماعیل وہبی آفندی
حسین آفندی نوری
حسین آفندی جزائری
درویش علی
خالد آفندی
حسن آفندی اسکدارہ
پیر محمد
درویش محمد
والدہ مصطفیٰ دده شلبی
والدہ حمد اللہ اماسی
خیر الدین مرعشی
عبدالرحمٰن صائغ

عراق

خلفائے بنی عباس کے زوال ۶۵۸ھ /۱۲۵۶ء کے ساتھ ساتھ بغداد اور عراق پر بھی زوال آگیا تھا۔ آل جلائر ۸۰۸ھ کے بعد تو بالکل ہی چراغ گل ہو گیا۔ پانچ صدیوں کی تاریکی کے بعد پہلی جنگ عظیم میں (۱۹۱۴۔۱۹۱۸ء) برطانیہ نے عراق پر قبضہ کرلیا اور خلافت عثمانیہ کی بالادستی کا خاتمہ کردیا۔ پھر وہاں برطانیہ نے انتداب (MANDATE) کے تحت ۱۹۱۹۔۱۹۲۱ء تک حکومت کی، لیکن جلد ہی وہاں آزاد مملکت ہاشمیہ کا قیام عمل میں آیا جو ۱۹۲۱ء سے ۱۹۵۸ء تک چلتی رہی۔ ۱۹۵۸ء سے عراق ایک جمہوریہ ہے۔ آزاد مملکت بن جانے کے بعد وہاں علوم وفنون کی پھر نئے سرے سے آبیاری شروع ہوئی۔ فن خطاطی کو بھی فروغ حاصل ہوا۔

☆ ماجد زہدی

اس کا پورا نام کامل حسین ماجد آفندی ایوال ہے۔ ۲۹ مارچ ۱۸۹۱ء میں یہ پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کی، مگر تعلیم کا سلسلہ خرابی صحت کی بناء پر جاری نہ رہ سکا۔ ۱۹۳۹ء میں مدرسہ تحسین خطوط قسطنطنیہ میں داخل ہوا۔ امتحان میں سب پر سبقت لے گیا۔ انعام میں ایک طلائی گھڑی ملی۔ خط نسخ اور ثلث میں کمال حاصل کیا۔ اس کی تحریریں مسجدوں میں موجود ہیں، کتابیں بھی ہیں۔

وہاں سے پھر اس نے عراق کا سفر اختیار کیا اور یہاں درس گاہ فنون جمیلہ میں خط کی تعلیم کے لئے تقرر ہو گیا۔ مدرسہ میں بہت سے لوگوں کو فیض پہنچایا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ماجد زہدی نے فن خطاطی کا ترکوں کا ذخیرہ اور فنی معلومات اہل عراق کو پہنچائیں۔ جدید دور کے خطاط سب اس کے زیر بار احسان ہیں۔ وہ ورثہ جو مساجد میں گھروں میں ترکی میں بے کار پڑا تھا وہ ماجد کے ذریعے عراق میں پھیل گیا۔ (۱)

☆ محمد ہاشم خطاط

جدید دور میں عراق کا مشہور و معروف خطاط محمد ہاشم ہے۔ محمد ہاشم ۱۹۱۷ء میں بغداد میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ہی خطاطی کا شوق لگ گیا تھا۔ استاد محمد علی فضلی سے مختلف خطوط کی تعلیم حاصل کی۔ عالم اسلام کے سفر پر روانہ ہوا اور مختلف خطاطوں سے ملاقات کی۔ امام خط استاد حامد آمدی سے استنبول میں سند حاصل کی۔ آخر میں قاہرہ کے مدرسہ

۱۔ مصور الخط العربی، ص ۱۷۵،۱۷۶۔

تحسین خطوط میں ۱۹۴۵ء میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۸ء میں امتیازی شان کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔

بغداد میں آکر درس گاہ فنون جمیلہ میں ماجد زہدی کی جگہ استاد مقرر ہوگیا۔ شعبہ نقشہ نویسی میں بعض خدمات انجام دیں، مگر سب سے اہم خدمت جو اس نے انجام دی وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا وہ نسخہ جو مشہور خطاط محمد امین رشدی نے لکھا تھا، اس کو مطبع مساحت میں طبع کرایا۔ یہ نسخہ کتابت، فنی خوبیوں اور نقش ونگار کے اعتبار سے لاثانی ہے۔ استاد نے بے اندازہ محنت کر کے نفیس ترین مصحف طبع کرایا۔ یہ طباعت محکمہ اوقاف کے خرچے پر ہوئی۔ بعض مساجد کی محرابوں پر اس نے کتبات لکھے ہیں۔ عراق، مراکش، لیبیا، تونس اور سوڈان کے لئے اس نے سکے، نوٹ اور ٹکٹ پر تحریریں لکھی ہیں۔

دوسری مرتبہ اس قرآن مجید کو جرمنی میں لے جاکر طبع کرایا۔ استاد ہاشم نے دو سال جرمنی میں قیام کیا اور طباعت اور نقش ونگار کے مراحل خود اپنی نگرانی میں طے کرائے۔ یہ قرآن مجید اوقاف کے قابل فخر کارناموں میں سے ایک ہے۔ ابھی جرمنی سے آئے ہوئے چند ہی مہینے گزرے تھے کہ پیغام اجل آگیا۔ ۳۰/اپریل ۱۹۷۳ء کو استاد محمد ہاشم کا انتقال ہوگیا۔ تدفین مقبرہ خیزران کے نزدیک ہوئی۔(۱)

استاد ہاشم نسخ اور ثلث کا مسلم الثبوت ماہر تھا۔ اس کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ اس دور کے امام خط حامد آمدی کا قول اس کے خط کے متعلق یہ ہے کہ "خط نسخ بغداد میں پیدا اور بغداد میں ختم ہوگیا۔" اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ خط نسخ کو ابن بواب نے کمال کو پہنچایا اور پھر استاد ہاشم پر اس کا خاتمہ ہوگیا۔(۲)

☆ مہدی محمد صالح

مہدی محمد صالح ۱۹۲۸ء میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لئے تدریس کے مدرسے میں داخلہ لے لیا۔ جب شعبہ مساحت میں تقرر ہوا تو وہاں استاد ہاشم اور دوسرے خطاطوں کی صحبت میں اول مرتبہ خطاطی کا شوق لگا۔ وہاں محمد ہاشم کی شاگردی اختیار کی اور مرتے دم تک استاد کے ساتھ وابستہ رہا۔

پھر بعض دوسرے خطاطوں کے ساتھ مل کر مکتبہ خط اور ڈرائنگ قائم کیا۔ پھر آگے بڑھ کر ۱۹۵۴ء میں دارالخط العربی قائم کیا جس میں ملک کے بہت سے اہلِ قلم اور اہلِ فن آکر شریک ہوگئے۔ جب استاد ہاشم قرآن مجید کی طباعت کے سلسلے میں جرمنی میں گئے تو ان کی جگہ محمد مہدی صالح نے ہی ان کے فرائض انجام دیئے۔ ان کے شاگردوں کو فن کی تعلیم دی۔ اس عرصے میں اس کو ثلث اور نسخ پر مہارت حاصل ہوگئی۔ اس نے چند نمونے تیار کئے جن کو پیش کر کے استاد ہاشم سے سند حاصل کرنا چاہتا تھا مگر استاد ہاشم جلد ہی وفات پاگئے۔ جس کا اس کو اور تمام دوستوں کو سخت صدمہ ہوا۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں رہا تھا کہ وہ ترکی کا سفر کرتے اور وہاں جاکر استاد خطاط کبیر حامد آمدی سے اجازت حاصل کرتے جو اب ۸۳ سال کی عمر میں بھی بدستور اسی طرح لکھتا ہے۔ اس کے قلم میں نہ تھکن ہے نہ ضعف، محمد مہدی اس کی کٹیا میں پہنچا اور

۱- فن الخط، مرتبہ مصطفیٰ اوغور درمان، ص ۲۲۵، ۲- الخط العربی، ص ۱۳۴ تا ۱۳۷،

اپنے خط کے نمونے دکھا کر استاد کبیر سے اجازت حاصل کی۔

مہدی محمد نے بہت سے نوجوان خطاطوں کی تربیت کی ہے۔(۱)

☆ "مصور الخط العربی" اور "بدائع الخط العربی"

عراق سے یہ دو کتابیں بڑی نادر شائع ہوئی ہیں۔ان میں قدیم زمانے سے لے کر آج تک مختلف خطاطوں کے اصل نمونے جمع کیے گئے۔اس طرح فن خطاطی کا نادر ذخیرہ عوام کے سامنے پیش کر دیا ہے۔اگر ساتھ ساتھ فن کاروں اور خطاطوں کے حالات بھی جمع کر دیئے جاتے تو کتاب کی قیمت کئی گناہ بڑھ جاتی۔

ان دونوں کا مصنف ناجی زین الدین عراقی ہے۔جو بغداد میں ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوا۔تعلیم خلافت عثمانیہ کے دور میں حاصل کی۔ہندسہ (مساحت) کی تعلیم حاصل کی۔مہندس کی حیثیت سے مختلف خدمات سرانجام دیں۔جہاں عراق کا نقشہ اور عراق کی مساحت جیسی کتابیں لکھیں، وہاں عربی خط کے نادر نمونے جمع کرتا رہا اور بالآخر یہ دو کتابیں لکھیں۔ مصور الخط العربی اور بدائع الخط العربی۔

پہلی کتاب مجمع علمی عراقی نے شائع کی ہے ۱۹۶۷ء میں اور دوسری کتاب بھی مجمع علمی نے شائع کی ہے۔ ۱۹۷۳ء میں بغداد سے۔ایک کتاب موسوعۃ الخط العربی لکھنی شروع کی تھی اس کی ۶ جلدیں لکھ لی تھیں۔ پہلے دو حصے ایک جلد میں شائع ہو گئے ہیں اس کے بعد ان کی وفات ہو گی۔(۲)

ا۔الخط العربی، ص ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۲، ۲۔از مرتب،

ایران

ایران قدیم زمانہ سے لے کر آج تک ایک آزاد سلطنت کی حیثیت سے قائم ہے۔ نہ وہ کسی کا محکوم ہوا نہ وہاں کوئی لسانی انقلاب برپا ہوا۔ اس لئے قدیم زمانے سے لے کر آج تک علوم و فنون کا تسلسل جاری ہے۔ فن خطاطی بھی مقبول عام فن ہے۔ ہر دور میں بڑے بڑے فن کار خطاط ایران میں گزرے۔ قریبی دور کے چند ایک نمایاں خطاطوں کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

☆ میرزا محمد رضا کلہرؒ (۱)

یہ کردستان کا رہنے والا تھا۔ ۱۲۴۵ھ میں پیدا ہوا تھا۔ ابتداء میں فنون عسکری سے بہت دلچسپی تھی۔ ایک مدت کے بعد خطاطی سے دلچسپی ہوگئی۔ ابتداء میں میرزا محمد خوانساری کی شاگردی کی۔ پھر میر عماد حسنی قزینی کے کتبات کو سامنے رکھ کر مشق شروع کردی۔ اس کی مشاقی کا یہ حال تھا کہ دن رات میں اٹھارہ گھنٹے مشق کرتا رہتا تھا۔ مشاقی سے اپنے خط کو استاد کے خط سے ملا دیا۔ اس کے زمانے میں سارے ایران میں اس سے بڑا نستعلیق کا استاد اور کوئی نہ تھا۔

محمد رضا آزاد منش، خوش اخلاق اور بے نیاز قسم کا انسان تھا۔ ناصر الدین شاہ قاچار نے اس کو اپنے دربار سے وابستہ کرنے کی کوشش کی، مگر یہ تیار نہیں ہوا۔ ۱۳۱۰ھ میں ۶۵ سال کی عمر میں وبا کے اندر اس کا انتقال ہو گیا۔ بہت سی کتابیں طبع شدہ اس کے قلم کی یادگار ہیں، دلوان قآنی، نصائح ملوک، سفرنامہ کربلائی، ناصر الدین شاہ، منتخب السلطان (ناصر الدین شاہ کی بیاض اشعار) وغیرہ وغیرہ۔ بہت سے لوگ اس کے شاگرد ہوئے۔ (۲)

☆ میرزا عبدالرحیم افسر اصفہانی

اس کا والد مسکین اصفہانی شاعر تھا۔ افسر کو بچپن سے خط کا شوق تھا۔ ابتداء میں آقا باقر سموری کی شاگردی کی۔ پھر میر عماد قزوینی کے کتبات کی پیروی کی۔ مشق اور شوق سے خط کو بہت ترقی دی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ افسر کے خط میں میر عماد کی سی استواری ہے اور میر علی ہروی کی سی ملاحت ہے۔

۱۔ کردوں کے ایک قبیلہ کا نام کَلہر (ک مفتوح اور لام مضموم) یہ وہی لفظ ہے جو سندھ میں آکر کلہوڑا بن گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کلہوڑے دراصل کردوں کا ایک قبیلہ تھے۔ شمس الدین کرت ساتویں صدی ہجری میں سیستان کا بادشاہ تھا۔ اس کے ساتھ کرد بلوچستان میں داخل ہوئے۔ پھر وہاں سے سندھ میں داخل ہوگئے۔ ۲۔ اطلس خط، ص ۵۹۱،

افسر کے ہاتھ کی تحریریں بہت موجود ہیں۔ سہام الدولہ میرزا ابراہیم خاں کی ہمرکابی میں دوران سفر اس نے ایک کتاب "بصیرت اولی الالباب و عبرت نامہ پادشاہان مالک رقاب" لکھی۔ جس پر ۱۲۹۱ھ درج ہے۔ بعض لوگوں کے مرقعات میں اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قطعات موجود ہیں۔ ۱۳۱۵ھ میں اس نے وفات پائی۔ اس کے بھی بہت سے شاگرد پائے جاتے ہیں۔(۱)

☆ عماد الکتاب

میرزا محمد حسین خاں عماد الکتاب سیفی قزوینی خاندان کا ایک فرد تھا۔ اس نے میرزا محمد رضاء کلہرؒ سے فن خطاطی کی تعلیم حاصل کی۔ کہتے ہیں کہ کلہر کے شیوہ کو اس سے بہتر کسی اور نے نہیں لکھا ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس نے کلہر کے شیوہ میں نمکینی پیدا کر دی ہے۔ موجودہ صدی میں خط نستعلیق کا اور خوش نویسی کا استاد تسلیم کیا گیا ہے۔ وہ تمام خطوط بخوبی لکھتا تھا۔ موجودہ پہلوی خاندان کی بعض عمارات پر کتبے اسی کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ خاص طور پر مدخل مدرسہ سپہ سالار لوحہ مزار فردوسی طوسی، طالب علموں کے لئے ایک مشق کتاب بھی اس نے طبع کرائی تھی۔

عماد الکتاب نے سیاسی زندگی میں حصہ لیا ہے۔ سلطان احمد شاہ قاچار کے زمانے میں بنیادی حقوق (مشروطیت) کی جنگ میں اس نے حصہ لیا تھا، اس لئے (۱۳۳۶-۳۷ھ) یہ جیل خانے میں بند رہا ہے۔ رہائی کے بعد اس کے دن بدل گئے تھے۔ شہنشاہ محمد رضاء پہلوی کا یہ استاد بھی رہا ہے۔ ۱۳۴۵ھ میں اس کا انتقال ہوا ہے۔(۲)

عبدالرحیم افسر اصفہانی، خط نستعلیق

مسکن شد و کوچہ ملامت ما را
رو نیست بوادی سلامت ما را
درویشانیم ترک عالم کردہ
این است طریق تا قیامت ما را

۱-اطلس خط، ص ۵۷۸، ۲-اطلس خط، ص ۵۹۴،

☆ عبدالحمید امیر الکتاب

یہ عبدالمجید مجدی کردستانی کا فرزند ہے۔ سال ولادت ۱۳۰۲ھ ہے۔ اپنے والد سے اور اپنے شہر میں تمام تعلیم کی تکمیل کی۔ پھر والد کے ساتھ سفر کیا۔ امیر الکتاب مذہب تسنن رکھتا تھا۔ تصوف کی طرف مائل تھا۔ قرآن کا حافظ تھا۔ احادیث سے باخبر تھا۔ عربی زبان بخوبی جانتا تھا۔ شاعر تھا "شرقی" تخلص تھا۔ نثر میں بھی صاحب طرز ادیب تھا۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی کا معتقد تھا۔

خطوط نسخ، ریحان، رقاع، نستعلیق، ثلث، تعلیق، شکستہ کو خاص ادا کے ساتھ لکھتا تھا۔ خط ثلث میں تو اس کو بزرگ خطاطوں کے ساتھ شمار کرنا چاہئے۔ وہ خطوط تزئینی، کوفی، توامان، طغرا بھی بڑی مہارت سے لکھتا تھا۔ خواجہ حافظ کی آرام گاہ پر کتبہ اس نے لکھا ہے۔ اعلیٰ حضرت رضا شاہ کبیر کے مزار پر کتبہ بھی اس نے لکھا ہے۔ خط ثلث میں ہے۔ بہت بے نظیر ہے۔ شیخ کا انتقال ۱۳۶۸ھ میں ہوا ہے۔ "مات عبدالحمید طاب ثراہ" سے یہ تاریخ نکلتی ہے۔

مرزا محمد حسین خان عماد الکتاب، خط نستعلیق

☆ حبیب اللہ فضائلی اصفہانی

حبیب اللہ محمد ابراہیم کا فرزند ہے۔ ان کا خاندان علماء کا گھرانہ ہے۔ یہ ۱۳۰۱ھ میں پیدا ہوا ہے۔ ابتدائی تعلیم کا آغاز اگرچہ والد نے کر دیا تھا مگر جلد ہی ان کا انتقال ہوگیا۔ وہاں سے اصفہان کے دینی مدارس میں تحصیل علم کیا۔ اسی زمانے میں

عبدالحمید امیر الکتاب، خط نسخ، ثلث نستعلیق و شکستہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الناس کالجسد الواحد اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسہر والحمی

ترجمہ از سعدی علیہ الرحمہ است

بنی آدم اعضای یکدیگرند | کہ در آفرینش ز یک گوہرند
چو عضوی بدرد آورد روزگار | دگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنت دیگران بی غمی | نشاید کہ نامت نہند آدمی

خطاطی کا شوق پیدا ہوگیا۔ خداداد شوق اور مشاقی سے کام لیا۔ استادوں کے کتبات کو سامنے رکھ کر نقل کرتا رہا۔ حتیٰ کہ مختلف خطوط میں مہارت حاصل ہوگئی۔ کوفی، محقق، ریحان، ثلث، رقاع، نسخ، نستعلیق، شکستہ کو خوب لکھتا ہے۔ اصفہان کے مدرسے میں بچوں کو خط کی تعلیم دیتا ہے۔ عراق و سامرا کے مزارات پر اس نے بہت کتبات لکھے ہیں۔

حبیب اللہ فضائلی کے قلم سے مختلف خطوط کے نمونے

(۱) [illegible]

(۲) پیوستہ است سلسلہ موج ہا بہم خود را شکستہ ہر کہ دل ما شکستہ است

(۳) [illegible]

(۴) أتزعم أنك جرم صغير وفيك انطوى العالم الأكبر قاله المرتضى ع

(۵) اعمل لدنياك كأنك تعيش أبدا واعمل لآخرتك كأنك تموت غدا قاله النبي

(۶) از زبان سوسن آزاده ام آمد بگوش کاندرین دیر کهن کار سبکباران خوش است از حافظ شیرازی

(۷) تعلم قوام الخط يا ذا التأدب فما الخط إلا زينة المتأدب وإن كنت ذا مال فخطك زينة

(۸) تغرب عن الأوطان في طلب العلى وسافر ففي الأسفار خمس فوائد

(۹) تفرج هم واكتساب معيشة وعلم وآداب وصحبة ماجد شعر منسوب به مولای متقیان

(۱۰) بقدر الكد تكتسب المعالي ومن طلب [illegible]

(۱۱) [illegible]

۱۔ خط طغرا ۲۔ نستعلیق ۳۔ شکستہ ۴۔ ریحان و محقق ۵۔ ثلث ۶۔ رقاع ۷۔ نسخ ۸۔ دیوانی ۹۔ رقعہ ۱۰۔ کوفی سادہ

☆ اطلس خط

حبیب اللہ فضائلی کا سب سے قابل قدر کارنامہ یہ کتاب اطلس خط ہے جو بڑے سائز کے سات سو صفحات پر مشتمل ہے اور آرٹ پیپر پر طبع شدہ ہے۔ دراصل شہنشاہ آریہ مہر محمد رضا شاہ پہلوی کی ڈھائی ہزار سالہ جشن شہنشاہی ایران کی تقریب منعقدہ رجب ۱۳۹۱ھ میں پیش کی گئی ہے۔ یہ کتاب جس طرح صورت میں زیبا ہے اس طرح معنویت میں بھی بہت اعلیٰ مرتبے کی حامل ہے۔ مؤلف نے اس کے لئے دس سال تحقیق و تدقیق کی ہے۔ عربی، فارسی اور ترکی کی سینکڑوں کتابیں ان کے تذکرے مؤلف نے پڑھے ہیں اور پھر اس ساری معلومات کو بڑے سلیقے سے مرتب کیا ہے۔ پہلے حصہ میں خط اور تحریر کے آغاز اور ارتقاء سے بحث ہے اور دوسرے حصے میں اسلامی خطوط کی تفصیل ہے اور خطاطوں کا تذکرہ ہے۔ حق بات یہ ہے کہ ایسی جامع کتاب دوسری کوئی موجود نہیں ہے۔ مؤلف کی محنت قابل قدر ہے اور کامیاب ہے۔ اطلس خط تاریخی حصہ ہے جبکہ ان کی دوسری کتاب تعلیم خط عملی معلومات پر مشتمل ہے۔

افغانستان

ہرات پر صفویوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد علوم و فنون کی شمع ہرات اور افغانستان میں گل ہوگئی، جس کو تیموریوں نے بے اندازہ تابناک بنا دیا تھا۔ ڈھائی صدیاں اسی طرح تیزی میں گزر گئیں۔ نادر شاہ کے قتل کے بعد احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء کو قندھار میں نئی حکومت قائم کی اور تاریخ میں پہلی مرتبہ افغانستان نقشہ میں نمودار ہوا۔ جدید افغانستان کا بانی احمد شاہ ابدالی یا درانی ہے۔ (۱۱۶۰/ ۱۱۸۶ھ، ۱۷۴۷/ ۱۷۷۲ء)

قیام سلطنت کے ساتھ ہی دار السلطنت قندھار میں علماء اور فضلاء کا اجتماع شروع ہو گیا۔ دیگر علوم و فنون کے ساتھ ساتھ فن خطاطی کی بھی سرپرستی کی گئی۔ فن خطاطی ہندوستان سے افغانستان پہنچا ہے۔ غازی الدین بن عماد الملک کے کاتب و خطاط میرزا ارجمند کو احمد شاہ ابدالی اپنے ساتھ قندھار لے گیا تھا اور دوسرے فن کار بھی وہاں گئے اور وہاں فن خطاطی کی داغ بیل ڈالی، نئے نئے تلامذہ پیدا کئے۔

☆ میر عبدالرحمٰن

ہرات کے سادات خاندان سے اس کا تعلق تھا۔ یہ شاہ محمود اور شاہزادہ کامران کا مصاحب رہا ہے۔ لیکن مزاج کے اعتبار سے درویش صفت انسان تھا۔ فن خطاطی میں درجہ استادی پر فائز تھا۔ اس نے بعض باکمال شاگرد پیدا کئے ہیں۔ مثلاً حسین سلجوقی، نجف سلمانی وغیرہ۔ وہ مرد فقیر تھا مگر ساری زندگی ہرات میں عزت و توقیر کے ساتھ گزاری۔ ۱۲۶۸ھ میں انتقال ہوا ہے۔ (۱)

☆ سید محمد داؤد حسینی

اس کی خوشنویسی کا آغاز سراج الاخبار کابل سے ہوتا ہے۔ جس میں یہ کتابت کرتا تھا اور خصوصاً سرخیاں لکھتا تھا۔ پھر سرکاری مطبع میں ملازمت اختیار کرلی۔ جہاں خطاطی کے علاوہ جدول کشی کا کام کیا۔ اس کے بعد مدرسہ خط میں معلم کی جگہ پر مقرر ہو گیا۔ اس دور میں اس نے طلبہ کے لئے "رہنمائی خطاطی" کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی۔ یہ خط نستعلیق کا بہت ماہر تھا۔ اس کے آثار قلم کابل میں موجود ہیں۔ ۱۳۴۲ش، میں موجود تھا۔ (۲)

۱- ہنر خط در افغانستان، ص ۱۱۵،   ۲- ہنر خط، ص ۱۴۸،

☆ استاد محمد علی عطار

ہرات میں ۱۳۲۸ھ میں پیدا ہوا۔ بچپن سے خط کی طرف طبیعت کا میلان تھا۔ جس کی وجہ سے ملا محمد صدیق سے خط کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے۔ عربی خط کے مختلف انواع کی خوب مشق کی۔ پھر پرانی مسجدوں اور مزاروں کے کتبات، نسخ، ثلث اور معقلی کی دیکھ کر نقل کی۔ قدیم دور عباسی کے سکوں سے خط کوفی کی مشق کی۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں خط کوفی کا جاننے والا کوئی نہیں رہا تھا۔ اس طرح مشق و محنت سے تمام عربی خطوط میں مہارت حاصل کرلی۔ پھر خطوط کے نمونوں سے متعلق ایک کتاب "گنجینہ خطوط وافغانستان" لکھی جو کابل سے ۱۳۴۵ش میں طبع ہو چکی ہے، جولائی ۱۹۶۷ء،

حسین وفا لسجوقی، مولوی عزت اللہ، سراج الدین وغیرہ شاگرد ہیں آثار کتابت میں۔ جامع مسجد ہرات، مسجد خواجہ مودود ہرات، مسجد خرقہ شریف ہرات، مسجد گوہر شاہ مشہد میں تین سورتیں لکھیں۔ چند قطعات ڈاکٹر ذاکر حسین صدر جمہوریہ ہند کے لئے لکھے ہیں۔

☆ عزیزالدین وکیلی پوپلزئی

اس دور کا مشہور خطاط عزیزالدین وکیلی پوپلزئی ہے۔ جس نے اپنی مشاقی کے نمونے "ہنر خط در افغانستان" مطبوعہ کابل ۱۳۴۲ھ میں شائع کئے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک کتاب تحفۃ الاشراف کے نام سے لکھی ہے اور کابل سے ہی چھپی ہے۔ دوسرا مشہور خطاط حسین وفا سلجوقی ہے جس کی کتاب خوشنویسان و ہنر منداں کابل سے ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئی ہے۔ افسوس ان فنکاروں کے حالات حاصل نہ ہو سکے۔(۱)

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

ا۔ فوفلزئی، ہنر خط، ص ۱۵۹،

فصلِ پنجم

باب ۲۷۔ خطاطی بہ عہد سلطنت

باب ۲۸۔ دبستانِ مغل، بابر و ہمایوں

باب ۲۹۔ دبستانِ مغل بہ عہدِ جلال الدین اکبر

باب ۳۰۔ دبستانِ مغل، بہ عہدِ نور الدین محمد جہانگیر

باب ۳۱۔ خط نسخ کا احیا

باب ۳۲۔ دبستانِ مغل کا اختتام

باب ۲۷

خطاطی بہ عہد سلطنت
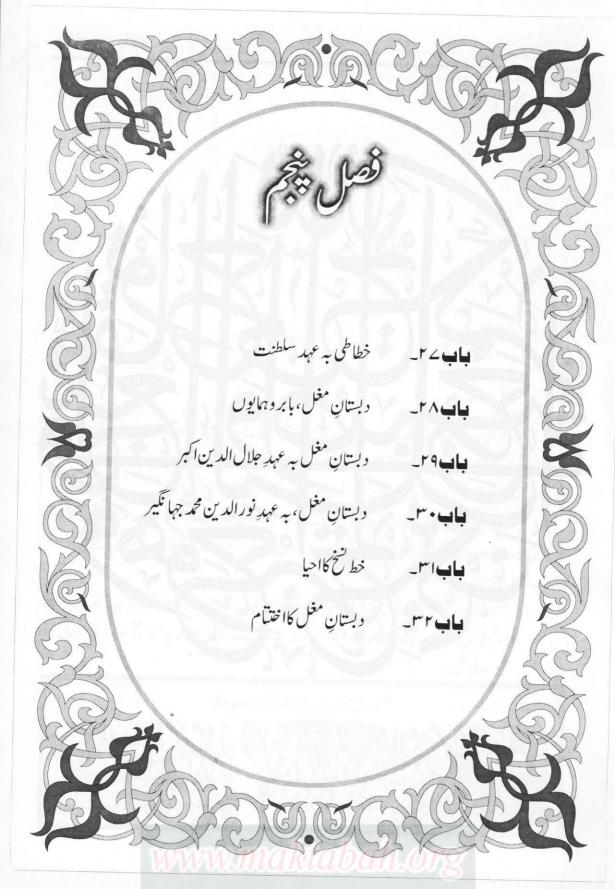
☆ عربی دور

اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں محمد بن قاسم ثقفی نے سنہ ۹۳ھ / ۷۱۱ء میں سندھ اور ملتان کا علاقہ فتح کیا۔ اس طرح یہاں عربوں کی حکومت کا آغاز ہوا۔ جو کسی نہ کسی صورت میں ۲۹۰ھ / ۹۰۲ء تک جاری رہی۔ سن مذکور میں یعقوب بن لیث صفاری حاکم سیستان نے سندھ پر قبضہ کر لیا اور عربوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

عربوں کی فتح کے ساتھ اسلام کی یہاں وسیع پیمانے پر اشاعت ہوئی۔ قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور اسلامی علوم کا یہاں رواج ہوا۔ اس دور میں عربی خط، خط کوفی بھی یہاں رواج پذیر ہوا۔ اس دور کے آثار بہت کم باقی رہ گئے ہیں۔ تاہم چند ایک تاحال باقی ہیں۔

۱- بھنبھور (دھابے جی کراچی) میں قدیم آثار اور ایک قدیم مسجد ملی ہے۔ اس جگہ کو دیبل قرار دیا گیا۔ مسجد میں دو کتبے خط کوفی میں ملے ہیں، ایک پر ۱۰۹ھ / ۷۲۷ء سن درج ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ مسجد فتح سندھ کے ۱۶ سال بعد تعمیر ہوئی تھی۔

بھنبھور کی مسجد سے ملنے والا سنگی کتبہ، خط کوفی

بھنبھور کی مسجد سے ملنے والا ایک اور سنگی کتبہ، خط کوفی
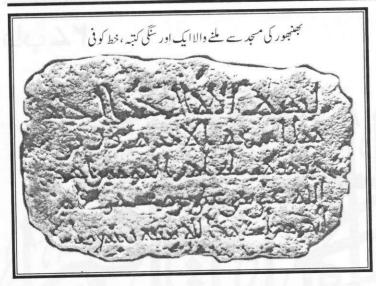
۲- دوسرا کتبہ بھی اسی مسجد سے ملا ہے۔ اس پر ۲۹۴ھ/۹۰۶ء درج ہے۔ غالباً مسجد کی مرمت کے موقع پر یہ کتبہ لگایا گیا ہوگا۔ روایات بتاتی ہیں کہ جنوبی ہند میں اسلام عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی پہنچ گیا تھا۔ راجہ

وادی ٹوچی (سرحد) سے ملنے والے کتبے کی ایک اور تصویر

وادی ٹوچی، (سرحد پاکستان) سے ملنے والا کتبہ، خط عربی و سنسکرت

سامری شق القمر کا مشاہدہ کر کے مسلمان ہو گیا تھا۔ بہر کیف قدیم زمانے سے مسلمانوں کی آمدرفت جنوبی ہندوستان میں جاری تھی۔ ٹرے ونڈرم (کیرالہ۔ جنوبی ہند) میں ایک مقام کلم ہے۔ وہاں کی مسجد پر نہایت قدیم کوفی خط میں ایک کتبہ موجود ہے۔ جس کو اسمٰعیل بن مالک بن دینار نے ۱۰۹ھ/۷۲۷ء میں تحریر کیا۔(۱)

۱۔ مرقع خط، ص ۲۶، ع-۷،

۳۔ ایک کتبہ وادیٔ ٹوچی سرحد پاکستان سے ملا ہے۔ جو عربی اور سنسکرت خط میں ہے۔ اس پر ۲۴۳ھ / ۸۵۷ء سن درج ہے۔(۱) ہندو پاکستان میں رواج پزیر ہونے والا پہلا خط خط کوفی تھا جو اس دور میں سارے عالمِ اسلام میں مقبول و معروف تھا۔

☆ غزنوی دور

عربی فتوحات کے اثرات سندھ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ حقیقت میں اسلامی فتوحات کا آغاز سلطان محمود غزنوی (۳۸۸-۴۲۱ / ۹۹۸-۱۰۳۰) نے کیا ہے۔ ۴۱۳ھ میں اس نے لاہور کو فتح کیا اور اس کو مفتوحہ ہندوستان کی حکومت کا مرکز قرار دیا۔ یہاں دارالحکومت اور دفتر قائم ہوا۔ اس دور میں کاغذ کا پہلی مرتبہ ہندوستان میں رواج ہوا۔ فن کتابت کو اس دور میں ترقی ملی۔ کاتبوں کی طلب بڑھی۔ ابوالفرج رونی، مسعود سعد سلمان جیسے شاعر لاہور میں پیدا ہوئے۔ سلطان ابراہیم بن مسعود غزنوی (۴۵۰-۴۵۴) لاہور میں بادشاہ ہوا ہے۔ وہ متقی اور پارسا تھا۔ یہ خط نسخ کا بڑا ماہر تھا۔ کہتے ہیں وہ سال میں دو قرآن مجید لکھ کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ بھیجا کرتا تھا۔(۲) اس دور میں خط کوفی کے علاوہ خط ثلث بھی پاکستان میں رائج ہو گیا تھا۔

☆ غزنوی دور کے کتبات

غزنوی دور کے کتبات بھی بہت کم موجود ہیں۔

۱۔ احمد آباد گجرات میں مسجد کاچ میں ایک کتبہ موجود ہے جو خط نسخ میں ہے اور اس پر ۴۴۵ھ / ۱۰۵۲ء درج ہے۔(۳)

۲۔ اس سے بھی قدیم کتبہ قصبہ مہم ضلع رہتک مشرقی پنجاب میں موجود ہے، جس کی عبارت درج ذیل ہے۔

بسم اللہ العظیم هذه مقبرة الشهداء السادات القتیل الکفار - اطیب اللہ ثراهم حصل الفراغ من العمارة فی التابوت الغرمن شهرذی الحجه ار بعین وار بعمائة (۴۴۰ھ / ۷ مئی ۱۰۴۹ء)۔(۴)

البتہ اس کتبے کے سلسلے میں یہ امر تحقیق طلب ہے کہ آیا اس قسم کی زبان اس دور میں رائج ہو چکی تھی یا نہیں؟ یا یہ کتبہ بعد میں لگایا گیا ہے۔

۳۔ غیاث الدین پیر بلخی کے مزار کا کتبہ ۵۴۳ھ / ۱۱۴۸ء لاہور کے عجائب خانے میں موجود ہے۔

۴۔ ایک قلمی کتاب پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے جس کا نام **بهجة النفوس والا سرارفی تاریخ الهجرة المختار** ہے۔ اس کو عبداللہ بن عبدالملک بن عبد نے لکھا ہے۔ اس کی کتابت ابو حامد بن ابوایوب بخاری

۱۔ مرقع خط، ع ۷، ب، ۲۔ تاریخ فرشتہ، ۳۔ پاک وہند میں اسلامی خطاطی، ۴۔ ہادی ہریانہ از منظور الحق صدیقی، ص ۱۰، آئینہ ادب لاہور ۱۹۶۴ء،

نے ۲۸ جمادی الثانی ۴۳۶ھ میں لاہور میں کی ہے۔(۱)

☆ فتح ہندوستان

غزنوی حکومت پنجاب (پاکستان) سے آگے نہ بڑھ سکی۔ ہندوستان فتح کرنے کا سہرا معزالدین محمد بن سام غوری کے سر ہے۔ جس نے ۵۸۸ھ / ۱۱۹۳ء میں رائے پتھورا کو شکست دے کر دہلی اور اجمیر پر قبضہ کرلیا۔ سلطان قطب الدین ایبک نے ہندوستان میں اسلامی حکومت کو وسیع بھی کیا اور استحکام بھی بخشا۔

قطب الدین ایبک نے دہلی، اجمیر، (۲) بدایوں، ہانسی اور کیتھل میں عمارات تعمیر کرائیں۔ ان پر کتبات کندہ ہیں۔ جو اس دور کے فن خطاطی کے نمونے پیش کرتے ہیں۔ دہلی میں مسجد قوۃ الاسلام اس نے تعمیر کرائی۔ جس کا ایک مینار ہی مکمل ہو سکا۔ جو آج بھی مسلم فن تعمیر کا نادر نمونہ شمار ہوتا ہے۔ اس پر تین کتبے موجود ہیں۔ پہلا کتبہ ۵۸۷ھ / ۱۱۹۱ء کا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فتح دہلی کے فوراً بعد اس مسجد کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ ابھی دہلی فتح کئے چند ماہ سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ اتنی عظیم مسجد کا منصوبہ بنا کر اس کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔ اس تعمیری منصوبے سے ان فاتح مسلمانوں کے حوصلہ اور آہنی عزم کا پتہ چلتا ہے۔ دوسرا کتبہ ۵۹۲ھ / ۱۱۹۶ء کا تحریر کردہ ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس تعمیر کا باقاعدہ افتتاح سلطان معزالدین محمد بن سام نے کیا ہے۔ تیسرا کتبہ ۵۹۴ھ / ۱۱۹۸ء کا ہے۔ (۳) تینوں کتبوں میں خط مختلف استعمال ہوئے ہیں۔ پہلا کتبہ خط ثلث میں ہے۔ دوسرا کتبہ خط نسخ میں ہے اور تیسرا کتبہ خط کوفی میں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عالم اسلام کے تینوں خط یہاں دہلی ہندوستان میں متعارف تھے۔ سلطان ناصر الدین محمود بن سلطان شمس الدین التمش کے متعلق معلوم ہے کہ وہ سال بھر میں دو قرآن مجید کی کتابت کرتا تھا اور ان کے ذریعے سے اپنی ذاتی روزی کے اخراجات پورے کرتا تھا۔ بعد میں جو سلاطین تخت سلطنت پر بیٹھے وہ زیادہ تر اہل علم و فضل تھے اور اہل علم کی بڑی قدر کرتے تھے۔ علوم وفنون کی بڑی سرپرستی کرتے تھے، جس کی وجہ سے ایران و توران کے علماء فوج در فوج ہندوستان میں آگئے۔ یہاں آکر انہوں نے تمام علوم وفنون کو فروغ دیا اور مقبول عام بنادیا۔ افسوس اس دور کے علماء اور فنون کا تذکرہ کوئی دستیاب نہیں ہوا۔ جستہ جستہ افراد کے نام معلوم ہیں۔ اس طرح ضمناً کہیں کتابت کے ماہر اور خطاطوں کا کہیں نام آجاتا ہے۔ ان کے مفصل حالات معلوم نہیں ہیں۔ بادشاہوں کی تعمیر کردہ عمارات اور ان کے کتبے واحد ذریعہ ہیں جس سے اس دور میں فن خطاطی کا حال معلوم ہوتا ہے۔ یہاں خط کوفی، ثلث، نسخ اور طغریٰ رائج تھے۔ ان خطوط کے بڑے ماہر خطاط یہاں موجود تھے۔ جنہوں نے پتھروں پر بڑے مستحکم اور خوبصورت نقوش ثبت کئے ہیں۔

۱- پاک وہند میں اسلامی خطاطی، از ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، ۲- ڈھائی دن کا جھونپڑا اجمیر، پاک وہند میں اسلامی خطاطی، عبداللہ چغتائی،
۳- پاک وہند میں اسلامی خطاطی، از ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، ص ۵،

☆ خط بہار

سابق میں ہم اس امر کا تذکرہ کر چکے ہیں کہ جب بھی کبھی نئی اسلامی سلطنت قائم ہوئی، نیا شہر دارالسلطنت بنا، وہاں دیگر اختراعات اور ایجادات کے ساتھ ضرور نیا خط بھی ایجاد ہوا ہے۔ ایل خانیوں نے جب تبریز کو دارالحکومت قرار دیا تو وہاں خط تعلیق وجود میں آیا اور سلطان محمد فاتح نے جب قسطنطنیہ کو دارالخلافہ مقرر کیا تو وہاں خط دیوانی وجود میں آیا۔ انہی روایات کے مطابق جب ۶۰۲ھ /۱۲۰۶ء میں دہلی اسلامی ہندوستان کا دارالسلطنت قرار پایا تو وہاں بھی ایک نیا خط بہار وجود میں آیا۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کا بیان ہے کہ ''میں نے اس طرز میں لکھے ہوئے قرآن کریم کے کافی خطی نسخے دیکھے ہیں، جن سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ نسخے خاص کر شمالی ہندوستان میں لکھے گئے ہیں اور ساتویں صدی ہجری سے لے کر نویں صدی ہجری تک لکھے جاتے رہے ہیں۔(۱) مغل سلطنت کے قیام کے بعد یہ خط متروک ہو گیا۔

خط بہار کے متعلق معلومات بہت کم ہیں۔ یہ بات بھی واضح نہیں ہے کہ اس خط کو خط بہار کیوں کہتے ہیں۔ آیا یہ لفظ بہار ہندوستان کے صوبہ سے ماخوذ ہے یا موسم بہار سے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کا اصرار ہے کہ اصل میں یہ لفظ با آہار ہے۔ جو کثرت استعمال سے بہار ہو گیا۔ آہار لئی لگا کر کاغذوں کو جوڑنے کو اور وصلی بنانے کو کہتے ہیں، چونکہ یہ طرز کتابت وصلی کاغذ (با آہار) پر لکھا جاتا تھا، اس وجہ سے اس خط کو بہار کہنے لگے ہیں۔(۲) اگرچہ ڈاکٹر وحید قریشی اس رائے سے متفق نہیں ہیں۔

یہ بات بھی معلوم نہیں ہے کہ خط بہار کا واضع کون ہے؟ کس بادشاہ کے عہد میں یہ پیدا ہوا، کن کن اساتذہ فن نے اس کو فروغ دیا۔ بہر کیف یہ خاص ہندی خط ہے۔ جو شمالی ہندوستان میں رائج تھا۔ سندھ میں بھی قدیم دور میں مقبول رہا ہے۔ خط بہار صرف قرآن مجید لکھنے میں استعمال ہوتا تھا۔

خط بہار دراصل خط نسخ میں آزادانہ تصرف سے پیدا ہوا ہے، اس تصرف کی وجہ سے حروف کے دائرے نسخ سے مختلف ہو گئے ہیں۔ ان کی شکل ہلالی بن گئی ہے۔ حروف کے جوڑ بھی نسخ سے مختلف ہو گئے ہیں۔ اس انحراف نے ایک خاص مرتب اور منظم شکل اختیار کر لی ہے۔ اس وجہ سے اس خط میں ایک خاص قسم کی انفرادیت پیدا ہو گئی ہے، اور اس کی جداگانہ حیثیت قائم ہو گئی۔(۳)

۱- پاک و ہند میں اسلامی خطاطی، از ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، ص ۱۸، ۲- ایضاً، ص ۱۷، ۳- خطِ بہار میں قرآن کریم کا ایک نسخہ مسعود جھنڈیر لائبریری میلسی میں بھی موجود ہے۔

قطب مینار
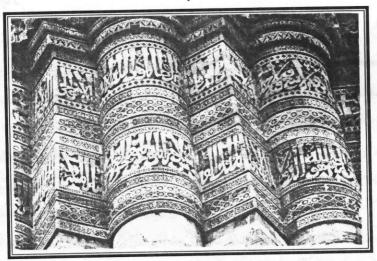
چھٹی صدی ہجری کا شہکار

گجرات

پاک و ہندوستان میں خط نستعلیق مغلوں کی آمد سے قبل ہی داخل ہو چکا تھا۔ ہندوستان کی بعض صوبائی حکومتوں، سندھ، گجرات، اور دکن کے ہرات ایران کے مرکز فن خطاطی سے براہ راست روابط اور تعلقات قائم تھے۔ براہ راست خطاط اور ہنرمند وہاں سے ان ریاستوں میں پہنچ چکے تھے۔ وہاں انہوں نے خطِ نستعلیق کو متعارف کرادیا تھا۔

جنوب ہندوستان کی مسلمان ریاستوں میں فن خطاطی عروج پر تھا۔ بادشاہ اور امراء خوشنویسوں اور خطاطوں کی قدر دانی کرتے تھے۔ سلطان مظفر حلیم حافظ قاری، محدث اور فقیہ بادشاہ تھا۔ وہ نہایت متقی اور پرہیز گار تھا۔ اسلامی ہندوستان میں کوئی بادشاہ اس کے برابر نہ عالم تھا نہ متقی تھا۔ فرائض و سنن کی سختی سے پابندی کرتا تھا۔ یہ بادشاہ خطاط بھی تھا۔ ہر سال دو قرآن مجید آب زر سے خط جلی میں لکھتا تھا اور پھر ان کو حرمین شریفین میں بھجوادیتا تھا۔ اس بادشاہ کا انتقال ۹۳۲ھ / ۱۵۲۵ء میں ہوا ہے۔ (۱)

مالوہ

مالوہ کے دارالحکومت مانڈو (شادی آباد) میں ایک علم دوست اور ہنرپرور خلجی خاندان حکمران تھا۔ غیاث الدین شاہ

۱- تاریخ فرشتہ،

خلجی وہاں کا مشہور علم پرور حکمران تھا۔ اس کے زمانے میں فن کا ایک نادر نمونہ بوستان شیخ سعدی تیار ہوئی۔ اس کی کتابت مشہور کاتب شہسوار نے کی ہے اور اس کی خوبصورت تصاویر حاجی محمود مصور نے تیار کی ہیں۔ تصاویر کا فنی تعلق دبستان ہرات سے ہے۔ اس کی کتابت خط نستعلیق میں ہے۔ ہندوستان میں نستعلیق کتابت کا یہ اولین نمونہ ہے۔ یہ خوبصورت نسخہ ۹۰۸ھ میں تیار ہوا ہے اور سلطان عبدالقادر نے ناصر شاہ بن غیاث شاہ خلجی کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ نسخہ پہلا مرقع ہے جو ہندوستان میں تیار ہوا۔ یہ بادشاہ ۹۰۶ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔

☆ دکن

سلطان نظام شاہ بہمنی کے وزیر محمود گاواں نے بیدر میں ۸۷۷ھ میں مدرسے کی عالیشان عمارت تعمیر کرائی تھی۔ غالبًا یہ پہلی عمارت ہے جو مدرسے کے نام سے ہندوستان میں تعمیر ہوئی۔ یہ مدرسہ فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ اس کی محراب پر سورۂ زمر کی دو آیتیں ۷۱-۷۲ درج ہیں، ان کو علی صوفی خطاط نے خطِ نسخ میں لکھا ہے، خط نہایت خوبصورت ہے، رمضان ۱۱۰۷ھ میں عین تراویح کی حالت میں اس مدرسے پر بجلی گری جس نے محراب کو اس طرح کاٹ دیا جیسے کسی نے آری سے کاٹ دیا ہو، ۷۲ویں آیت ابھی تک سالم ہے، کہتے ہیں حافظ اس وقت مذکورہ بالا آیتیں ہی تلاوت کر رہا تھا۔ کتابت سے ظاہر ہوتا ہے کہ علی صوفی خط نسخ کا ماہر خطاط تھا۔

سلطان محمود شاہ بہمنی (۸۸۷-۹۲۴) کے عہد کا ایک کتبہ بھی دریافت ہوا ہے۔ جو سنگ مرمر پر کندہ ہے۔ جس پر ۹۱۷ھ سن درج ہے۔ یہ کتبہ خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔ آج کل یہ کولہاپور کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔

☆ بیجاپور

خط نستعلیق کا بہترین شاہکار "کتاب نورس" ہے۔ جو سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۷-۱۰۳۵ھ) کے دربار میں تیار ہوئی۔ سلطان ابراہیم شاہ فن موسیقی کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے اس فن پر ایک کتاب نورس تصنیف کی۔ اس کتاب کا مقدمہ اس زمانے کے بے مثل ادیب ملا نورالدین ظہوری ترشیزی نے لکھا تھا۔ یہی مقدمہ اصل کتاب سے زیادہ شہرت رکھتا ہے۔ اسے فارسی زبان وادب کا شاہکار سمجھا جاتا ہے۔ یہ سہ نثر ظہوری کے نام سے مشہور ہے۔

سلطان ابراہیم کے دربار سے وابستہ کاتبوں اور خطاطوں میں میر خلیل اللہ کو سب پر فوقیت حاصل تھی۔ سادات عجم سے ان کا تعلق تھا۔ زندگی کا ابتدائی زمانہ انہوں نے شاہ عباس صفوی کے پاس اصفہان میں گزارا تھا۔ پھر وہ ترک وطن کر کے بیجاپور دکن میں آ گیا تھا۔ نورس کی کتابت میر خلیل اللہ نے خط نستعلیق میں کی ہے۔ یہ نہایت نفیس کتابت ہے اور نہایت دیدہ زیب کتاب تیار ہوئی۔ ۱۰۲۷ھ میں میر خلیل اللہ نے یہ کتاب لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کی۔ بادشاہ نے خوش ہو کر میر خلیل اللہ کو "بادشاہ قلم" کا خطاب عطا کیا۔ صرف زبانی خطاب نہیں دیا بلکہ عملاً ان کو اپنے برابر تخت پر بٹھایا۔ خدام اور چاؤش ان کو

چھوڑنے کے لئے گھر تک ساتھ جاتے تھے۔اس واقعے کی تاریخ کسی نے ذیل کے جملے سے نکالی ہے۔

شاہ گروید بادشاہ قلم

۷ ۲ ۱۰ ھ

میر خلیل اللہ کے علاوہ محمد باقر کاشانی شاعر اور خطاط بھی اس کے دربار سے وابستہ تھا۔وہ بیجاپور کے شاہی کتب خانے کا مہتمم مقرر ہوا تھا۔(۱)
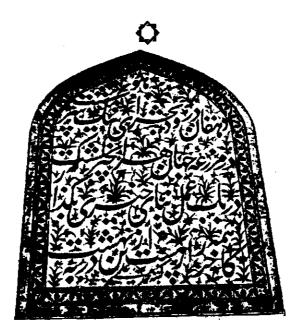
حجری کندہ کاری: (نستعلیق)
لاہور کی ایک قدیم مسجد کا رو کار

ا۔ سرگزشت خط نستعلیق، از ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی، ص ۹۶،

باب ۲۸

دبستانِ مغل

عہد بابر و ہمایوں

ظہیر الدین محمد بابر نے ۹۳۲ھ / ۱۵۲۵ء میں ہندوستان میں مغل سلطنت کی بنیاد رکھی، جو بڑی طاقتور اور مستحکم سلطنت تھی۔ یہ ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء تک چلتی رہی ہے۔ خط نستعلیق کو متعارف کرانے اور مقبول عام بنانے کا سہرا مغل حکمرانوں کے سر جاتا ہے۔

مغل سلطنت کا بانی ظہیر الدین بابر امیر تیمور کا پڑپوتا تھا۔ تیموریان ہرات کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کا پروردہ تھا۔ وہ خود بھی اہل علم تھا اور ہنر کا قدردان تھا۔ تزک بابری میں وہ سلطان حسین بایقرا کی مجلس علم و ادب کا ذکر بڑے شوق سے کرتا ہے۔ یہ شوق اور ذوق بابر کی اولاد کو بھی منتقل ہوا۔ ہندوستان کے مغل حکمران درحقیقت ہرات کے ثقافتی ورثے کے قدردان اور محافظ تھے۔ اکثر مغل بادشاہ خود فن خطاطی کے ماہر اور خوشنویس تھے۔ شاہجہاں، داراشکوہ، اورنگزیب عالمگیر حتیٰ کہ آخری مغل تاجدار ابوالمظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ نہ صرف ماہر خطاط تھا بلکہ فن خطاطی میں استادی کا مقام رکھتا تھا۔ کئی خطاطوں نے اس سے تعلیم حاصل کی تھی۔ بادشاہوں کے ساتھ مغل امراء اور نوابین بھی فن خطاطی کے بڑے قدردان تھے۔ اچھے خطاطوں کو ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔ ان کو انعام و اکرام سے نوازتے تھے۔ ان سے خوشخط کتابیں لکھواتے تھے۔ فن کی ترقی میں بہر نوع کوشاں رہتے تھے۔

مغل حکمرانوں اور امراء کا دربار فن کاروں اور خطاطوں کی قدر و منزلت میں نہ بخل کرتا تھا نہ کسی نوع کے تعصب میں مبتلا تھا۔ کسی قوم اور کسی ملت کا فن کار ہو، مغل حکمران اس کی خاطر خواہ قدر کرتے تھے۔ شاہان مغلیہ کی فن نوازی دیکھ کر ایران اور توران کے درباروں سے باکمال اور ماہرین اساتذہ ہندوستان چلے آتے تھے اور عزت پاتے تھے۔ مغل بادشاہوں کا یہ

وطیرہ اوّل بادشاہ بابر سے لے کر آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر تک جاری رہا۔ مقامی ہندو فن کاروں کی سر پرستی اور قدر افزائی میں بھی انہوں نے کوئی کمی نہیں کی۔ ان تمام مسائی کا مجموعی اثر یہ نکلا کہ ہندوستان، پاکستان میں خط نستعلیق مقبول ہوگیا۔ اس قدر مقبول ہوا کہ دوسرے تمام خطوط سے یہاں کے لوگ غافل بلکہ ناواقف ہوگئے۔ سوائے خط نسخ کے کیونکہ یہ قرآنی خط تھا۔

بابر بادشاہ

(۸۸۸-۹۳۷ھ / ۱۴۸۳-۱۵۳۰ء)

بابر نے خراسان اور ماوراء النہر کے علماء، فضلاء، شعراء، خطاط اور ہنر مند افراد کو ترغیب دی کہ وہ ہندوستان میں آئیں۔ جو لوگ اس کی دعوت پر یہاں آگئے بابر نے ان کی خوب قدر کی اور انعامات سے نوازا، اس دور کے تین افراد کے نام معلوم ہو سکے ہیں، ان کے زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں۔

☆ مولانا شہاب معمائی ہروی

پانی پت کی جنگ ۲۸ رجب بروز جمعہ ۹۳۲ھ۔(۱) میں ابراہیم لودھی پر فتح پانے کے بعد بابر سیدھا دہلی میں خواجہ نظام الدین محبوب اولیاء کے مزار پر پہنچا۔ وہاں سے اس نے امیر خسرو کے مزار پر ایک رباعی کندہ کرائی۔ اس رباعی میں ایک مصرعہ بدوران بابر شہنشاہ غازی ہے، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بابر بادشاہ کی لکھائی ہوئی رباعی ہے۔ یہ رباعی خط نستعلیق میں ہے اور شہاب معمائی ہروی کے ماہرانہ قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ رباعی ہندوستان میں خط نستعلیق کی آمد کا اعلان ہے۔ مولانا محمود شہاب معمائی ہروی میر علی ہروی کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ ہمایوں کے بھائی مرزا کامران کے دیوان کی کتابت بھی خط نستعلیق میں شہاب نے کی ہے۔ طویل عمر پا کر انہوں نے ۹۸۱ھ کے بعد وفات پائی ہے۔

۱- تاریخ داؤدی میں جنگ پانی پت سے متعلق یہ ہندی شعر درج ہے۔

نو سے اوپر تھا بیتا
پانی پت میں بھارت دیبا
اٹھائیں رجب دن شکروار
ابراہیم ہارا بابر جیتا

☆ زین الدین خوافی

دوسرا کاتب جو بابر کے ہمراہ ہندوستان آیا وہ زین الدین خوافی تھا۔ فتح ہندوستان کا فتح نامہ ایران و توران کے مختلف مقامات پر بھیجا گیا تھا۔ وہ خواجہ زین الدین خوافی نے ہی لکھا تھا۔ فتح نامہ پر ۱۳ر جمادی الاخریٰ ۹۳۳ھ تاریخ درج ہے۔ شیخ زین الدین نے تزک بابری کا ترجمہ ترکی سے فارسی میں بابر کی زندگی میں کیا تھا۔ (۱)

☆ علی الکاتب

بابر نے شہزادہ محمد ہمایوں کے لئے تزک بابری کا ایک خوبصورت اور مصور نسخہ تیار کرایا تھا۔ علی الکاتب نے یہ نسخہ تیار کیا تھا۔ ۹۳۷ھ میں بابر کی وفات سے قبل یہ نسخہ تیار ہو گیا تھا۔ آج کل یہ حسین نسخہ ریاست الور راجستھان ہندوستان کے عجائب خانے میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر محمد عبد اللہ چغتائی نے ۱۹۴۵ھ میں اس نسخہ کا فنی طور پر مطالعہ کیا تھا اور پھر ریاست کی خواہش پر اسلامک کلچر حیدر آباد میں اس نسخے پر ایک مضمون لکھا تھا۔ (۲)

بابر نے آگرہ، دھولپور، پالم، اجودھیا (۳) وغیرہ میں عمارتیں بنوائیں اور ان پر کتبے لکھوائے، مگر وہ سب کتبات خط نسخ میں ہیں۔
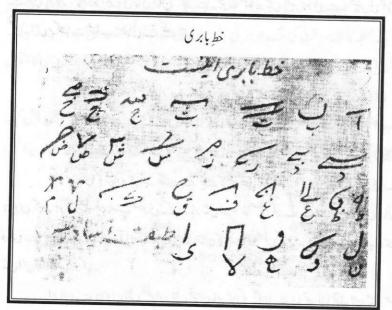
☆ خط بابری

بابر بڑا عالم فاضل شخص تھا۔ خود بھی اچھا خطاط تھا۔ اس کے دور کے مؤرخین نے اطلاع دی ہے کہ اس نے ایک نیا خط خط بابری ایجاد کیا تھا اور اس خط میں ایک قرآن مجید لکھ کر مکہ مکرمہ بھیجا تھا۔ خط بابری کے متعلق لوگ مختلف قیاس آرائی کرتے تھے۔ اس لئے کہ اس خط کا

۱- سرگزشت خط نستعلیق، ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی، ص ۱۰۵، ۲- سرگزشت خط نستعلیق، ڈکٹر عبد اللہ چغتائی، ص ۱۰۱، ۳- پاک و ہند میں اسلامی خطاطی،

کوئی نمونہ دستیاب نہیں تھا۔ حال میں جنوری ۱۹۶۴ء میں دہلی میں مستشرقین کی کانگریس منعقد ہوئی تھی۔ اس میں تحقیقات مشرقی اوزبک اکیڈمی تاشقند کے صدر نے خط بابری کے متعلق ایک مقالہ پڑھا۔ اس نے بیان کیا کہ بابر کی اختراع کردہ الفبائی کا نمونہ کتاب عجائب الطبقات مصنف محمد طاہر بن قاسم میں موجود ہے۔ یہ کتاب ۱۰۵۵ھ / ۱۶۴۵ء میں بلخ کے حاکم نذر محمد خان کے حکم سے لکھی گئی تھی۔ اس کتاب کے ایک سے زائد نسخے تاشقند اکیڈمی میں موجود ہیں۔ اس نمونے کے پیش نظر اب تک کی تمام قیاس آرائیاں خط بابری کے متعلق غلط ثابت ہوگئی ہیں۔ خط بابری عربی خط سے بالکل مختلف ایک خط ہے۔(۱)

بابر بادشاہ کا ایک فرمان مرقومہ ۹۳۳ھ دارالآثار شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج منصورہ ضلع حیدر آباد میں محفوظ ہے۔ یہ خط ثلث شکستہ میں ہے۔ راقم اس کو پڑھ نہیں سکا۔

نصیر الدین محمد ہمایوں

(۹۱۳-۹۶۳ھ / ۱۵۰۸-۱۵۵۶ء)

بابر بادشاہ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں ۹۳۷ھ میں آگرہ میں تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوا۔ اس کی سب سے پہلی یادگار کھچورہ آگرہ کی عالی شان مسجد ہے۔ جو ۹۳۷ھ میں تعمیر ہوئی ہے۔ تعمیر کی نگرانی مولانا زین الدین خوافی نے کی تھی۔ اس پر کتبات شہاب معمائی نے لکھے ہیں ۔

محمد ہمایوں شہ عرصہ دیں
بنیاد قدرش بود خرف گردوں
بتاریخ اتمام ایں بیت شعر
شہ عرصہ ایں محمد ہمیوں(۲)

مگر ہمایوں کو زیادہ عرصہ چین سے بیٹھنے کا موقعہ نہیں ملا۔ اس کو شیر شاہ سوری نے ۹۴۵ھ میں شکست دے دی۔ ہمایوں مجبور ہو کر شاہ طہماسپ صفوی کے دربار میں امداد حاصل کرنے کے لئے گیا۔ دس سال تک وہاں رہا۔ آخر ۹۵۵ھ میں وہاں سے فوجی امداد لے کر آیا اور دوبارہ ہندوستان کا تخت حاصل کر لیا۔ سات سال مزید زندہ رہا۔ ۹۶۲ھ / ۱۵۵۶ء میں دہلی میں اس کا انتقال ہوگیا۔

ایران سے ہمایوں اہل علم اور اہل فنون ماہرین کو بھی اپنے ساتھ لایا تھا۔ ان میں عبدالصمد شیریں رقم، میر سید علی

۱-پاک و ہند میں اسلامی خطاطی، از ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، ص ۲۴۔

۲-تاریخ خط و نوشتہ ہائے کہن افغانستان، تالیف پوہاند، عبدالحئی حبیبی، کابل، ۱۳۵۰ش، ص ۱۰۳، و مرقع خط، ع۔۸۔

تبریزی مصور اور ملا فخر جلد ساز اور مذہب بہت نمایاں تھے۔ ہمایوں نے ایک راستہ قائم کر دیا تھا۔ ایران اور ترکستان سے فضلاء اور فن کاروں کی آمد ہندوستان میں شروع ہو گئی۔ یہاں ان کی خاطر خواہ قدر و منزلت ہوتی تھی۔ یہ سلسلہ یعنی علماء اور فضلاء کی آمد کا سلسلہ مغل حکومت کے آخری ایام تک جاری رہا۔ اس کی وجہ سے ہندوستان کا علمی اور فنی معیار بلند ہو گیا۔ اسلامی دنیا میں علمی، ادبی، فنی اور ثقافتی سرگرمیوں میں تیموریان ہرات کا مرتبہ قابل رشک سمجھا جاتا ہے۔ ترکیہ کے عثمانی، ایران کے صفوی، ترکستان کے ازبک اور ہندوستان کے مغل تمام حکمران اور سلاطین دربار ہرات کی شان و شوکت، علم پروری، فنی قدردانی، ثقافتی سرگرمیوں کے ہمسر بلکہ برتر ہونے کا جذبہ دل میں پرورش کرتے رہتے تھے۔ بہرکیف اس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ہر طرف علوم و فنون کی خوب خوب ترقی ہوئی۔ اگر کسی سلطنت کو ہرات کے علمی ورثے کا صحیح جانشین کہا جاسکتا ہے تو وہ ہندوستان کے مغل حکمران تھے۔ ان کے کارنامے ہرات کے ساتھ لگا کھاتے ہیں۔

☆ بایزید دوری

ہمایوں اور پھر اکبر کے عہد کا ایک مشہور کاتب اور خطاط، کاتب الملک دوری تھا۔ اس کا پورا نام سلطان بایزید بن میر نظام دوری تھا۔ اصلاً تو یہ بغداد کا رہنے والا تھا مگر اس کی پیدائش ہرات میں ہوئی تھی۔ ہمایوں کے ساتھ یہ ہندوستان میں آ گیا تھا۔ فن کتابت میں یہ میر علی ہروی کا شاگرد تھا۔ اس نے امیر خسرو کی مثنوی خضر خاں اور دول رانی ۹۶۶ھ میں اکبر بادشاہ کی بیگم سلیمہ سلطانہ کے لئے لکھی تھی۔ یہ خوبصورت نسخہ ریاست کپور تھلہ کے سرکاری کتب خانے میں موجود ہے۔ (پروفیسر مولوی محمد شفیع) ناگور مارواڑ میں ایک مسجد کا کتبہ دو فٹ کی سنگ مرمر کی سل پر دوری کے ہاتھ کا کندہ دستیاب ہوا ہے۔ یہ کتبہ ۹۶۷ھ میں لکھا گیا ہے۔ (۱) آخر عمر میں یہ حج پر روانہ ہو گیا تھا۔ وہاں ۹۸۶ھ میں اس کا جہاز غرق ہو گیا، وہاں اس کا انتقال ہو گیا۔

تحفۃ العجائب، ترجمہ سبعۃ اقالیم از علی طاہر قزوینی ۲۳؍ رمضان ۹۲۸ھ کو کسی نے بابر بادشاہ کی مجلس میں پیش کیا۔ موجودہ نسخہ نستعلیق میں ہے۔ ربیع الثانی ۹۴۲ھ یہ عہد ہمایوں بادشاہ ملتان میں لکھا گیا ہے۔ کاتب معلوم نہیں ہے۔ یہ ذخیرہ شروانی علی گڑھ میں موجود ہے۔
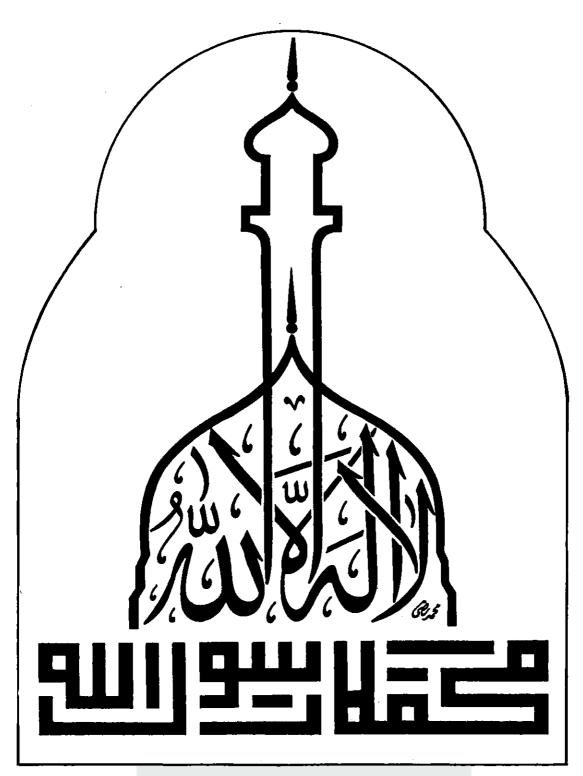
○○○○○○○○○○○○○○○○○

۱- پاک و ہند میں اسلامی خطاطی، ص ۴۵۔

لا اله الا الله
محمد رسول الله

باب ۲۹

دبستانِ مغل

بہ عہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ

۹۴۹-۱۰۱۴ھ / ۱۵۴۲-۱۶۰۵ء

اکبر کے دستخط اور مہر کے ساتھ قرآن کریم کا آخری صفحہ
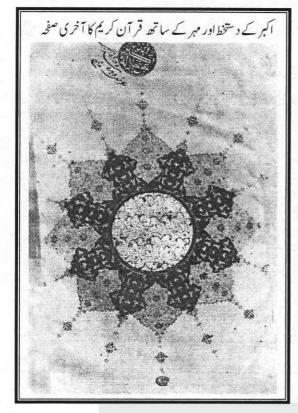
ہمایوں کے انتقال کے بعد اس کا لڑکا جلال الدین محمد اکبر بادشاہ ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء میں ہندوستان کے تخت پر بیٹھا۔ ہمایوں نے آخری ایام میں ہندوستان میں مغل حکومت کو مستحکم کیا تھا۔ اس کے امراء خاص طور پر بیرم خاں خانخاناں نے نوجوان اکبر کے لئے تمام مشکلات پر قابو پالیا۔ اکبر نے نصف صدی تک بڑے امن و سکون اور شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی۔ علم و فضل اور ہنر و خطاطی کی جو بساط ہمایوں نے جمائی تھی اکبر نے اس کو مزید وسعت دی اور مزید استحکام بخشا۔ اس نے فتح پور سیکری میں فن کتابت اور فن مصوری کے فروغ کے لئے ایک جداگانہ شعبہ قائم کیا، جس سے بیسیوں ماہرین اور فن کار وابستہ تھے۔ اکبر نے مرزا حسین بایقرا کی ہرات کی مجلس کو فتح پور سیکری میں زندہ کر دیا۔ ہندوستان کے

بادشاہوں میں وہ پہلا شخص ہے جس نے فنون لطیفہ، خطاطی اور مصوری کے فروغ کے لئے ایک جداگانہ شعبہ قائم کیا۔ مغل دربار سے وابستہ فن کاروں نے فن کو ایک نیا رخ اور نئی آب و تاب دی۔ اس لئے اس کو دبستانِ مغل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس شعبے سے جتنے فنکار منسلک تھے ان سب کا تذکرہ اگر لکھا جائے تو ایک دفتر چاہئے اس لئے چند مشہور و معروف فن کاروں کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

☆ عبدالصمد شیریں رقم

اکبری دور کا سب سے زیادہ باکمال خطاط عبدالصمد شیریں رقم ہے۔ درحقیقت یہ اپنے زمانے کا نامی گرامی خطاط تھا۔ سب سے پہلے وہ تبریز میں ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اس وقت سے وہ ہمایوں کے ندیموں میں شامل ہو گیا تھا۔ جب ہمایوں نے دوبارہ ہندوستان فتح کیا تو یہ ہمایوں کے ساتھ تھا مگر اس کے اصل کارنامے اکبر بادشاہ کے زمانے میں ظاہر ہوئے۔

اکبر بادشاہ نے اوّل اوّل اس کو فتح پور سیکری میں ٹکسال کا امین مقرر کر دیا تھا۔ کچھ عرصے بعد اس کو صوبہ ملتان کا صوبیدار مقرر کر دیا تھا۔ خط نستعلیق لکھنے میں یہ لاثانی تھا۔ خط خفی لکھنے میں اسے کمال حاصل تھا۔ اس نے ایک مرتبہ خشخاش کے دانے پر سورۂ قل ھو اللّٰہ مکمل لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ بادشاہ نے خوش ہو کر اس کو شیریں رقم کا خطاب دیا تھا۔

☆ داستان امیر حمزہ

اکبر کے دفتر شعبہ فنون لطیفہ سے اگرچہ بہت سی کتابیں تیار ہوئیں اور بعض مصور بھی ہوئیں۔ ان سب میں داستان امیر حمزہ کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہے۔ اس کتاب کے لئے خاص طور پر ایک قسم کا نفیس کپڑا تیار کیا گیا تھا، جس کا طول ذراع ضرب ذراع (۲۲انچ × ۲۲انچ) تھا۔ اس کپڑے پر تصویریں تیار کی گئیں تھیں اور تحریریں کتابت کی گئی تھیں۔ میر سید علی تبریزی نے اس کتاب کی تصویریں بنائی تھیں اور خواجہ عبدالصمد شیریں رقم نے کتابت کی تھی۔ خط کتابت نستعلیق تھا اور بھی دوسرے فن کاروں نے اس کی تیاری میں ہاتھ بٹایا تھا۔ جن میں ہندو اور ایرانی دونوں فنکار شریک تھے۔ ۲۰ سال کی محنت اور جدوجہد کے بعد یہ مصور نسخہ داستان امیر حمزہ تیار ہوا تھا۔ اس میں ۱۴۰۰ تصویریں تھیں۔ ان کو بارہ دفتروں میں ترتیب دیا گیا تھا۔(۱) مگر ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کا بیان ہے کہ بڑے سائز کے ان اوراق کو تین دفتروں میں مجلد کیا گیا تھا۔ (۲) یہ نسخہ اکبر بادشاہ سے لے کر محمد شاہ (۱۱۳۰-۱۱۶۱ھ) کے زمانہ تک مغل حکمرانوں کے قبضے میں رہا۔ ۱۱۵۲ء میں نادر شاہ تخت طاؤس اور دوسرے نوادرات کے ساتھ اس نسخے کو بھی اپنے ساتھ ایران لے گیا تھا۔ ایران میں جہاں تخت طاؤس کے ٹکڑے ہوگئے وہاں اس نسخہ کے اوراق بھی منتشر ہوگئے۔ اس کے اوراق آج دنیا کے عجائب خانوں میں موجود ہیں۔ وائنا (آسٹریا) اور البرٹ میوزیم لندن میں اس کے اوراق موجود ہیں۔

۱-اطلس خط، حبیب اللہ فضائلی، ص ۵۱۶　　۲-سرگزشت خط نستعلیق، ص ۱۰۶،

شہنشاہ اکبر کے قلمی نسخے حمزہ نامہ کا ایک صفحہ گزشتہ دنوں لندن میں ۸۵۰۰ ۴۴ اپاؤنڈ میں نیلام ہوا ہے۔ نوادرات کی تاریخ میں یہ سب سے زیادہ قیمت میں فروخت ہوا ہے۔(۱)

مغل حکمران کا تیار کردہ یہ پہلا نسخہ ہے، جو اپنی فنی خوبیوں اور لطافتوں میں لاثانی سمجھا جاتا ہے۔

☆ رزم نامہ

اکبر کے تصویر خانہ میں ایک اور کتاب بھی مصور کی گئی ہے۔ اس کا نام رزم نامہ ہے۔ یہ دراصل سنسکرت کی کتاب مہابھارت کا فارسی ترجمہ ہے۔ خواجہ عبدالصمد شیریں رقم کے بیٹے خواجہ محمد شریف نے اس نسخے کو تیار کرایا تھا۔ وہ اس زمانے میں مہتمم کتاب خانہ کے عہدے پر فائز تھا۔ اس کی کتابت عنایت اللہ شیرازی نے کی ہے۔ اس رزم نامہ کا اصل نسخہ حسن اتفاق سے ریاست جے پور کے پوتھی خانہ (کتب خانہ) میں محفوظ ہے۔ جس کو کتاب خانے سے وابستہ بہت سے مصوروں نے مصور کیا تھا۔ یہ نسخہ ۹۹۷ھ میں تیار ہوا تھا۔ اس کو ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے دیکھا ہے۔ ایک زمانے میں کرنل ہیڈلے (Headley) نے طبع بھی کرادیا تھا۔ اس میں ۱۶۵ صفحات ہیں، کتابت کے معاوضے میں فنکار عنایت اللہ شیرازی کو تین سو پچیس روپے ملے تھے۔ اس نسخے پر بہت سے لوگوں کی مہریں ہیں اور کتاب خانے اور تصویر خانے سے متعلق بہت سی معلومات اس سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس کتاب کا معیار کتابت اور فن تذہیب بہت بلند ہے۔

یہ دونوں کتابیں اکبر کے تصویر خانہ واقع فتح پور سیکری میں تیار ہوئی تھیں۔(۲)

☆ محمد حسین کشمیری زریں رقم

اکبر دور کا مشہور ترین خطاط محمد حسین کشمیری ہے۔ وہ خواجہ عبدالعزیز کا شاگرد تھا۔ اکبر نے اس کو شہزادوں کی تعلیم کے لئے مقرر کیا تھا۔ اس کو زریں رقم کا خطاب دیا گیا تھا۔ ابوالفضل آئین اکبری میں ہمیشہ اس کو جادو رقم کے نام سے یاد کرتا ہے۔ وہ فن نستعلیق کا مستند استاد تھا۔ ''وہ مرتبے میں اپنے استاد عبدالعزیز پر سبقت لے گیا تھا۔ وہ مدات اور دوائر بہت خوبصورت اور متناسب لکھتا ہے۔'' ابوالفضل۔ ہندوستان کے تمام ماہر خطاط اس کو استاد تسلیم کرتے ہیں۔ اکبر کے بعد وہ جہانگیر بادشاہ کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ اس کا انتقال ۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۴ء میں ہوا ہے۔

اکبر کے حکم سے اس نے ۹۹۰ھ میں شیخ سعدی کی کتاب گلستاں کا ایک خوبصورت نسخہ تیار کیا تھا۔ کتابت خط نستعلیق میں اس نے کی ہے۔ اکبر بادشاہ کے حکم سے اس نے آئین اکبری کا مکمل نسخہ نہایت نفیس خط میں لکھا تھا۔ یہ نسخہ بھی مصور ہے۔ تصویریں دوسرے لوگوں نے بنائی ہیں۔ اس پر تین لاکھ روپیہ صرفہ آیا تھا۔(۳) اجین مدھیہ پردیش ہندوستان میں یہ نسخہ تھا۔ وہاں سے ایک صاحب نے لے جا کر

۱- روزنامہ جنگ کراچی، ۲۹ر اپریل ۱۹۸۵ء ۲- ترقیمہ رزم نامہ، پاک و ہند میں اسلامی خطاطی، ص ۴۹، ۳- صحیفہ خوش نویساں، احترام الدین شاغل، ص ۱۵۷،

رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن میں اس کو دس ہزار روپیہ میں فروخت کیا۔(۱) اس نسخے کی سب سے زیادہ اہمیت یہ ہے کہ اس نسخے کے تیار کرنے والوں کی تصویریں اس کے آخر میں دی گئی ہیں۔ ایک محمد حسین کشمیری کاتب، دوسری منوہر لال بن بساون مصور تیسرا کوئی شاگرد ہے۔ فن لطیفہ کی دنیا میں واحد مثال ہے کہ خود فن کاروں کو مصور کیا گیا ہے۔ ان تصویروں میں اس دور میں استعمال میں آنے والے فن کے لئے ضروری آلات بھی دکھائے گئے۔ یہ تصاویر اہل فن کے لئے بیش بہا خزانہ ہے۔ (۲)

محمد حسین کشمیری، نستعلیق

جہانگیر بادشاہ نے اپنی توزک میں محمد حسین کشمیری کے متعلق لکھا ہے کہ اس زمانے میں اس کے برابر عمدہ خط نستعلیق لکھنے والا سارے ہندوستان میں نہیں ہے۔ جہانگیر نے خوش ہو کر ایک ہزار روپیہ اور ایک ہاتھی اس کو انعام میں دیا تھا۔ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہفت بند کاشی کا ایک نسخہ لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہندوستان میں محفوظ ہے۔ خط ایسا پاکیزہ ہے کہ دیکھنے والا مسحور ہو جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ کا تحریر کردہ بہارستان جامی کا ایک نسخہ باڈلین لائبریری آکسفورڈ میں موجود ہے۔

شیخوپورہ میں ہرن کی یاد میں جہانگیر نے ہرن مینار تعمیر کرایا تھا۔ اس پر کتبہ محمد حسین زریں رقم نے لکھا تھا۔ اس کے بیٹے عبدالرحمٰن اور علی محمد بھی خطاط اور کاتب تھے۔ (۳)

☆ عبداللہ مشکیں رقم

عہد اکبری کا یہ بڑا کاتب تھا۔ اس کا تعلق ترمذ کے سادات اور شاہ نعمت اللہ ولی کے خاندان سے تھا۔ اس نے مولانا شاہ غیاث اور مولانا قتی سے فن خطاطی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ شاعری سے بھی اس کو شغف تھا۔ وصفی اس کا تخلص تھا۔ ایک دیوان اور کئی مثنویاں یادگار چھوڑی ہیں۔ ہفت قلم کا ماہر تھا۔ عہد جہانگیری ہی میں ۱۰۲۵ھ میں اس کا انتقال ہوا ہے۔

اس کی خطاطی کے سب سے بہترین نمونے وہ ہیں جو الہ آباد کے قلعے میں اور خسرو باغ میں اس نے لکھے ہیں، لیکن بعض نقادوں کے خیال کے مطابق اس کے خط کا نفیس ترین نمونہ دیوان حسن سنجری ہے۔ یہ نسخہ امریکہ کی ریاست بالٹی مور کی آرٹ گیلری میں محفوظ ہے۔(۴) یہ نسخہ ۱۰۱۱ھ میں الہ آباد میں لکھا گیا ہے۔ اس کے ترقیمے میں خطاط کی تصویر موجود ہے۔ عبداللہ کے دونوں لڑکے محمد صالح اور میر محمد مومن بھی اچھے خطاط تھے۔ (۵)

۱- صحیفہ خوش نویساں، محولہ بالا، ۲- سرگزشت خط نستعلیق، ص ۵۶، ۳- سرگزشت خط نستعلیق، ص ۱۴۲،
۴- سرگزشت خط نستعلیق، ص ۱۴۹، ۵- سرگزشت خط نستعلیق، ص ۵۹،

☆ عبدالرحیم عنبریں رقم

اس کا اصل وطن تو ہرات تھا، مگر آغاز جوانی میں ہی ہندوستان آ گیا تھا۔ یہاں آکر علوم و فنون کے سرپرست عبدالرحیم خانخاناں کے دربار سے وابستہ ہو گیا تھا۔ اس کے پاس ہی تربیت پائی اور مشہور خطاط بن گیا۔ خانخاناں کے کتب خانہ کی زیادہ تر کتابیں اس نے لکھی ہیں۔ محمد حسین زریں رقم کے بعد فن خطاطی میں عنبریں رقم کا نمبر تھا۔ اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دو وصلیاں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہیں۔ خانخاناں کے پاس سے وہ اکبر بادشاہ کی ملازمت میں آ گیا تھا۔ اکبر کی وفات کے بعد وہ جہانگیر کے دربار سے منسلک ہو گیا۔ جہانگیر نے ۱۰۲۵ھ میں اس کو عنبریں رقم کا خطاب دیا تھا۔ اس کے نمونے عجائب خانوں میں موجود ہیں۔ اردشیر پارسی پونہ کے مجموعے میں اس کی وصلیاں ہیں۔(۱)

☆ عنایت اللہ شیرازی

عنایت شیراز کا باشندہ تھا۔ اکبر بادشاہ کے زمانے میں ہندوستان میں آیا اور صیغہ کتاب داری میں ملازمت اختیار کر لی۔ عنایت اللہ اپنے وقت کا بہترین خطاط تھا۔ اکبر بادشاہ کے حکم سے شاہی تصویر خانے میں رزم نامہ (مہا بھارت) کا جو مصور نسخہ تیار ہوا تھا، ۹۹۷ ہجری میں اس کی کتابت عنایت اللہ نے کی تھی۔ اس کے معاوضے میں عنایت اللہ کو ۳۲۵ روپے ملے تھے۔ جیسا کہ نسخہ میں درج ہے۔ سب سے نادر بات اس نسخے کی یہ ہے کہ اس میں اس دور کے چار مشہور خطاط اور کاتبوں کی تصویریں بھی بنائی گئی ہیں۔ کاتبوں کو مصور کرنے کی دوسری کوئی مثال ساری دنیا میں نہیں ملتی ہے۔

ان کے علاوہ بھی بہت سے کاتب شعبہ کتاب داری سے وابستہ تھے۔ ان کے ہاتھ کی تحریریں مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں۔ خطاطوں کے علاوہ دربار میں ایک اچھی خاصی تعداد کتاب نویسوں کی تھی۔ جو بھی اعلیٰ عمارت تعمیر ہوتی تھی کتاب نویس اس پر کتبہ لکھتے تھے۔ کشمیر، دہلی، آگرہ، فتح پور سیکری اور راجپوتانہ میں اس دور کے لکھے ہوئے کتبے ملتے ہیں۔ یہ کتبے خط نستعلیق کے اعلیٰ نمونے میں لکھے ہوئے ہیں۔

☆ عبدالرحیم خانخاناں

علم و فضل اور ہنر و فن کی سرپرستی اور آبیاری میں مغل دور کے بعض امراء کا مرتبہ بھی بہت بلند ہے۔ فن سے ان کی شیفتگی اور فن کاروں کی قدردانی میں یہ امراء کسی طرح دربار سلطانی سے کم نہیں تھے۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں نام عبدالرحیم خان خاناں کا ہے۔ عبدالرحیم ہمایوں بادشاہ کے محسن اکبر کے مربی بیرم خاں خان خاناں کا بیٹا ہے جو ۹۶۴ھ / ۱۵۵۶ء میں پیدا ہوا تھا۔ ابھی یہ چار سال کا بچہ تھا۔ کہ اس کے باپ بیرم خاں کو قتل کرا دیا گیا۔ عبدالرحیم کی تعلیم و تربیت کی تمام ذمہ

۱۔ سرگزشت خط نستعلیق، ص ۱۴۶،

داری شہنشاہ اکبر نے خود اپنے ذمہ لی۔ عبدالرحیم عربی، فارسی، ترکی زبانوں کا ماہر تھا۔ فارسی، ترکی اور ہندی (بھاشا) میں شاعری کرتا تھا۔ ہندی شاعری میں یہ تلسی داس کا مدمقابل تھا۔ اکبری دور کا مشہور امیر کبیر ہے۔ سندھ و گجرات کو اس نے فتح کیا تھا۔ بابر بادشاہ کی خودنوشت تزک بابری کا ترجمہ ترکی زبان سے فارسی میں اس نے کیا تھا۔

اس کے دربار میں علماء، فضلاء، شعراء، خطاط اور فن کاروں کا اتنا بڑا مجمع تھا کہ دربار کے کسی اور امیر کے پاس نہیں تھا۔ عبدالباقی نہاوندی نے اس کے دربار کے متوسلین، علماء، فضلاء اور فنکاروں کا تذکرہ ماثر رحیمی میں لکھا ہے۔ علماء، فضلاء اور فن کاروں پر اس کی داد و دہش، انعام و بخشش کی نہایت دلکش تصویر کھینچی ہے۔ اگر ہندوستان کے مغل امراء میں کوئی امیر بایسنغر مرزا کے ہم پلہ شمار کیا جاسکتا ہے تو وہ عبدالرحیم خان خاناں ہے۔ نادر کتابیں جمع کرنے کا اس کو شوق تھا۔ شعبہ کتاب داری میں بڑے بڑے فن کار ملازم تھے۔ ملا محمد امین، ملا محمد مومن اور محمد حسین کاشی جلد ساز تھے۔ مولانا فہیم، میاں ندیم اور مرزا بہبود خوش نویس تھے۔ یہ سب خطاط میر علی ہروی کے شیوہ پر لکھتے تھے۔ اس کے کتب خانہ کی تیار کردہ کتابیں حسن خط کے اعتبار سے بیش بہا تصور کی جاتی ہیں۔ آج بھی دنیا کے مختلف کتب خانوں میں اس کے کتب خانے کی کتابیں موجود ہیں۔ تفسیر کشاف از علامہ محمود زمخشری کا ایک نہایت خوبصورت نسخہ اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں موجود ہے۔ جس پر عبدالرحیم بن بیرم خاں کے دستخط ہیں اور ۹۹۱ھ سن درج ہے۔ ایک نسخہ تاریخ محمود شاہی ہے۔ یہ مدینہ منورہ میں ترکی کتب خانے میں موجود ہے۔ (۱) اس پر بھی ۹۹۱ھ کی مہر لگی ہوئی ہے۔ اس زمانے میں عبدالرحیم گجرات میں تھا۔ تاریخ محمود شاہی کا یہ واحد نسخہ ہے جو آج دنیا میں موجود ہے۔ ملا محمد مومن نے خان خاناں کے کتب خانے کی فہرست تیار کی تھی۔ جو بڑے بڑے رجسٹروں میں درج تھی۔ عبدالرحیم نے ۷۲ سال کی عمر میں ۱۰۳۶ھ / ۱۶۲۷ء میں لاہور میں انتقال کیا، مگر نعش نظام الدین اولیاء دہلی میں دفن کی گئی۔

☆ منعم خاں خان خاناں

اس کا اصلی نام منعم بیگ بن بیرم بیگ تھا۔ یہ ہمایوں کے امراء میں سے تھا جو ایران سے اس کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے۔ بیرم خاں کے قتل کے بعد اکبر بادشاہ نے منعم خاں کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا تھا۔ یہ جون پور کا گورنر بھی رہا تھا۔ وہاں اس کی یادگار دریائے گومتی پر پل ہے، جو اس نے بنوایا تھا۔ یہ بنگال کا بھی گورنر رہا تھا۔ خرابی صحت کی بنا پر بنگال میں ۹۸۳ھ / ۱۵۷۵ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

اس امیر کو بھی علم و ادب کا اور ہنر و فن کا بہت زیادہ شوق تھا۔ ادب اور فن کے نادر نمونے بڑی بیش قیمت میں خریدا کرتا تھا۔ اس طرح اس نے اپنے کتب خانے میں اچھے خاصی تعداد نوادرات کی جمع کر لی تھی۔ وہ آج دنیا کے مختلف کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ بابر کے بیٹے مرزا کامران کا دیوان آج بانکی پور پٹنہ میں موجود ہے۔ یہ نسخہ منعم خاں کے پاس رہ چکا ہے۔

۱- مکتبہ شیخ الاسلام عارف حکمت بے، مدینہ منورہ،

پھر شہنشاہ جہانگیر کے پاس رہا ہے۔ امیر خسرو کی کتاب ہفت پیکر جس کو مشہور خطاط مولانا اظہر تبریزی نے ۸۸۷ھ میں لکھا تھا۔ وہ منعم خاں کی ملکیت میں رہ چکا ہے۔ یہ نسخہ آج کل بالٹی مور امریکہ کی آرٹ گیلری میں رکھا ہوا ہے۔(۱) خمسہ نظامی اس کے کتب خانے کا نسخہ تھا۔ پھر وہ جہانگیر کے پاس رہا آج کل برٹش میوزیم لندن میں ہے۔ اس طرح بہت سے خوبصورت لکھے ہوئے نسخے دنیا کے کتب خانوں میں مل جاتے ہیں اس کی داد و دہش پر شاعر نے یہ شعر کہا ہے ۔

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست

ہر جاکہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

☆ کتبے

اکبر بادشاہ کو عالیشان عمارات بنانے کا بہت شوق تھا۔ لودھیوں کے زمانے سے آگرہ دارالسلطنت بن گیا تھا۔ بابر اور ہمایوں کا دارالسلطنت بھی آگرہ میں تھا، صحیح معنوں میں دارالسلطنت اس کو شہنشاہ اکبر نے بنایا۔ اس نے یہاں قلعہ اور مختلف عمارات تعمیر کرائیں۔ اس نے اس کا نام اکبر آباد رکھا۔ آج تک آگرہ سے نسبت اکبر آبادی ہی بنتی ہے۔

آگرہ کے قریب ہی فتح پور سیکری ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بابر بادشاہ نے رانا سانگا راجپوت کی متحدہ فوجوں کو شکست دی تھی۔ دوسری اہمیت اس کی یہ ہے کہ یہاں ایک بزرگ شیخ سلیم چشتی رہتے تھے۔ جن کی دعا سے اکبر کے دو بیٹے جہانگیر (سلیم) اور دانیال پیدا ہوئے تھے۔ بلکہ ان بچوں کی ولادت شیخ کی خانقاہ میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد شہنشاہ اکبر نے وہاں عالیشان عمارتیں بنوائیں۔ ایک نہایت پُر عظمت و شوکت مسجد تعمیر کرائی۔ یہاں کا بلند دروازہ آج بھی فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے۔ ان عمارتوں پر کتبات کندہ ہیں۔ بعض خط نسخ میں ہیں ورنہ زیادہ تر خط نستعلیق میں ہیں۔ یہ کتبات مختلف کاتبوں نے لکھے ہیں۔ جن میں سے اکثر میر محمود معصوم بھکری۔(۲) قاسم ارسلان، محمد حسین کشمیری، مولانا محمد باقر، محمد امین مشہدی اور مولوی عبدالحئ وغیرہ کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ یہ کتبے آج بھی فنی مہارت کی وجہ سے اپنے لکھنے والوں کے لئے داد و تحسین وصول کرتے ہیں۔ بلند دروازے کے محراب پر ابھرے حروف میں عربی عبارت کندہ ہے۔ حسن بن احمد چشتی کے قلم سے لکھی ہوئی یہ تحریر فن کا شاہکار ہے۔

☆ شعبہ کتاب داری

ہندوستان کے مغل حکمراں تیموریان ہرات کی علمی اور فنی سرگرمیوں کے ورثہ تھے۔ کتابیں جمع کرنے کا شوق، اونچی سے اونچی قیمت دے کر نفیس کتابیں خریدنا، حسین و جمیل کتابیں تیار کرانا۔ کتابوں کو نہایت سلیقے سے رکھنا۔ یہ تمام روایات ہرات سے ان کو ورثے میں ملی تھیں۔ بابر اور پھر ہمایوں کو تو زیادہ موقع نہ ملا اگرچہ داغ بیل اس شوق کی وہی ڈال کر گیا تھا۔ لیکن شہنشاہ اکبر کو پرامن زمانہ ملا۔ اس نے علماء اور فن کاروں کو اپنے گرد جمع کر رکھا تھا۔ اس لئے وہ زیادہ بڑے پیمانے پر

۱۔ پاک و ہند میں اسلامی خطاطی، ص ۵۲، ۲۔ سرگزشت خط نستعلیق، ص ۶۳،

زیادہ فراخ دلی سے اپنے ذوق کی تکمیل کر سکا۔

ابوالفضل نے آئین اکبری میں آئین تصویر خانہ اور آئین کتاب خانہ کے ذیل میں ان شعبوں کی کارکردگی کی تفصیل دی ہے۔ خواجہ عبدالصمد شیریں رقم اور میر سید علی تبریزی اس شعبے کے انچارج تھے۔ یہ دونوں ہمایوں بادشاہ کے ہمراہ ایران سے آئے تھے۔ اس شعبے میں جس اعلیٰ پیمانے پر اور فنی معیار پر کتب تیار ہوئی ہیں وہ لاثانی ہیں۔ حسین میرزا بایقرا کے بعد کہیں مسلمان بادشاہ کے یہاں اس نمونے کا شعبہ نہیں ملتا جیسا کہ اکبر بادشاہ کی سرپرستی میں کام کر رہا تھا۔ اکبری دور کا بہترین خطاط محمد حسین کشمیری تھا۔ جو اپنے استاد مولانا عبدالعزیز سے بھی سبقت لے گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس شعبے میں درج ذیل فنکار خطاط کام کرتے تھے۔ محمد باقر پسر ملا میر علی، محمد امین مشہدی، میر حسین کلنگی، مولانا عبدالحئی، مولانا دوری، مولانا عبدالرحیم، میر عبداللہ نظامی قزوینی، علی حسین کشمیری، نوراللہ، قاسم ارسلان۔ مصور کتابوں کے علاوہ جن کا تذکرہ سطور بالا میں گزر چکا ہے اس شعبے میں ایک مرقع "مرقع اکبر" بھی تیار کیا گیا تھا۔ اس کی تاریخ مرقع بے مثل ۹۹۲ھ ہے۔ اس میں اس دور کے تمام فنکاروں کے نمونے درج ہیں۔

اکبر بادشاہ کے بعد جہانگیر بادشاہ نے اور پھر شاہجہاں نے اس شعبے کو برقرار رکھا، اس کو مزید ترقی دی۔ اس میں خوبصورت کتابیں تیار ہوتی تھیں۔

ایک شاہی کتب خانہ اس کے ساتھ تھا۔ یہ کتاب خانہ قلعہ آگرہ کے مثمن برج میں قائم کیا گیا تھا۔ جو کتابیں تیار ہوتی تھیں وہ یہاں محفوظ رکھی جاتی تھیں۔ اطراف واکناف سے بھی خوبصورت کتابیں تحفتاً یا قیمتاً آتی رہتی تھیں اور یہاں جمع ہوتی رہتی تھیں۔ اکبر کے زمانے میں اندازہ ہے کہ اس کتب خانے میں چوبیس ہزار کتابیں جمع ہو گئی تھیں۔

جہانگیر کے زمانے میں شعبہ کتاب کا نگران شریف بن عبدالصمد تھا۔ شاہجہان کے زمانے میں صادق خاں کتاب دار تھا۔ اس نے تاریخ میں ایک کتاب تاریخ شاہجہانی بھی لکھی ہے۔(۱)

جب بھی کوئی کتاب بادشاہ کے حضور پیش کی جاتی تھی تو اس پر یہ عبارت لکھ دی جاتی تھی۔

بتاریخ ۲۴/ ماہ اردی بہشت سنہ ۴۰ در بلدہ لاہور عرض دیدہ شد،

ساتھ ہی یہ بات بھی صراحتاً درج کی جاتی تھی کہ کس کی تحویل میں یہ کتاب دی گئی، مثلاً اللہ اکبر در تحویل خواجہ عنایت اللہ بتاریخ ۱۹/ اردی بہشت ۴۲ عرض دیدہ شد۔

یہ تمام تفاصیل اس کتاب پر ہی درج کی جاتی تھیں۔ شاہی مہر لگتی تھی، پھر کتابدار کی مہر لگتی تھی۔ مغل عہد میں مہروں کا نظام اچھا خاصا پیچیدہ تھا۔

شاہی کتب خانے کے علاوہ شہزادگان، بیگمات، امراء کے بھی کتب خانے ہوتے تھے۔ اکبری دور میں ملا فیضی، عبدالرحیم خان خاناں اور منعم خاں خاناں کے کتب خانے بہت مشہور تھے۔

۱- سرگزشت خط نستعلیق، ص ۱۳۷

باب ۳۰

دبستانِ مغل

بہ عہد نورالدین محمد جہانگیر

(۹۷۷-۱۰۳۷ھ / ۱۵۶۹-۱۶۲۷ء)

جہانگیر ۳۸ سال کی عمر میں ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء میں آگرہ میں تخت نشین ہوا۔ جلوس کے بعد پہلا کام جو جہانگیر نے کیا وہ نئے سکوں کا اجراء تھا۔ جن پر خط نستعلیق میں یہ شعر لکھے گئے۔

بخط نور بہ از کلک تقدیر
رقم زد شاہ نور الدین جہانگیر
شد چو نور زیں سکہ نورانی جہاں
آفتاب مملکت تاریخ آں

پہلی مرتبہ سکوں پر شعر لکھے گئے اور خط نستعلیق استعمال کیا گیا۔ جہانگیر فنون لطیفہ کا بے حد قدردان اور نقاد تھا۔ مغل بادشاہوں میں اس سے بڑا فنونِ لطیفہ کا قدرداں دوسرا کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔ کہتے ہیں تصویر کا بھی یہ زبردست نقاد تھا۔ اکبری دور کے قائم کردہ شعبہ کتاب سازی اور کتاب داری اور مصوری کی اس نے خوب سرپرستی کی۔ اکبری دور کے تمام فن کاروں کو بھی اس نے علیٰ حالہ قائم رکھا اور ان کی سرپرستی کی۔ دبستان مغل کو اس کے دور میں مزید فروغ پانے کا موقع ملا بلکہ مغل دربار میں فن کی قدردانی کی خبریں دور دور ملکوں میں پہنچنے لگیں۔ ایران و توران سے اساتذہ اور ماہرین ہندوستان آتے

تھے اور جہانگیر کی قدر دانی سے فیض یاب ہوتے تھے۔ عبداللہ حسین، میرزا محمد باقر وغیرہ کی خوب قدر کی۔

☆ معتمد خاں

جہانگیر کے بہت سے کاتبوں میں معتمد خاں بہت مشہور و معروف ہے۔ اس کا اصل نام خواجہ شریف تھا۔ یہ مشہور خطاط خواجہ عبدالصمد شیریں رقم کا لڑکا تھا۔ عہد اکبری میں یہ مہتمم کتب خانہ تھا۔ جہانگیر اس سے بہت خوش تھا۔ وہ اپنی گوناگوں قابلیتوں کے باعث بادشاہ کا ندیم خاص بن گیا تھا۔ بادشاہ نے اس کو امیر الامراء کا خطاب دیا تھا اور وکالت کے جلیل القدر منصب پر فائز کیا تھا۔ اس کو معتمد خاں کا خطاب بھی دیا تھا، بلکہ ہمیشہ اس خطاب سے اس کو بلاتا تھا۔ اس کی قدر و منزلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ شاہی انگوٹھی ''مہر اشرف اوزک'' قیمتی جواہر سے آراستہ کرا کے بادشاہ نے خود اس کے دست مبارک سے پہنی تھی۔

یہ شخص فن نستعلیق کا بڑا ماہر تھا۔ نستعلیق کے علاوہ خط ثلث اور نسخ کا بھی ماہر تھا۔ مسجد وزیر خاں لاہور میں آیت الکرسی خط ثلث لکھی ہوئی ہے۔ کاتب کا نام شریف لکھا ہوا ہے۔ یہ غالباً اسی کی لکھی ہوئی ہے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ رزم نامہ اور خمسہ نظامی کے ترقیمے عہد اکبری میں اس نے لکھے تھے۔ پٹنہ میں ایک شوقین مانک کے پاس اس کے ہاتھ کے نمونے ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے دیکھے تھے۔ (۱) اس کا انتقال ۱۰۴۹ھ میں ہوا ہے۔ توزک جہانگیری کی ترتیب میں یہ شخص جہانگیر کے ساتھ برابر شریک رہا ہے۔ اکثر واقعات اس کے قلم سے درج ہوئے ہیں۔ ترقی کرتے کرتے یہ بخشی گیری کے عہدے تک پہنچ گیا۔

جہانگیر کو عمارتوں کا اور باغات لگوانے کا بھی بہت شوق تھا۔ کشمیر (شالامار) اور الہ آباد میں باغات لگوائے۔ لاہور، دہلی، اجمیر میں عمارات بنوائیں۔ کاتبوں نے خط نستعلیق میں کتبات لکھے، جس میں عبداللہ مشکیں رقم اور عبداللہ حسین کے کتبات بھی شامل ہیں۔ جہانگیر کے دور کے خطاط بیشتر وہی تھے جو اکبر کے زمانے میں تھے۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم سابق میں کر چکے ہیں۔

☆ انار کلی

لاہور میں اس کے دور کی ایک مشہور عمارت انار کلی کے نام سے مشہور ہے۔ انار کلی کی داستان محبت تو خود ساختہ ہے۔ جہانگیر کی ایک بیوی تھی، جس کا نام صاحب جمال تھا۔ یہ زین خاں کوکہ کے چچا حسن خاں کی لڑکی تھی۔ اکبر کے علم کے بغیر جہانگیر نے کابل میں اس سے شادی کی تھی۔ اس سے جہانگیر کا لڑکا پرویز پیدا ہوا تھا۔ ۹۹۷ھ میں اس عورت کا انتقال حسب تصریح اکبر نامہ ۱۰۰۸ھ میں ہوا۔ تب اس نے اس پر ایک عالی شان مقبرہ بنوا دیا تھا۔ تعویذ اور کتبات نستعلیق میں ہیں ایک جگہ یہ شعر کندہ ہے ؎

۱- سرگزشت خط نستعلیق، ص ۱۷۳،

آہ گر باز بینم روئے یار خویش را
تا قیامت شکر گویم کردگار خویش را

مجنون سلیم اکبر ۱۰۰۸ھ،
فی شہور ۱۰۲۴ھ،

شہاب الدین شاہجہاں

(۱۰۰۰-۱۰۷۶ھ / ۱۵۳۹-۱۶۸۶ء)

شاہجہان ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۸ء میں تخت نشین ہوا اور تیس سال حکومت کرنے کے بعد ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۷ء کو معزول کر دیا گیا۔ شاہجہان بادشاہ کا زمانہ ہندوستان کی تاریخ کا عہد زریں کہلاتا ہے۔ ملک میں ہر طرح امن وامان تھا، رعایا خوشحال تھی، شاہجہان کو عمارت بنوانے کا بڑا شوق تھا۔ اس کے دور کی عمارتیں فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہیں۔ روضہ تاج محل آگرہ فن تعمیر کے عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔ سنگ مرمر کی یہ عمارت ۱۰۴۱ھ میں شروع ہوئی اور ۱۰۸۷ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔

خطاطوں اور فنکاروں کا سررشتہ جو اکبر بادشاہ اور جہانگیر بادشاہ کے زمانے سے چلا آرہا تھا۔ شاہجہان نے نہ صرف اس کو برقرار رکھا، بلکہ اس کو ترقی دی اور فروغ دیا۔ مغل بادشاہ کی داستانیں جب ولایت (ایران) میں پہنچیں اور فن کاروں کی

دیوانِ حلالی

شاہ جہاں کے دستخط

سرپرستی کا حال وہاں مشہور ہوا تو بہت سے خطاط اور فن کاروں نے ایران سے ہندوستان کا رخ کر لیا۔

☆ عبدالرشید دیلمی

عہد شاہجہانی کا مشہور ترین خطاط رشیدائے دیلمی ہے۔ عبدالرشید دیلمی مشہور عالم خطاط میر عماد الحسنی قزوینی کا بھانجا اور داماد تھا۔ جب میر عماد کو شاہ عباس صفوی نے ۱۰۳۴ھ میں قتل کرادیا تو عبدالرشید گھر میں روپوش ہو گیا، جب فلاکت اور افلاس نے بے حال کر دیا تو وہاں سے کسی طرح نکل کر ہندوستان پہنچا۔ ہندوستان میں وہ اس حال میں پہنچا کہ تن پر کپڑے بھی سلامت نہیں تھے۔ سب سے پہلے وہ لاہور پہنچا۔ یہاں اس نے اپنے حالات ٹھیک کیے۔ یہاں کچھ شاگرد بھی پیدا کئے۔ یہاں سے یہ آگرہ میں بادشاہ شاہجہان کی خدمت میں باریاب ہوا۔ شاہجہان نے اس کی قرار واقعی قدر و منزلت کی اور شہزادہ محمد داراشکوہ،(۱) شہزادی جہاں آراء اور زیب النساء کی تعلیم پر اس کو مامور کر دیا، شہزادی جہاں آراء نے انعام واکرام سے اس کو بہت نوازا۔ رہنے کے لئے تین حویلیاں آگرہ، دہلی اور لاہور میں عطا کیں۔ شاجہان نے اس کو شاہی کتب خانے کا کتاب دار مقرر کر دیا۔ اس دور میں اس نے سلطان حسین میرزا بایقرا کا ترکی دیوان جس کو مشہور خطاط سلطان علی مشہدی نے لکھا تھا۔ ۹۰۰ھ میں بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہ نے اس پر اپنے دستخط ثبت کئے۔ آج کل یہ دیوان قسطنطنیہ ترکی میں موجود ہے۔

عبدالرشید دیلمی جس کو اس کے مداح محبت میں رشیدائے دیلمی کہتے ہیں کو خط نستعلیق میں فن کی امامت کا درجہ حاصل ہے۔ تمام اساتذہ فن نے اس کو امام نستعلیق تسلیم کیا ہے۔ خط نستعلیق میں وہ ایک خاص طرز کے بانی ہیں، جس کو شیوۂ رشید یا طرز رشید کہتے ہیں۔ ان کی تحریر میں ایک خاص کشش ہے۔ حروف کی بندش بڑی چست ہے۔ ان کے یہاں حروف کے دائرے اور کشش ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے بہت سے خطاط طرز رشید کے متبع اور مقلد ہیں۔ مدتوں ان کی تقلید کا لوگ دم بھرتے رہے ہیں۔

عبدالرشید دیلمی

ہندوستان میں بہت سے لوگوں نے ان سے اکتساب فن کیا ہے۔ بعض مشہور شاگردوں کے نام یہ ہیں: خواجہ محمد اشرف، خواجہ سراسعیدائے اشرف، عبدالرحمٰن، میر حاجی، چندر بھان منشی، عبدالرحیم فرمان نویس، ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نادعلی کی وصلی فن کا اعلیٰ نمونہ سمجھی جاتی ہے۔ جو مہاراجہ سرکشن پرشاد وزیراعظم نظام دکن کے مجموعے میں موجود ہے۔

۱۰۸۱ھ میں آگرہ میں بعہد اورنگ زیب عالمگیر اس کا انتقال ہوا ہے۔ عجیب اتفاق ہوا کہ اس سال فارسی زبان کے

۱۔ خطاطی اور ہمارا رسم الخط، محمد یوسف بخاری، دہلوی،

مشہور شاعر مرزا محمد علی صائب تبریزی کا بھی انتقال ہوا ہے۔ زیب النساء بیگم کی فرمائش پر ایک شاعر نے دونوں کی موت پر ایک طویل قطعہ لکھا ہے۔ اس کا آخری شعر یہ ہے۔

گفتم از ارشاد بہر عقل در تاریخ آں
بود باہم مردن آقا رشید و صائبا(۱)

☆ حکیم رکنا کاشی

دوسرا نامور خطاط جو سرزمین ایران سے ہندوستان میں بادشاہ شاہجہان کے دربار میں پہنچا حکیم رکنا کاشی تھا۔ اس کا پورا نام حکیم رکن الدین مسعود تھا۔ طبابت اس کے خاندان کا آبائی پیشہ تھا۔ یہ خود بھی زبردست حکیم تھا۔ آغاز میں یہ شاہ عباس صفوی کے دربار میں بحیثیت طبیب ملازم ہو گیا، لیکن جب شاہ عباس کی صحت بگڑ گئی تو اس کا نزلہ طبیبوں پر پڑا۔ اس جرم میں حکیم رکنا کو ملازمت سے برخاست کر دیا گیا۔ مزید بر آں اس پر یہ جرمانہ عائد کیا گیا کہ وہ سابق میں وصول کی ہوئی تنخواہ بھی واپس کرے۔ ان پریشان کن حالات میں حکیم نے ہندوستان کا رخ کیا اور یہاں آکر شاہجہان بادشاہ کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ حکیم رکنا شاعر بھی تھا اور پیشہ کے لحاظ سے مسیح تخلص اختیار کر رکھا تھا۔ شاہجہان بادشاہ کی تخت نشینی پر اس نے ایک قطعہ کہا تھا۔

بادشاہ زمانہ شاہ جہاں
خروم و شاد و کامراں باشد
بہر سال جلوس شہ گفتم
در جہاں باد تا جہاں باشد
۱۰۳۷ھ

شاعری کے علاوہ خطاطی سے بھی حکیم رکنا کو بہت دلچسپی تھی۔ وہ ایک ماہر خطاط تھا۔ شیخ سعدی کی گلستان و بوستان کو اس نے اپنے قلم سے لکھا ہے اور نسخے مصور بھی ہیں۔ ان نسخوں کی ایک خاص تاریخی اہمیت ہے۔ حکیم رکنا نے گلستان ۱۰۳۸ھ میں اور بوستان ۱۰۳۹ھ میں لکھی ہیں۔ دونوں نسخے اعلیٰ درجے کے سمرقندی کاغذ پر لکھے ہوئے ہیں۔ کاغذ زرافشاں ہے۔ حاشیہ سنہری ہے۔ ان کی جلدیں بھی بڑی شاندار ہیں۔ اور دس اوراق بوستان میں مصور ہیں۔ تصاویر شاہجہان کے دور کے ثقافتی ماحول کو پیش کرتی ہیں۔

تاریخی اہمیت ان کی یہ ہے کہ شاہجہان نے ان دونوں نسخوں کو انگلستان کے بادشاہ کے پاس ۱۰۴۸ھ / ۱۶۳۸ء میں تحفہ بھیج دیا تھا۔ انگلستان میں اس زمانے میں چارلس اوّل کی حکومت تھی، جس کو ۱۶۴۹ء میں پھانسی دی گئی۔ مدتوں یہ دونوں

ا- سرگزشت، پاک و ہند میں اسلامی خطاطی، صحیفہ خوشنویساں، ان کی وصلیاں کراچی نیشنل میوزیم میں موجود ہیں۔

نسخے انگلستان میں رہے۔ پھر ولیم چہارم نے ۱۲۴۲ھ / ۱۸۳۴ء میں فتح علی شاہ بادشاہ ایران کو تحفہ میں دے دیئے۔(۱)

ملکہ نواب ممتاز الزمانی بیگم کی سفارش پر حکیم کو ۲۴ ہزار روپیہ سالانہ کا عہدہ عطا کیا گیا۔ پھر جلوس کے پانچویں سال یعنی ۱۰۴۰ھ میں پانچ ہزار روپیہ کا انعام دے کر حکیم کو مشہد مقدس کی زیارت کے لئے روانہ کر دیا گیا۔

☆ میر محمد صالح اور میر محمد مومن

یہ دونوں عہد اکبری کے مشہور خطاط میر عبداللہ مشکیں رقم کے لڑکے تھے۔ دونوں بھائی خط نستعلیق لکھنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ ان کو شاعری کا بھی شستہ ذوق تھا۔ محمد صالح ہندی شاعری اور ہندی موسیقی میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ اس کی تصنیف مناقب مصطفوی بہت مشہور ہے۔ محمد صالح ۱۰۶۱ھ میں فوت ہوا اور محمد مومن اس کے بعد ۱۰۹۱ھ میں فوت ہو گیا۔ بعہد اورنگ زیب عالمگیر، یہ دونوں بھائی شاہی کتب خانے میں عہدہ کتاب داری پر مامور تھے۔

فنی مہارت کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ میر محمد مومن نے چند قطعات میر علی ہروی کی نقل میں لکھے۔ ان قطعات کو اس نے شہزادہ شاہ شجاع کی خدمت میں پیش کیا۔ میر علی ہروی کے قطعات کی شہزادے نے بڑی قدر کی اور اس کو دو ہزار روپیہ انعام دیا۔ نقل ہو بہو مطابق اصل تھی۔ اصل اور نقل میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ بہت بعد میں یہ راز کھلا کہ در حقیقت یہ قطعات میر محمد مومن کی مشق ہیں اور میر علی ہروی کے لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ میر محمد مومن کو شہزادہ سلیمان شکوہ کو خط کی تعلیم دینے پر مامور کیا گیا تھا۔

☆ محمد مراد کشمیری شیریں قلم

عہد شاہجہانی کا یہ بھی ایک ماہر خطاط تھا۔ اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے بہت سے قطعات مختلف مقامات پر ملتے ہیں۔ بعض نقادوں کے خیال کے مطابق اس کا خط مشہور خطاط محمد حسین کشمیری کے خط سے بہت مشابہ ہے۔ بعض دوسرے لوگ پختگی اور حسن خط کی بنا پر اس کے خط کو میر علی ہروی کے خط سے تشبیہ دیتے ہیں۔ بعض لوگ سلطان علی مشہدی کا ثانی قرار دیتے ہیں، بہر کیف یہ اپنے دور کا ماہر خطاط تھا۔ حروف کے دائروں اور حروف کی حلقہ بندی میں اس کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ خط جلی اور خفی دونوں یکساں مہارت سے لکھتا تھا۔

☆ مولانا منیر لاہوری

یہ اہل علم و فضل اور اہل کتابت کا مشہور خاندان تھا۔ منیر کے والد عبدالجلیل بن حافظ ابوالحق لاہور کے رہنے والے تھے۔ فن خوشنویسی میں شہرت رکھتے تھے۔ اکبر بادشاہ کے یہاں خوش نویسوں کے زمرے میں ملازم تھے۔ آئین اکبری کے مسودات عبدالجلیل نے ابوالفضل کے سامنے بیٹھ کر صاف کئے تھے۔ منیر کے دو بھائی اور تھے وہ دونوں بھی خوش نویس تھے۔

۱۔ پاک و ہند میں خط نستعلیق، ۱۹۷۴ء، ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، ص-۸،

مولانا منیر اس خاندان کے سب سے زیادہ باکمال فرد تھے۔ منیر خوشنویسی کے ساتھ ادیب بھی تھا۔ ادب میں ان کی کتاب انشائے منیر مشہور ہے۔ شاہجہان بادشاہ کے ہم زلف مرزا ابوالحسن مخاطب بہ آصف خاں کے ساتھ منیر نے زیادہ وقت الہ آباد میں گزارا تھا۔ کچھ عرصہ جونپور میں اعتقاد خاں کے ساتھ بسر کیا۔ افسوس ۳۶ سال کی عمر میں اس نوجوان ادیب و خوشنویس کا انتقال ۱۰۵۵ھ میں آگرہ میں ہوا۔ مگر تدفین لاہور میں عمل میں آئی۔ چند قطعات اس کی یادگار ہیں۔

☆ امانت خان شیرازی کتاب نویس

شاہجہان بادشاہ کو عمارات بنانے سے بہت دلچسپی تھی۔ فن تعمیر کا شاہکار بلکہ عجوبہ روضہ تاج محل ہے، جو آگرہ میں تعمیر ہوا۔ یہ عمارت شاہجہان کی بیگم ملکہ ممتاز الزمانی کی قبر پر دریائے جمنا کے کنارے (۱۰۴۱-۱۰۷ھ) میں تعمیر ہوئی۔ سنگ سفید کا یہ مقبرہ اپنی تعمیری خوبیوں اور فنی لطافتوں کے باعث دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔ اس میں آیات قرآنی خط ثلث میں لکھی ہوئی ہیں۔ یہ امانت خاں شیرازی کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔

اس کا اصلی نام عبدالحق تھا۔ اس کا والد محمد قاسم شیراز سے چل کر اکبر بادشاہ کے دربار میں آیا تھا۔ شاہجہان بادشاہ کا وزیر محمد افضل اس کا بھائی تھا۔ اکبر کے مرنے پر جہانگیر نے جب سکندرہ میں اپنے باپ کا مقبرہ تعمیر کرایا تو مقبرے پر آیات قرآن اس نے لکھی تھیں۔ وہاں اس نے خط نستعلیق میں ننانوے اسمائے حسنیٰ بھی لکھے۔ شاہجہان کے زمانے میں روضہ تاج محل پر اس نے خط ثلث میں آیات قرآنی لکھیں۔ شاہجہان نے اس کو امانت خاں کا خطاب دیا تھا اور بھی بڑے بڑے انعامات سے نوازا۔ شاہجہان نے اس کو لاہور کے نواح میں جاگیر دی تھی۔ امرتسر کے قریب اس نے ایک عالی شان سرائے تعمیر کی تھی۔ جو ایک مدت سرائے امانت خاں کے نام سے مشہور رہی۔ ایک قدردان شہنشاہ نے ایک خطاط کی شاہانہ سرپرستی کی اور خوب نوازا۔

☆ استاد نور اللہ دہلوی

نور اللہ استاد احمد عہد شاہجہانی کے مشہور معمار کا بیٹا تھا۔ وہ زبردست خطاط بھی تھا۔ جامع مسجد دہلی پر خط ثلث میں کتبات استاد نور اللہ نے لکھے ہیں۔ تحریر کی نفاست اور جاذبیت آج تین صدیاں گزر جانے کے بعد بھی علیٰ حالہ قائم ہے۔ اس سے فن کار کی مہارت فن کا اندازہ ہوتا ہے۔

محی الدین محمد اورنگزیب عالمگیر بادشاہ

(۱۰۲۸-۱۱۱۸ھ / ۱۶۱۹-۱۷۰۷ء)

اورنگ زیب ۱۰۶۸ھ میں تخت نشین ہوا اور پچاس سال حکمرانی کرتا رہا۔ اورنگ زیب حافظ قرآن، فقیہ، عالم، فاضل اور ادیب تھا۔ ہندوستان کے تخت پر اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا عالم فاضل شخص مسند نشین نہیں ہوا۔ وہ خود خط نسخ اور خط نستعلیق کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے خط کی تعلیم عبدالرشید دیلمی اور سید علی خاں جواہر رقم سے حاصل کی تھی۔ اورنگ زیب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن مجید بعض عجائب خانوں میں موجود ہیں۔ خواجہ حسن نظامی نے ایک ایسا ہی قرآن مجید شائع کیا تھا۔ جس پر اورنگ زیب عالمگیر کا نام لکھا ہوا تھا۔ (۱) مگر خطوط کے مجموعہ کلمات طیبات میں اورنگ زیب خود لکھتا ہے کہ میں نے ایک دو قرآن مجید حصول ثواب و برکت کے لئے لکھے ہیں اور حرمین شریفین بھجوا دیئے، مگر ان پر نہ نام لکھا نہ تاریخ، اس بیان کی موجودگی میں ہمیں اس کے دستخط والے تمام قرآن مجید جعلی نظر آتے ہیں اور مشکوک ہیں۔ (۲)

اورنگزیب کے زمانے میں فنون لطیفہ کی سرپرستی میں ایک انقلاب آگیا۔ اکبر بادشاہ کے زمانے سے دو جداگانہ شعبے مصوری اور خطاطی کے چلے آرہے تھے۔ جہانگیر اور شاہجہان بادشاہ نے بھی ان کی سرپرستی اور قدر افزائی میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ اورنگ زیب نے فن کاروں سے سرکاری سرپرستی ختم کر دی۔ البتہ فن خطاطی سے اس کی ذاتی دلچسپی بدستور قائم رہی۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کے خیال کے مطابق فن اب دربار کی قید سے آزاد ہو گیا اور صحیح معنوں میں جمہوری اور عوامی فن بن گیا۔ فن خطاطی اورنگ زیب کے زمانے میں بھی بافروغ رہا۔

۱۔ خطاطی اور ہمارا رسم الخط، یوسف بخاری دہلوی، ص ۲۵، ۲۔ کلمات طیبات کا بیان ممکن ہے آغاز کا ہو۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ اورنگزیب قرآن مجید لکھ کر ہدیہ پر دیتا تھا۔ اس سے اس کو آمدنی تھی۔ مرنے کے قریب وصیت نامے میں وہ لکھتا ہے۔

"مبلغ چودہ روپے بارہ آنے جو ٹوپیوں کی سلائی کے بیگم محل دار کے پاس جمع ہیں، وہ ان سے لے کر مجھ بیچارے کے کفن میں صرف کریں، مبلغ تین سو روپیہ قرآن کی لکھائی کے صرف خاص میں ہیں وہ انتقال کے دن محتاجوں کو دیں۔ اس لئے کہ کلام مجید کی لکھائی میں حرمت کا اندیشہ ہے۔ یہ میرے کفن میں صرف نہ کریں۔"

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ قرآن مجید لکھ کر لوگوں کو ہدیہ لے کر دیتے تھے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کثیر تعداد میں لکھے گئے ہوں گے۔ اس لئے اگر مختلف کتب خانوں میں اورنگزیب کے ہاتھ کے قرآن مجید موجود ہیں تو ان کو رد نہیں کیا جاسکتا۔

☆ سید علی جواہر رقم

سید علی خاں کے والد کا نام آغا مقیم عرف شمس الدین علی خاں تھا۔ وہ تبریز کا رہنے والا تھا۔ فن خطاطی کی تعلیم اس نے وطن ہی میں حاصل کی تھی۔ وہ میر عماد کی روش پر بہت اچھا لکھتا تھا اور مہارتِ فن کی وجہ سے استادی کے درجے پر فائز تھا۔ اورنگ زیب نے اس کو شہزادوں کو تعلیم دینے پر مامور کر دیا تھا۔ شاہی کتب خانے کا کتاب دار بھی اس کو مقرر کر دیا تھا۔

اصل میں تو وہ نسخ کا ماہر تھا، مگر نستعلیق بھی خوب لکھتا تھا۔ جب وہ ہندوستان پہنچا تو یہاں آقا رشید کی روش کو قبولیت عامہ حاصل تھی۔ ان کے سامنے اس کا رنگ نہ جم سکا۔ آخر اس نے شیوہ عماد کو ترک کر دیا اور شیوہ رشید پر مشق کی۔ ذہین اور محنتی آدمی تھا۔ جلد ہی چمک اٹھا اور پھر تو بہت مشہور ہوا۔ اس کو جواہر رقم کا خطاب ملا۔ نقادوں کا خیال ہے کہ جواہر رقم کا خط آقا رشید کی طرح زور اور استوری تو نہیں رکھتا لیکن کرسی اور نمک میں وہ رشید کے خط تک پہنچ جاتا ہے۔ ۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۳ء میں دکن میں اس نے انتقال کیا۔ تدفین دہلی میں ہوئی۔ اس کے ہاتھ کی وصلی علی گڑھ یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔
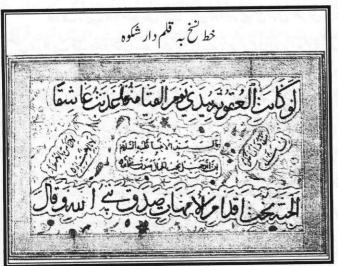
خط نسخ بہ قلم دار شکوہ

☆ ہدایت اللہ زریں رقم

ہدایت اللہ آغاز میں محمد حسین کشمیری کی روش کی مشق کیا کرتا تھا۔ لیکن جب دیکھا کہ سید علی جواہر رقم کی مقبولیت بہت زیادہ ہے تو پھر اس کی روش کی تقلید شروع کر دی۔ سخت محنت کی۔ پھر اس میں کمال حاصل کیا اور مرتبہ استادی کو پہنچ گیا۔ عالمگیر نے اس کو سرکاری کتب خانے کا داروغہ مقرر کر دیا۔ وہاں اس نے دیوان حافظ بخط خفی لکھا۔ بادشاہ نے شہزادہ گان کام بخش اور محمد اعظم کا استاد زریں رقم کو مقرر کر دیا تھا۔

حق یہ ہے کہ ہدایت اللہ زریں رقم کا قلم بہت دل آویز ہے اور جواہر رقم سے بلند تر ہے۔ مزاج اور طبع کے اعتبار سے ہدایت اللہ مسکین اور سادہ مزاج آدمی تھا۔ ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء میں احمد آباد میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کی تحریر کردہ ایک وصلی مؤرخہ ۱۱۱۲ھ دہلی کے میوزیم میں موجود ہے۔ ایک اور وصلی علی گڑھ یونیورسٹی میں موجود ہے۔(۱)

۱- پاک و ہند میں اسلامی خطاطی، ص ۶۵،

باب ۳۱

خط نسخ کا احیا

بابر بادشاہ سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر تک خط نستعلیق شاہی سرپرستی میں فروغ پاتا رہا۔ اس نے اس قدر عروج اور غلبہ حاصل کر لیا کہ ہندوستان اور پاکستان کا یہ مقبول عام خط بن گیا۔ دوسرے تمام خطوط اس کے سامنے ماند پڑ گئے، دب گئے۔ حتیٰ کہ خط نسخ کی جانب سے بھی غفلت برتی جانے لگی۔

قرآن مجید خط نسخ میں لکھے جاتے ہیں۔ قرآن مجید کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اختیار کردہ رسم الخط کے مطابق لکھنا ضروری ہے۔ اس پر امت کے تمام فرقوں کا اجماع ہے۔ اس کو رسم عثمانی کہتے ہیں۔ اس لئے خط نسخ لکھنے کے لئے عربی زبان کا جاننا اور عربی خط کے قواعد کتابت و املا کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ خط نسخ کے لکھنے والے کو نساخ کہتے ہیں، خط نسخ کی طرف سے غفلت کا نتیجہ ہے کہ دنیا کے کتب خانوں اور عجائب خانوں میں مختلف ملکوں میں تحریر کردہ قرآن مجید ہیں مگر ان میں ہندوستان اور پاکستان کے لکھے ہوئے قرآن مجید کی تعداد بہت کم ہے۔

☆ عبدالباقی حداد یاقوت رقم

اس کا اصلی نام عبداللہ تھا مگر وہ عبدالباقی کے نام سے مشہور ہے۔ ایران کا رہنے والا تھا۔ آغاز میں یہ پیشہ حدادی سے منسلک تھا اور اسلحہ بنایا کرتا تھا۔ ایک مدت کے بعد اس کو فن کتابت کا شوق ہو گیا۔ اس نے دبستان ہرات کے مشہور خطاط شش قلم عبداللہ طباخ کے خط کو سامنے رکھ کر مشق شروع کر دی۔ خط نسخ سے اسے زیادہ دلچسپی تھی۔ کہتے ہیں کہ یہ لب دریا چلا جاتا تھا اور پتھر پر آب دریا سے خطاطی کی مشق کرتا رہتا تھا۔ مدتوں مشق کرنے کے بعد وہ ایک ماہر خطاط اور نساخ مشہور ہو گیا۔ ایران سے وہ عہد شاہجہانی میں ہندوستان میں آیا اور شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ اس نے کامل

قرآن مجید تمیں اوراق پر لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر اس کو یاقوت رقم کا خطاب دیا تھا۔ ہندوستان میں خط نسخ کو مقبول بنانے میں اس نے بہت کوشش کی۔ اس کے بہت سے شاگرد پیدا ہوئے۔ جن میں محمد عارف یاقوت رقم نے بہت شہرت حاصل کی، کہتے ہیں کہ یہ واپس ایران چلا گیا تھا۔

اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی حمائل شریف دہلی میوزیم میں موجود ہے۔ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک دوسرا قرآن مجید خط خفی میں ہے۔(۱) اور عدسے کی مدد سے پڑھا جا سکتا ہے۔ وہ سعید یہ لائبریری ٹونک میں موجود ہے۔(۲) اس کے دو لڑکے تھے علی اکبر اور علی اصغر۔ دونوں بھائی باپ کی طرح باکمال خوشنویس تھے۔

☆ محمد عارف یاقوت رقم

یہ عبدالباقی حداد کا مشہور شاگرد تھا۔ اپنے زمانے کا بڑا نامور خوش نویس تھا۔ خط ثلث اور خط نسخ میں تو اس کے متعلق مشہور ہے کہ ایک خاص اسلوب اپنا کر ایک خاص معیار پیدا کیا تھا۔ خط نسخ کا آخری امام یاقوت مستعصمی ۶۹۸ھ کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ محمد عارف نے یاقوت کے خط میں مزید تراش خراش کر کے کچھ تبدیلی پیدا کر کے مزید خوش نما اور حسین خط بنا دیا تھا۔ اس کی روش ہندوستان کے خطاطوں میں بہت مقبول ہوئی۔ یہاں کے نساخ شیوہ یاقوت کی تقلید کرتے ہیں۔ یہ بہادر شاہ اوّل ۱۱۰۹-۱۱۲۴ھ کے دربار سے منسلک تھا۔ اس نے ان کو یاقوت رقم کا خطاب دیا تھا۔ دوسرے خطاط اس کو یاقوت ثانی کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اصلی وطن اس کا بھی ہرات تھا۔ آغاز میں یہ عالمگیر کے شہزادگان کا استاد مقرر ہوا تھا۔ بارہویں صدی کے وسط میں اس کا انتقال ہوا ہے۔ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید دہلی میوزیم میں محفوظ ہے۔ اس پر ۱۰۸۰ھ / ۱۶۶۹ء تاریخ درج ہے۔ اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک وصلی خط نسخ کی نیشنل میوزیم کراچی میں موجود ہے۔(۳)

اس کے بہت سے شاگرد تھے، جن میں سے ان کے بھتیجے قاضی عصمت اللہ نے بہت شہرت پائی ہے۔ انہوں نے شیوہ عارف کو نئی شان بخشی اور خط نسخ کو بہت فروغ دیا۔ عہد محمد شاہی یعنی ۱۱۸۶ھ / ۲۷۷۲ء میں قاضی عصمت اللہ کا انتقال ہوا ہے۔

☆ میر بندہ علی مرتعش رقم

میر بندہ علی نے خط نسخ کی تعلیم اپنے نانا نواب احمد قلی خاں عرف مرزائی صاحب سے حاصل کی تھی۔ جو اس زمانے میں فن کا استاد کامل تھا۔ یہ منشی ہادی علی خوشنویس کا معاصر تھا۔ میر بندہ علی اعلیٰ درجے کا نساخ تھا۔ فن کی کثیر معلومات کا حامل تھا۔ بڑھاپے میں اس کے ہاتھ میں رعشہ کا مرض پیدا ہو گیا تھا۔ مگر یہ رعشہ کے ساتھ بھی بڑا خوبصورت لکھتا تھا۔ اس لئے اس کا لقب مرتعش رقم مشہور ہو گیا ہے۔

اس کی بصیرت فن کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک موقعے پر لکھنؤ میں منشی ہادی علی، منشی محمد یحییٰ اور

۱- خطاطی اور ہمارا رسم الخط، یوسف بخاری دہلوی، ۲- صحیفہ خوش نویساں، ص ۱۲۳، ۳- الزبیر کتب خانہ نمبر، ص ۴۳۹،

دوسرے خوش نویس جمع تھے۔ کسی نے یاقوت مستعصمی کا لکھا ہوا نسخ کا نمونہ وہاں پیش کیا۔ وہ اس کو فروخت کرنا چاہتا تھا۔ منشی ہادی علی نے کہا میں اس کو اپنے گھر لے جا کر یاقوت کے دوسرے نمونوں سے ملا کر دیکھ لوں کہ آیا یہ واقعتاً یاقوت کی تحریر ہے؟ یہ نمونہ وہ اپنے ساتھ لے گیا۔ دوسرے دن اسی طرح کی ایک اور وصلی پیش کر دی اور کہا کہ یہ میرے پاس موجود تھی۔ دوسرے تمام خوشنویس تو ان کی بات کو مان گئے مگر میر بندہ علی نے دوسری وصلی کو تسلیم نہیں کیا اور اس کو میر ہادی علی کے قلم کا نتیجہ قرار دیا۔ گفتگو بڑی طویل ہوگئی۔ آخر میں ان سے ثبوت طلب کیا گیا تو انہوں نے اصلی وصلی کے واو اور نقلی وصلی کے واؤ میں جو ذرا سا فرق تھا وہ پیش کر دیا۔ اس طرح وہ منشی بندہ علی کی بصیرت فن کے بھی قائل ہوگئے۔ یہ لکھنوی دور کا مشہور باکمال نساخ تھا۔ سو سال کی عمر پا کر ۱۲۸۳ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔

اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تین وصلیاں علی گڑھ یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہیں۔(۱)

☆ حاجی حافظ منشی ہادی علی

اس کا وطن بنارس تھا۔ وہاں سے دہلی پہنچے۔ خط نسخ کی تعلیم کالپی (جھانسی) کے ایک خوشنویس سے حاصل کی تھی اور خط نستعلیق کی تعلیم مشہور خطاط حافظ ابراہیم سے حاصل کی تھی۔ طغریٰ نویسی میں بھی اس کو کمال حاصل تھا۔ فنی مہارت کے باعث اس کو فخر لکھنؤ کہا جاتا تھا۔ نسخ یاقوت مستعصمی کی روش پر لکھتا تھا۔ وہ حلوا سوہن بنا کر فروخت کرتا تھا، اور رزق حلال کھاتا تھا۔ حلوے کی ٹکیوں پر کلمات خوبصورت انداز میں لکھتا تھا۔ آخر عمر میں نابینا ہو گیا تھا مگر کتابت کا شوق مرتے دم تک باقی رہا۔ نابینا ہو جانے کے بعد شاہ ابوتراب لکھنوی کی مسہری کی چھت گیری پر اس نے آیت الکرسی لکھی۔ وہ اس طرح لکھی کہ ان کے شاگرد حافظ عزیز حسین کپڑے کے اس مقام پر ان کا ہاتھ رکھ دیتے تھے جہاں وہ لفظ لکھنا ہوتا تھا اور یہ لکھ دیتے تھے۔ چھت گیری کے وسط میں اس طریقے سے سورۂ اخلاص لکھی۔ اس طرح لکھنا تحریر اور کمال فن کا نادر نمونہ ہے۔ فن خطاطی کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا ہی واقعہ ہے۔(۲) منشی نول کشور نے لکھنؤ سے جو قرآن مجید شائع کیا تھا۔ اس کی کتابت منشی ہادی علی نے کی تھی۔ اس کی اشاعت سے دوسرے مطابع پر نول کشور مطبع کو برتری حاصل ہوگئی تھی۔ اس کی لکھی ہوئی ایک وصلی مکتوبہ ۱۲۷۱ھ علی گڑھ یونیورسٹی میں موجود ہے۔ اس کی ایک وصلی کراچی نیشنل میوزیم میں بھی ہے۔ خط نستعلیق میں اس کا شاگرد مشہور خطاط منشی شمس الدین اور خط نسخ میں اس کا شاگرد منشی حامد علی ہے۔

☆ منشی حامد علی

منشی حامد علی حضرت مولانا شیخ محمد علی محدث لکھنوی کا لڑکا ہے۔ نستعلیق اور نسخ دونوں کا ماہر استاد تھا مگر خط نسخ سے زیادہ دلچسپی لیتا تھا۔ ہندوستان میں خط نسخ کے ماہروں کو نساخ کہا جاتا ہے۔ خط نسخ لکھنے والوں کی ہدایت کے لئے اس نے ایک

۱۔ مختار الدین آرزو، ۲۔ صحیفہ خوش نویسان، ص ۱۸۴،

رسالہ "اصول نسخ" کے نام سے لکھا تھا۔ اس موضوع پر یہ واحد تصنیف ہے۔ اسحاق علی علوی نے ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۷ء میں اس کو لکھنؤ سے شائع کر دیا ہے۔

☆ منشی محمد ممتاز علی نزہت رقم

آخری مغل تاج دار بہادر شاہ ظفر کا یہ تلمیذ رشید تھا۔ دہلی کا مایہ ناز استاد فن تھا۔ قرآن پاک لکھنے والا نادرۂ روزگار خطاط تھا۔ اپنے زمانے میں خط نسخ میں دور دور تک اس کی نظیر نہیں ملتی تھی۔ درویش سیرت اور تقویٰ شعار بزرگ تھا۔ اس کا اکثر قیام حرمین شریفین میں رہتا تھا۔ قرآن مجید کی کتابت جوار کعبہ میں بیٹھ کر کرتا تھا۔ قرآن مکمل ہو جانے کے بعد ہندوستان آتا تھا اور اپنے قائم کردہ مطبع میں اس کو شائع کراتا تھا۔ اس کا یہی طریقہ تھا۔ نزہت رقم کا وہ قرآن مجید جس کی تصحیح مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے کی تھی اور جس کو مطبع مجتبائی نے بڑے اہتمام سے شائع کیا تھا۔ وہ فن نسخ کا ایک نادر نمونہ ہے۔ اس کا کتابت کیا ہوا آخری کلام پاک ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۴ء میں شائع ہوا تھا۔ اس سے فیض پانے والے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن میں منشی محمد قاسم لدھیانوی سلطان القلم فخر روزگار ہوا ہے۔ نزہت رقم کے صاحبزادے منشی مشتاق علی اور منشی عبد الغنی بھی باکمال خطاط تھے اور باپ کے نام کو روشن کرتے رہے۔
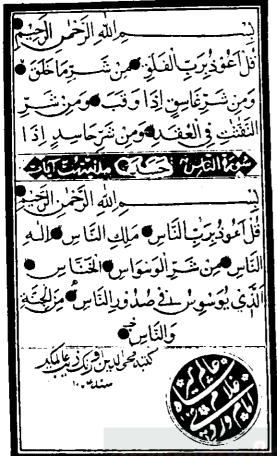
اورنگ زیب کے لکھے ہوئے قرآن مجید کا ایک صفحہ

وصلی: داراشکوہ

باب ۳۲

دبستانِ مغل کا اختتام

خطاطی کا ذوق تمام مغل حکمرانوں کو تھا۔ شاید ہی کوئی ایسا مغل شہزادہ ہو جس کو فن خوشنویسی سے دلچسپی نہ رہی ہو۔ آخری مغل حکمران تک یہ ذوق بدستور قائم رہا اور فن کاروں کی سرپرستی بھی جاری رہی۔ جب انگریزوں نے ۱۸۵۷ء میں مغل سلطنت کا ہی خاتمہ کردیا تب یہ بساط الٹ گئی۔ تب یہ سرپرستی ختم ہوگئی۔ آخری دور میں چند خطاط بڑے نامور ہوئے۔ بعض کا تذکرہ تو خط نسخ کے ذیل میں آچکا ہے۔ بعض کا تذکرہ یہاں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

☆ عماد الملک غازی الدین خاں فیروز جنگ

یہ آصف جاہ نظام الملک اول کا پوتا تھا۔ والد کی وفات ۱۱۶۵ھ / ۵۲-۱۷ء کے بعد میں اس کا تقرر احمد شاہ بادشاہ کے دربار میں امیر الامراء کے عہدے پر ہوا تھا۔ اس دور کے سیاست میں یہ بے حد دخیل ہے۔ اس کے بعض غلط اقدامات کی وجہ سے مغل سلطنت کو بڑا نقصان پہنچا۔ ۱۲۰۰ھ / ۸۵-۱۷ء میں مایوسی اور ناکامی کی حالت میں کالپی مدھیہ پردیش میں اس کا انتقال ہوا۔

علم و فن کے لحاظ سے یہ اپنے زمانے کا ایک عجوبہ شخص تھا۔ ناکامی کے باعث اس کی تمام خوبیوں اور اس کے تمام ہنر پر پردہ پڑا رہ گیا۔ یہ ہفت زبان شاعر تھا۔ عربی، فارسی، ترکی، اردو اور بعض علاقائی زبانوں میں شاعری کرتا تھا۔ ان تمام زبانوں میں اس کی غزلیں اور نظمیں موجود ہیں۔ مولانا فخر الدین چشتی دہلوی کا یہ معتقد تھا۔ ان کی تعریف میں اس نے ایک مثنوی لکھی تھی۔ یہ ہفت قلم خطاط بھی تھا۔ خط نستعلیق کی تعلیم اس نے مرزا محمد علی سے اور خط نسخ کی تعلیم یاقوت رقم سے حاصل کی تھی۔ وہ خط شفیعا کا ماہر تھا۔ عام خط و کتابت وہ خط شفیعا میں کرتا تھا چونکہ سیاسی اعتبار سے پرامن حالات اس کو میسر نہ آسکے، اس

لئے یہ کوئی اچھا کارنامہ پیش نہ کر سکا جو یادگار رہتا۔

☆ سید محمد امیر رضوی عرف میر پنجہ کش

سید محمد امیر دہلی کا آخری اور ممتاز خطاط تھا۔ جس طرح مغل بادشاہت کا خاتمہ سراج الدین بہادر شاہ ظفر پر ہوا ہے۔ اسی طرح خوشنویسی کا خاتمہ میر پنجہ کش پر ہو گیا۔ اس کے زمانے میں مغل بادشاہ برائے نام تھا۔ کمپنی کی حکومت دہلی میں قائم ہو چکی تھی۔ غلام محمد ہفت قلمی کی میر پنجہ کش سے دوستی تھی۔ بلکہ میر صاحب کے ذوق کو پروان چڑھانے میں غلام محمد کا ہاتھ ہے۔ عبد الرشید کی وصلیاں انہوں نے مہیا کی تھیں۔

میر پنجہ کش قدماء کی روش پر لکھتا تھا۔ آقا رشید کے طرز پر لکھنے والا ان سے بہتر اور کوئی نہیں تھا۔ آقا رشید سے میر صاحب کو بہت محبت تھی۔ وہ ہر سال ماہ محرم میں آقا رشید دیلمی کا عرس منایا کرتا تھا۔ اس روز دہلی کے تمام خطاط میر صاحب کے مکان واقعہ پہاڑی املی دہلی میں جمع ہو جاتے تھے۔ پہلے فاتحہ خوانی ہوتی تھی پھر فن کے مسائل پر تبادلہ خیال ہوتا تھا۔ اپنے گھر میں مکان کی کڑی پر اس نے بہترین خط نستعلیق میں یا فتاح اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی تھی۔ یہ روزانہ کاغذ کے پرزوں پر مفرد حروف لکھ کر رکھ لیتا تھا۔ در پر جو فقیر مانگنے آتا تھا اس کو بالا خانے سے ایک پرزہ پھینک دیا تھا۔ قدر دان تیار رہتے تھے، وہ اس فقیر سے وہ وصلی ہاتھوں ہاتھ لے لیتے تھے اور چار پانچ روپے فقیر کو مل جاتے تھے۔ اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وصلیاں آج دہلی کے قلعے کے میوزیم میں موجود ہیں۔ وہ امراء کے بچوں کو خط کی تعلیم دیتا تھا۔

میر صاحب موصوف خطاطی کے علاوہ دیگر فنون اور ہنر میں بھی بڑی مہارت رکھتا تھا۔ مثلاً مصوری، نقاشی لوح نویسی، جدول کشی، صحافی، علاقہ بندی، سنگ تراشی۔ ان مختلف میدانوں میں وہ مہارت ظاہر کرتا تھا۔ کوئی ان کا حریف نہ تھا۔ اس سے بڑھ کر کمال یہ ہے کہ وہ کشتی، پنجہ کشی، بانک بنوٹ وغیرہ میں بھی دہلی کا مانا ہوا استاد تھا۔ مزید حیرت اس امر پر ہے کہ فن خوشنویسی اور پنجہ کشی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ فن خوشنویسی کے لئے ریشم جیسی انگلیاں ہونی چاہئیں اور پنجہ کشی کے لئے فولاد کا ہاتھ چاہئے۔ ان متضاد صفات کا مالک شاید ہی کوئی خطاط گزرا ہو۔ محمد امیر مجموعہ اضداد تھا اور نادرہ روزگار شخص تھا۔ نہایت زندہ دل اور خوش اخلاق تھا۔ ۱۸۵۷ء میں ایک سپاہی نے ان کو گولی مار دی۔ ۹۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اس کی ایک وصلی علی گڑھ یونیورسٹی میں بھی موجود ہے۔ ان کے تین قطعات کراچی نیشنل میوزیم میں موجود ہیں۔ (۱) کریما شیخ سعدی، محمد امیر پنجہ کش نے ۱۲۶۷ھ میں لکھی ہے۔ وہ ذخیرہ نواب شروانی علی گڑھ میں موجود ہے۔

☆ آغا مرزا

یہ اصل کے اعتبار سے ارمنی تھا۔ دہلی میں رہتا تھا، مسیحی مذہب رکھتا تھا۔ یہ محمد امیر پنجہ کش کا مشہور ترین شاگرد

۱- الزبیر، کتب خانہ نمبر ص ۴۳۱۔

تھا۔ نہایت مشاقی سے اس نے اپنے خط کو استاد کے خط سے ملا دیا تھا۔ لوگ مشکل ہی سے تمیز کر سکتے تھے۔ نستعلیق کے علاوہ شفیعا (شکستہ) بھی خوب لکھتا تھا۔

دہلی کی تباہی کے بعد یہ ریاست الور میں چلا گیا تھا۔ مہاراجہ شیودان سنگھ نے اس کی قدر و توقیر کی۔ اس نے اس سے گلستان لکھنے کی فرمائش کی۔ یہ نسخہ خط نستعلیق میں ہے اور مصور ہے۔ یہ نسخہ ۱۵ سال کے عرصے میں سوا لاکھ روپے کے مصارف سے ۱۸۴۰ء میں تیار ہوا تھا۔ آج تک یہ نسخہ ریاست الور کے عجائب خانے میں محفوظ ہے۔ آغا مرزا کی وفات بھی ۱۸۵۷ء میں ہوئی۔ الور اور جے پور میں اس کے متعدد شاگرد تھے۔ اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک وصلی علی گڑھ یونیورسٹی میں موجود ہے۔

☆ بدر الدین مہر کن

بدر الدین آخری دور کا مشہور خطاط تھا۔ خط نسخ و نستعلیق کا ماہر تھا۔ زمانے کے حالات سے سازگاری پیدا کرتے ہوئے اس نے خط ہندی اور انگریزی لکھنے میں بھی مہارت حاصل کر لی تھی۔ اس زمانہ میں ہر صاحب حیثیت آدمی کی ایک مہر ہوتی تھی۔ تمام امراء اور وزراء کی مہریں بدر الدین تیار کرتا تھا، مرزا غالب کی مہر بھی اس نے تیار کی تھی، اپنی تیار کردہ مہروں اور وصلیوں کا اس نے ایک البم (مرقع) تیار کیا تھا لیکن افسوس ان کی اولاد اس مرقع کو محفوظ نہ رکھ سکی۔

☆ ابو المظفر سراج الدین

بہادر شاہ ظفر

بہادر شاہ بن اکبر ثانی آخری مغل حکمران تھا۔ یہ ۱۱۸۹ھ / ۱۷۷۵ء کو پیدا ہوا تھا۔ ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء کو تخت نشین ہوا تھا۔ ۱۲۷۴ھ / ۱۸۶۲ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

علوم و فنون سے متعلق تمام خاندانی ذوق اس کو ورثے میں ملے تھے۔ یہ اعلیٰ درجے کا شاعر اور اعلیٰ درجے کا خوشنویس تھا۔ میر امام الدین علی اور میر جلال سے فن کی تکمیل کی تھی۔ خطاطی میں یہ

خط معکوس، بہادر شاہ ظفر کے قلم سے

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حسابِ کم و بیش را
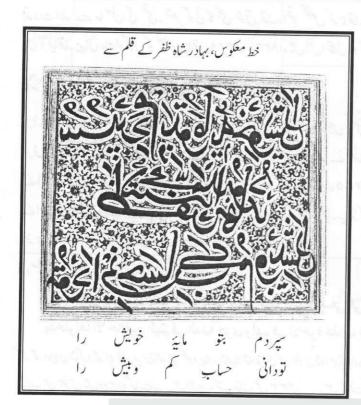
استادی کے مرتبے کو پہنچا ہوا تھا۔ بہت سے لوگ ہندو اور مسلمان اس کے شاگرد تھے۔ اس کے ایک شاگرد محمد ہمایوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وصلی ۴ فٹ طویل حاجی شاہ فقیر اللہ علوی کے مزار پر آویزاں ہے۔ یہ قرآن مجید کی آیت ہے جو خط جلی میں لکھی ہوئی ہے(۱) مفتی صدر الدین آزردہ خوشنویسی میں بادشاہ کے شاگرد تھے۔(۲)

حکیم احسن اللہ کی حویلی میں اور حضرت صابر چشتی کی درگاہ میں بادشاہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کتبات موجود ہیں۔ جو بادشاہ کے ماہر خطاط ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔ بہادر شاہ ظفر کی وصلیاں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہیں۔

اس دور میں دہلی مدرسہ ۱۷۹۲ء میں قائم ہوا تھا، جس کو بعد میں دہلی کالج کہنے لگے تھے۔ اس مدرسے کے نصاب تعلیم میں فن خطاطی کی تعلیم بھی شامل تھی۔ سید محمد دہلوی اس فن کی تعلیم دیتے تھے۔(۳) یہ پہلا موقع ہے کہ کسی مدرسے میں خطاطی کی باقاعدہ تعلیم کا اہتمام کیا گیا۔

☆ غلام محمد ہفت قلمی

اس دور کا مشہور خطاط اور ہندوستان میں فن خوش نویسی کا مورخ غلام محمد ہے۔ یہ محمد حفیظ خان کا شاگرد تھا۔ میر کلن، قادر بخش، لچھمی نرائن پنڈت، سرب سکھ رائے، خطاط اس کے معاصر تھے۔ یہ ساتوں خطوط میں مہارت رکھتا تھا۔ نسخ، نستعلیق، تعلیق، ثلث، شکستہ، محقق وریحان۔ اس وجہ سے اس کو ہفت قلمی کہا جاتا ہے۔ عربی فارسی کی تعلیم حکیم قدرت اللہ سے حاصل کی تھی۔ شعر گوئی کا بھی شوق تھا۔ راقم تخلص کرتا تھا۔ آخر عمر میں دہلی سے ہجرت کر کے لکھنؤ میں آ گیا تھا۔ یہاں عام لوگوں کو تعلیم دیتا تھا۔ ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء میں اس انتقال ہو گیا۔

☆ تذکرہ خوش نویساں

عرب و عجم میں تو خوشنویسوں کے حالات میں ہر دور میں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ہندوستان میں آٹھ سو سال میں صرف ایک تذکرہ ملتا ہے۔ جو مغل سلطنت کے آخری زمانے میں غلام محمد نے لکھا تھا۔ یہ ان کا فن پر بہت بڑا احسان ہے۔ اس کے ذریعے ہندوستان میں خوشنویسوں کے حالات معلوم ہو گئے۔ یہ تذکرہ ۱۲۳۵ء میں لکھا گیا ہے۔ پھر پریذیڈنسی کالج کلکتہ کے استاد مولوی ہدایت حسین اور سر ولیم جونز نے ۱۹۱۰ء میں اس کو طبع کرایا۔ یہ تذکرہ ان کی بہت بڑی خدمت ہے۔ اس کا ایک نسخہ ہمدرد لائبریری کراچی میں موجود ہے۔

۱۔ وصلی یہ ہے۔

ومن اظلم ممن منع مساجد اللّٰه ان يذكر فيها اسمه وسعى فى خرابها اولئك ماكان لهم ان يدخلواها الا خائفين :لهم فى الدنيا خزى ولهم فى الاخرة عذاب عظيم

کتبہ محمد ہمایوں شاگرد محمد ابو ظفر سراج الدین محمود بہادر شاہ بادشاہ غازی سن جلوس (دوم) پانزدہ ذی الحجہ ۱۲۵۵ ہجری، حاشیہ اس وصلی کا نیلا ہے۔ ہے۔ سن جلوس میں دوم رہ گیا ہے۔ ۲۔ الزبیر، کتب خانہ، ص ۴۳۳، ۳۔ ثقافت پاکستان، مرتب شیخ محمد اکرام ۱۹۶۷، ص ۱۵۶،

☆ نوٹ

ہندوستان و پاکستان میں خطاط اپنا شجرہ تلمذ لکھنے کے عادی نہیں۔ ورنہ مرقع غالب مصور کے کاتب منشی اسد اللہ (اناؤ یوپی) کہا کرتے تھے ان کا سلسلہ انتساب بلا انقطاع آقا عبدالرشید دیلمی اور میر عماد حسنی قزوینی تک پہنچتا ہے۔

شجرہ خطاطان ہندوستان

۲ قاضی عصمت اللہ خاں
عباد اللہ خاں
خلیفہ امام الدین
میر امام علی
میر جلال الدین حیدر
بہادر شاہ ظفر
ممتاز علی نزہت رقم
منشی محمد قاسم لدھیانوی
سلطان القلم

۳ محمد حفیظ خان
غلام محمد ہفت قلمی
میر کلن
محمد امیر پنجہ کش
آغا مرزا
عبداللہ زمرد رقم
مدد علی
رحیم اللہ
میر یوسف علی الوری
میر ابراہیم خاں
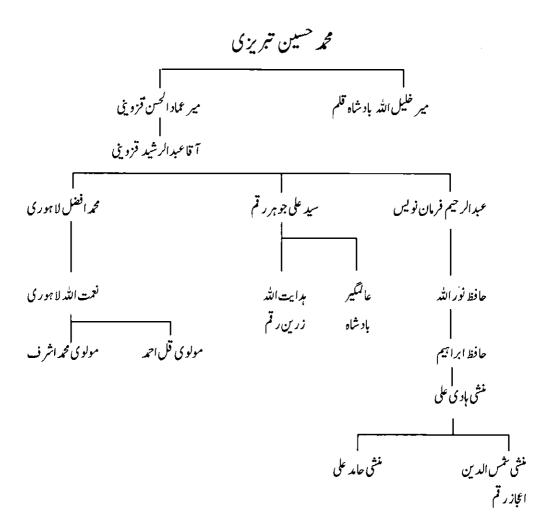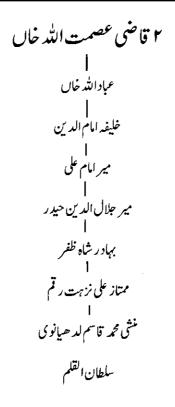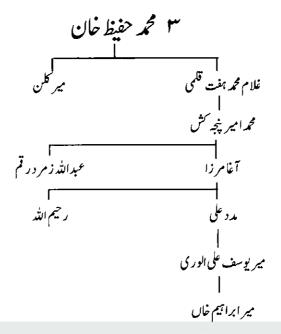
اشیائے کتابت

☆ کاغذ

برصغیر پاک وہند میں کاغذ کا کہیں بھی رواج نہیں تھا۔ قدیم ہندوستان میں لکھنے کے لئے تاڑ کے پتے، بھوج پتر، پتھر کی سل اور دھات کی تختیاں استعمال کرتے تھے۔ کاغذ سے اہل ہند کو مسلمانوں نے متعارف کرایا ہے۔ کتابوں کی جلد بندی بھی مسلمانوں نے اہل ہند کو سکھائی ہے۔

برصغیر ہندو پاکستان سے باہر عالم میں مختلف قسم کے کاغذ استعمال ہوتے تھے۔ مصر میں اوراق بردی تھے۔ ایران میں سمرقندی کاغذ مصفی تھا۔(۱) قرطاس قطنی تھا، اور اردلی زرافشاں تھا۔ چین کے دارالخلافہ خان بالغ کا کاغذ بڑی قدر و قیمت کا حامل سمجھا جاتا تھا۔

عرب حکومت سندھ کے زمانہ میں منصورہ، سیہون، نیرن کوٹ کاغذ بنانے کے مرکز تھے۔ جہاں سے کاغذ مختلف اطراف میں جاتا تھا۔ مغل سلطنت میں دیگر علوم وفنون کے فروغ کے ساتھ ساتھ صنعت کاغذ سازی نے بھی خوب ترقی کی اور مختلف اقسام اور انواع کے کاغذ یہاں تیار کئے جاتے تھے۔

برہان پور دکن کے کاغذ کو بیرنگ شاہجہانی اور روبکاری کہتے تھے۔ یہ مضبوط کاغذ تھا۔ دفتری مراسلت میں استعمال ہوتا تھا۔ سب سے بہتر کاغذ کشمیر میں بنتا تھا۔ یہ بھی کئی اقسام کا تھا۔

✿ ریشمی کشمیری

ریشم کے تار نکالنے کے بعد جو پھوس بچ جاتا ہے اسے پانی میں پیس کر یہ کاغذ بنایا جاتا تھا۔ اس مناسبت سے اس کو ریشمی کشمیری کہتے تھے۔ یہ ہلکا زردی مائل ہوتا تھا۔ باریک اور نہایت مضبوط ہوتا ہے۔ اس کو مہرے سے گھوٹ کر بہت چکنا اور چمکیلا بنالیا جاتا ہے۔ اس کاغذ کی ایک خوبی یہ ہوتی تھی کہ یہ نمی کے اثر کو بہت دیر کے بعد قبول کرتا تھا۔ اس لئے نمی سے جلدی خراب نہیں ہوتا تھا۔

۱۔ سمرقندی کاغذ کی تعریف میں کسی نے یہ شعر کہا ہے۔

حبذا کاغذ سمرقندی — خط برو صاف و خوب می آید
صاف و مضبوط وقت جزبندی — پاک نز از عیوب می آید

☆ حبشی کشمیری

یہ کاغذ درختوں کے نرم گودوں سے بنایا جاتا تھا۔ یہ دو طرح کا ہوتا تھا۔ مسحوق اور غیر مسحوق، مسحوق کو مہرے سے گھوٹ کر چکنا بنا لیتے تھے۔ جو بغیر گھوٹائی کے ہوتا تھا وہ نسبتاً کھردرا ہوتا تھا۔ اسے غیر مسحوق کہتے تھے۔ اس کی ایک خوبی یہ تھی کہ اس پر لکھی ہوئی تحریر بڑی دیرپا ہوتی تھی۔ حروف کو کاغذ پی جاتا تھا۔ اس لئے پانی سے بھی نہیں مٹتی تھی۔

☆ قطنی کشمیری

قطن عربی میں روئی کو کہتے ہیں۔ یہ کاغذ پرانی روئی سے بنایا جاتا تھا۔ اس کا رنگ زیادہ سفید نہیں ہوتا لیکن کاغذ بڑا مضبوط ہوتا ہے مدت دراز تک چلتا ہے۔ اس میں بھی مسحوق اور غیر مسحوق دونوں اقسام پائی جاتی ہیں۔ اسلامی دور میں سارے ہی ممالک میں کاغذ سازی کی صنعت تھی۔ ہر ملک اپنی ضروریات کے لئے کاغذ بناتا تھا مگر ایک نقاد کی رائے یہ ہے کہ تمام اقسام کے کاغذات میں جو خوبی اور نفاست ریشمی کاغذ اور قطنی کشمیری کاغذ میں دیکھی وہ اور کسی کاغذ میں نظر نہیں آئی۔ اس لئے قرآن مجید کے خوبصورت نسخے ہمیشہ کشمیری کاغذ پر لکھے جاتے تھے۔

کشمیر کے بعد یہ صنعت آگے پھیلی۔ سیالکوٹ (۱)، لاہور، ملتان، حتیٰ کہ پشاور میں بھی صنعت کاغذ سازی کے بڑے مراکز تھے۔ تین ولندیزیوں نے سب سے پہلے ۱۷۸۰ء میں دریائے ہوگلی کلکتہ میں کاغذ بنانے کی مشین Belly Hills قائم کی۔ اس کے بعد سے ہندوستان میں مشینی ساخت کا کاغذ بنایا جانے لگا۔ جس کے بعد رفتہ رفتہ دیسی طرز کا کاغذ ناپید ہوگیا۔ ۱۷۸۳ء تک انگریزی کتابیں بھی پٹنہ کے ساختہ کاغذ پر طبع ہوتی تھیں۔ (۲)

☆ وصلی

ہندوستان میں قرآن مجید لکھنے کے لئے اور وصلیاں بنانے کے لئے ایک خاص طریقہ تھا۔ جس کو آہار کہتے تھے۔ بعض محققین خط بہار کو بھی اسی سے (بہ آہار) ماخوذ مانتے ہیں۔ آہار دراصل چپکانے والی لئی کو کہتے ہیں۔ دو یا تین کاغذوں کو لئی (آہار) کے ذریعے چپکا کر وصلی بناتے تھے۔ پھر سکھا کر مسحوق کر کے اس پر خوبصورت خط میں اشعار یا قطعات یا آیات قرآنی لکھتے تھے۔ یہ وصلیاں بڑی مہارت سے تیار کی جاتی تھیں۔ ان پر مہرہ پھیرنا بھی ایک خاص کام تھا۔ اگلے زمانے میں ان وصلیوں پر مختلف اساتذہ فن اپنی نگارشات کے نمونے لکھتے تھے اور قدر دان ان کو ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے اور اپنے دیوان خانوں میں اور

۱- سیالکوٹ کاغذ سازی کا اہم مرکز تھا۔ یہاں کاغذ کی دو قسمیں تھیں، مان سنگھی اور ریشمی، سیالکوٹ کے تین مواضعات بھی کاغذ سازی میں شہرت رکھتے تھے۔ نیکا پورہ، رنگ پور، اور کیرانوالہ، مغلوں کے دفتر میں استعمال ہونے کے لئے یہیں سے کاغذ جاتا تھا۔ اس کی بڑی شہرت تھی۔ ۲-الزبیر کتب خانمبر، ص۱۳۹،

نشست گاہوں میں ان کو آویزاں کرتے تھے۔ جس طرح آج بعض لوگ تصویریں آویزاں کرتے ہیں۔

☆ روشنائی

روشنائی یوں تو مختلف رنگوں کی استعمال کی جاتی رہی ہے بلکہ شنگرفی اور طلائی روشنائی بھی استعمال کی جاتی تھی مگر عموماً سیاہ روشنائی ہی لکھنے میں استعمال کرتے تھے۔ اس کے بنانے کے تین چار طریقے تھے۔

۱- خطمی

حنطہ عربی زبان میں گیہوں کو کہتے ہیں۔ یہاں م کا اضافہ زائد ہے۔ یہ روشنائی گیہوں جلا کر اس کی راکھ سے بنائی جاتی تھی۔ اس کا رنگ بالکل سیاہ نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے کبھی کبھی اس میں سیاہ کاجل ملا لیتے تھے۔ یہ روشنائی چمکدار اور پختہ ہوتی تھی۔

۲- برنجی

یہ چاول کی راکھ سے بنائی جاتی تھی۔ اس میں گوند نہیں ڈالتے تھے۔ وصلیوں پر دوران مشق برنجی روشنائی استعمال کرتے تھے اور پھر ضرورت کے وقت اس کو گرم پانی سے دھو ڈالتے تھے۔ وہ صاف ہو جاتی تھی اور دوبارہ لکھنے کے قابل ہو جاتی تھی۔ ایک ہی وصلی پر کئی کئی بار مشق کرتے تھے۔

۳- دودی

یہ مشہور عام روشنائی تھی۔ یہ کاجل، پھٹکری، مازو پھل اور ببول کے گوند سے بنائی جاتی تھی۔ اس کا نسخہ فارسی کے ایک شعر میں بیان کیا گیا ہے۔

ہم سنگ دود زاج است، ہم سنگ ہر دو مازو
ہم سنگ ہرسہ صمغ است، آنگاہ زور بازو

یہ روشنائی نہایت چمکدار اور دیرپا ہوتی ہے۔ حروف کی نوک پلک اس سے بہت خوبی سے بنائی جاتی ہے۔ اس کی چمک دمک سالوں باقی رہتی ہے۔ البتہ نمی کا اثر قبول کر لیتی ہے۔

☆ قلم

آرائشی اور نمائشی قلموں کو نظرانداز کرتے ہوئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ عموماً قلم سرکنڈوں سے بناتے ہیں۔

واسطی اور کلکی قلم مشہور تھے۔ قلم تراشی بھی ایک فن تھا۔ معیار یہ تھا کہ چاقو کی تین ضرب میں پورا قلم بن جانا چاہئے۔ کہتے ہیں اورنگ زیب عالمگیر تین ضرب میں قلم بنانے میں بہت مشاق تھا۔

قلم گوید کہ من شاہ جہانم
قلم کش را بدولت می رسانم

فصل ششم

خیر الناس من ینفع الناس

باب ۳۳
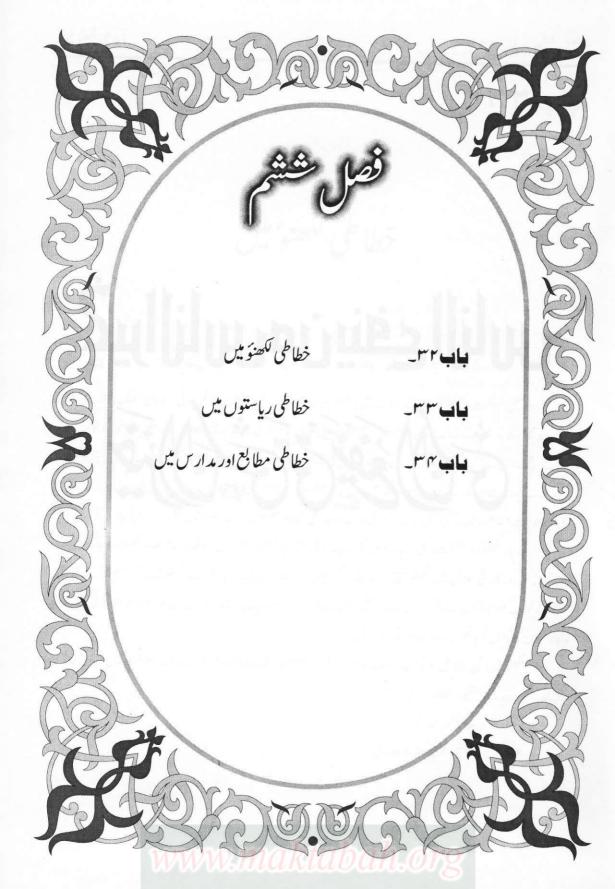
خطاطی لکھنؤ میں

مغل سلطنت کے انحطاط کے زمانے میں لکھنؤ اودھ میں ایک نئی سلطنت قائم ہوئی۔ برہان الملک نواب سعادت خاں نے محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں ۱۱۳۶ھ / ۱۷۲۴ء اپنی نوابی قائم کرلی۔ ابتداء میں اودھ کے حکمران خود کو نواب وزیر کہلواتے تھے۔ اس لئے کہ مغل دربار میں ان کا عہدہ وزیر کا تھا۔ سر جان شور گورنر ایسٹ انڈیا کمپنی کلکتہ نے مغل شہنشاہ کو مزید کمزور کرنے کے لئے اودھ کے نواب سعادت علی خاں کو ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء میں بادشاہ بنادیا۔ اگرچہ ان کی بادشاہت برائے نام تھی یہ حکومت ۱۸۵٦ء تک چلتی رہی، جب آخری نواب واجد علی شاہ کو معزول کر کے کلکتہ میں نظربند کر دیا گیا۔

دربار لکھنؤ درحقیقت دہلی دربار کا ہی تتمہ ہے۔ دہلی اجڑ رہا تھا اور لکھنؤ بس رہا تھا۔ تمام علماء، فضلاء، ادباء اور شعراء دہلی چھوڑ کر روزگار کی تلاش میں لکھنؤ پہنچ رہے تھے۔ گویا یوں کہہ سکتے ہیں کہ بزم دہلی نے لکھنؤ میں آکر سنبھالا لے لیا تھا۔ لکھنؤ کے نواب علوم وفنون کے قدردان تھے۔ مغل روایات کو برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ جو بھی فن کار اور ہنرمند دہلی سے لکھنؤ پہنچا، انہوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور قدردانی کی۔

لکھنؤ میں فن خطاطی کو نواب آصف الدولہ ۱۱۸۸-۱۲۱۲ھ / ۱۷۷۵-۱۷۹۷ء کے عہد حکومت میں فروغ حاصل ہوا ہے۔ اس دور کے مشہور خطاط دو ہیں۔

۱- حافظ نور اللہ اور

۲- قاضی نعمت اللہ لاہوری،

☆ حافظ نور اللہ

حافظ نور اللہ اپنے دور کا باکمال استاد تھا۔ آ قا عبد الرشید کا شاگرد عبد الرحیم فرمان نویس تھا۔ حافظ نور اللہ نے ان سے فن خطاطی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ بعض لوگوں نے غلطی سے ان کو آ قا عبد الرشید کا براہ راست شاگرد لکھ دیا ہے۔ حافظ نور اللہ جب لکھنؤ پہنچا تو نواب نے ان کی قدر افزائی کی اور ان کو دفتر انشاء و مراسلات کا افسر اعلیٰ مقرر کر دیا۔ غلام محمد ہفت قلمی نے اس زمانے میں لکھنؤ کا سفر اختیار کیا تھا وہ حافظ نور اللہ سے بھی ملا تھا۔ وہ ان کے اخلاق کریمانہ اور عجز و انکساری کی بے حد تعریف کرتا ہے۔ حافظ نے آ قا رشید کے بعض قطعات غلام محمد کو دکھائے تھے۔ خود حافظ اس زمانے میں نواب آصف الدولہ کے لئے مشہور مرثیہ ہفت بند کاشی لکھ رہا تھا۔ غلام محمد نے لکھا ہے ان کی روش آ قا رشید کے مشابہہ ہے۔ ان کے قلم کو وہ جادو نگار لکھتا ہے اور بڑی تعریف کرتا ہے۔

ایک بار نواب سعادت علی خاں نے ان سے فرمائش کی کہ میرے لئے گلستان شیخ سعدی لکھ دیجئے۔ اس دور کے بڑے بڑے خطاط قطعات اور وصلیاں تو لکھتے تھے اور اس میں مہارت فن کا اظہار کرتے تھے۔ مگر کوئی بڑی کتاب لکھنے کو کسر شان سمجھتے تھے۔ نواب نے خود فرمائش کی تھی اس لئے حافظ انکار تو نہ کر سکا مگر خوش بھی نہیں ہوا۔ بہر کیف اس نے عرض کیا کہ "مجھے ۸۰ گڈی (رم) کاغذ، سو قلم تراش چاقو اور خدا جانے کتنے ہزار قلموں کے نیزے منگوا دیجئے۔" سعادت خاں نے حیرت سے پوچھا، فقط ایک گلستان کے لئے اتنا سامان درکار ہے؟ کہا جی ہاں! میں اتنا ہی سامان خرچ کرتا ہوں۔ بہر کیف نواب نے انتظام کر دیا مگر سات باب ہی لکھنے پایا تھا کہ حافظ کا انتقال ہو گیا۔ آٹھواں باب ان کے بیٹے حافظ ابراہیم نے لکھ کر پورا کیا اور نواب کی خدمت میں پیش کیا۔

حافظ نور اللہ کی شہرت ان کی زندگی میں ہی پھیل چکی تھی۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی لکھی ہوئی معمولی وصلیاں ایک ایک اشرفی میں فروخت ہوتی تھیں اور ان کی تحریروں کو موتیوں کے بدلے مول لیتے تھے۔ (۱)

حافظ کے شاگردوں میں سب سے افضل تو ان کے بیٹے حافظ ابراہیم ہیں۔ پھر لالہ سرب سکھ دیوانہ، وجیہہ الدین اور محمد عباس مشہور ہیں۔ لکھنؤ کے اساتذہ ان کو بزرگ استاد تسلیم کرتے تھے۔ حافظ نور اللہ کے خط کے نمونے مسجد آصفی کے کنویں اور محراب مسجد کے اوپر لکھے ہوئے قطعات کی صورت میں اب بھی موجود ہیں۔

☆ قاضی نعمت اللہ لاہوری

نعمت اللہ بھی ساتھ ہی دربار آصف الدولہ میں پہنچا تھا۔ نواب نے اس کو شہزادوں کی تعلیم پر مامور کر دیا تھا۔ نعمت اللہ بھی ایک واسطہ سے آ قا عبد الرشید کا شاگرد تھا اور ماہر خطاط تھا۔ نعمت اللہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی مفردات کی ایک

۱- عبد الحلیم شرر،

تختی شیخ ممتاز حسین جونپوری کے پاس موجود تھی۔ قاضی نعمت اللہ کے دو شاگرد بہت مشہور ہیں۔ مولوی محمد اشرف اور مولوی قلی احمد۔

☆ حافظ ابراہیم

یہ نور اللہ خوش نویس کا صاحب زادہ ہے۔ تکمیل فن اپنے والد سے کی تھی۔ نستعلیق کا ماہر استاد تھا۔ اس کے کمال کا اندازہ اس وقت ہوا جب انہوں نے گلستان کا آٹھواں باب لکھ کر والد کے قلم سے ملا دیا، حتیٰ کہ نقادوں کو تمیز کرنا مشکل ہو گیا۔

فن پر اس کی قدرت کا اندازہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ اس نے اپنے حسن ذوق سے خط نستعلیق یا حروف کے دائروں میں ترمیم کی۔ اب تک صرف ایک ہی قسم کے دائرے یعنی گول آفتابی رائج تھے۔ انہوں نے پہلی مرتبہ بیضاوی دائروں کو رواج دیا، جس میں دائرے کا جھکاؤ قدرے بائیں جانب ہوتا ہے۔ ان کی اس ترمیم کو نقادانِ فن نے تحسین کی نظر سے دیکھا اور بیشتر خوشنویسوں نے اس ترمیم کو قبول کر لیا یہ فن نستعلیق کا باکمال استاد تھا۔

اس کے شاگردوں میں دو اشخاص بہت مشہور ہوئے ہیں، منشی ہادی علی خاں اور منشی منسارام کشمیری،

☆ میر محمد عطا حسین خاں تحسین، مرصع رقم

میر عطا حسین محمد باقر خان طغرا نویس کا فرزند تھا۔ اس کا اصل وطن اٹاوہ تھا۔ وہاں سے یہ لکھنؤ آ گیا تھا۔ یہاں آکر پہلے جنرل اسمتھ کے یہاں میر منشی ہو گیا تھا۔ پھر نواب آصف الدولہ بہادر (۱۷۷۵-۹۲ء) کے دربار سے وابستہ ہو گیا تھا۔ فن خطاطی کی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی تھی۔ اپنے زمانے کا معروف ترین خطاط و قلمکار تھا۔ یہ خط نسخ، نستعلیق اور شفیعا خوب لکھتا تھا۔ طغریٰ نویسی بھی اپنے والد سے سیکھی تھی۔ طغریٰ نویسی میں سارے ہندوستان میں اس کا جواب نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک وصلی دہلی میوزیم میں موجود ہے۔

میر عطا حسین خاں خطاط ہونے کے علاوہ شاعر اور ادیب بھی تھا۔ تصنیف و تالیف کا بھی ذوق تھا۔ قصہ چہار درویش فارسی کو اس نے اردو میں منتقل کیا تھا اور اس کا نام اپنے خطاب کی مناسبت سے ''نو طرز مرصع'' رکھا تھا۔ چونکہ اس کی زبان ذرا ثقیل ہے۔ اس لئے میر امّن دہلوی نے اس کو آسان اردو میں باغ و بہار کے نام سے دوبارہ لکھا، جو اردو ادب کی ایک اعلیٰ کتاب شمار ہوتی ہے۔ نو طرز مرصع نواب آصف الدولہ کی حکومت کے آغاز ۱۷۷٦ء میں لکھی گئی تھی۔ اس کے علاوہ ان کی غیر معروف کتابیں بھی ہیں۔ تواریخ قاسمی، انشائے تحسین اور ضوابط انگریز۔(۱)

۱- از طامس ولیم بیل، طبع سندھ ساگر اکیڈمی لاہور، ۱۹۷۵ء، An Oriental Biografical Dictionary.

☆ منشی عبدالحیٔ

یہ سندیلہ کے رہنے والے تھے۔ یہ اپنے زمانے کے بے نظیر خوش نویس سمجھے جاتے تھے۔ یہ نواب واجد علی شاہ کے دربار سے وابستہ تھے۔ جب ۱۸۵۶ء میں نواب کو معزول کر کے انگریزوں نے مٹیا برج کلکتہ میں نظربند کر دیا تھا۔ تب بھی یہ نواب کے ساتھ تھے۔ ان کے شاگردوں کا سلسلہ بھی وسیع ہے۔ منشی محمد عبداللطیف، منشی امیر اللہ تسلیم اور منشی علی میر عقیل احمد بلگرامی وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔

☆ منشی شمس الدین اعجاز رقم

یہ منشی ہادی علی لکھنوی کے مایہ ناز اور باکمال شاگرد تھے۔ اعجاز رقم ان کا لقب ہے۔ ۱۸۳۵ء میں پیدا ہوئے تھے۔ خط نستعلیق کے بے نظیر ماہر تھے۔ انہوں نے برطانوی حکومت کا دور پایا تھا۔ جب فن ناقدری کی نذر ہو گیا تھا۔ دبستان لکھنؤ کا ان کی ذات پر خاتمہ ہو گیا۔ فن کو مقبول عام بنانے کے لئے انہوں نے مقدور بھر کوشش کی۔ اس سلسلہ میں کئی کتابیں لکھیں۔

۱- کاپی بک..... پانچ حصے،
۲- تنویر شمس،
۳- مرقع نگاریں،
۴- گلدستہ ریاحین،
۵- اعجاز رقم،

یہ سب کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔ اعجاز رقم بہت مقبول ہے۔ ۸۰ سال کی عمر میں ۱۹۱۳ء میں اس کا انتقال ہوا ہے۔ لکھنؤ میں مدفون ہیں۔

☆ شیخ ممتاز حسین جونپوری

یہ جونپور میں ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوا تھا، مگر لکھنؤ میں رہتا تھا۔ فن نستعلیق کی تعلیم اس نے شیخ محمد حسین اور شیخ زائر حسین جونپوری سے حاصل کی تھی اور مزید تکمیل سید محمد باقر جونپوری سے کی تھی۔ خط نسخ کی تعلیم شیخ حشمت علی جونپوری سے حاصل کی تھی۔ اس نے زمانے کے تقاضوں کے مطابق علوم شرقیہ اور انگریزی تعلیم حاصل کی۔ فن نستعلیق کی تعلیم اپنے عہد کے کامل استاد سید باقر علی سے حاصل کی تھی، جو شیخ خورشید علی کے شاگرد تھے اور آقا رشید کی روش پر لکھتے تھے۔ بہر حال فن خطاطی میں یہ بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ اس طرح مختلف اساتذہ سے اکتساب فیض کیا تھا۔ خط نستعلیق اور نسخ کے علاوہ خط شکستہ اور شفیعا کا ماہر تھا۔ شوق اور مشق کی بدولت وہ اپنے وقت کا استاد شمار ہوتا تھا۔ اس نے فن کی خدمت کی اور ایک کتاب ''تعلیم

خط و املا''، لکھی اور طبع کرائی جس پر یوپی گورنمنٹ نے خوش ہو کر اس کو انعام دیا تھا۔

☆ قاضی حمید الدین فرفر رقم

قاضی حمید الدین مارہرہ ضلع ایٹہ کا رہنے والا تھا۔ خط نسخ خوب لکھتا تھا۔ جدید حالات کے تقاضوں کے پیش نظر انگریزی خط بھی خوب لکھتا تھا مگر ان کا سب سے بڑا کمال زود نویسی تھا۔ جس کی وجہ سے ان کا لقب فرفر رقم تھا۔ وہ خود بھی ایک شعر میں کہتا ہے۔

قسمت پہ اپنی ناز نہ کیوں کر ہو اے حمید
رف رف پلٹ کے دیکھ کہ فرفر رقم ہوں میں

☆ منشی غلام مرتضیٰ

منشی غلام مرتضیٰ لکھنؤ کا مشہور خطاط تھا۔ زود نویسی میں اس کا جواب نہیں تھا۔ ایک مرتبہ خان آرزو دہلی سے عظیم آباد پٹنہ جارہا تھا۔ لکھنؤ میں قیام کیا، ان کی مشہور کتاب سراج اللغات ان کے ساتھ تھی۔ یہ بیس جزو کی کتاب ہے۔ منشی غلام مرتضیٰ ایک رات کے وعدے سے پڑھنے کے لئے ان سے کتاب لایا اور رات بھر میں اس کی نقل تیار کرلی۔ یہ زدونویسی کا کمال تھا۔ یہ خط نستعلیق اور شکستہ دونوں خوب لکھتا تھا۔

دبستان دہلی کے مقابلے میں لکھنؤ کی خطاطی نے کوئی نہ امتیاز حاصل کیا نہ کوئی مقام پیدا کیا۔ بقول مولانا شرر جیسے صاحبان کمال دہلی میں پیدا ہوئے ان کا عشر عشیر بھی لکھنؤ پیدا نہ کرسکا۔ بہرحال یہ بات ضرور ہے کہ اس آخری زمانے میں لکھنؤ میں فن خطاطی کا چرچا خوب تھا اور مقبولیت خوب تھی۔ ورنہ آب و تاب اور حسن و زیبائش میں دہلی کے فنکاروں کی وصلیاں لکھنؤ کے خطاطوں کے مقابلے میں بدرجہا افضل ہیں۔

نستعلیق، بہ قلم امراؤ بیگم، لکھنؤ

✿✿✿✿✿✿✿✿

شهر رمضان الذي أنزل فيه القرآن هدى للناس وبينات من الهدى والفرقان
١٤١٧ هـ

باب ۳۴

خطاطی ریاستوں میں

خوشنویسی اور خطاطی کتابت سے اعلیٰ اور برتر فن ہے۔ یہ ہمیشہ حکمرانوں اور امراء کی سرپرستی میں پھلا پھولا۔ انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کر لینے کے بعد ۱۸۳۵ء میں عربی فارسی کی بساط الٹ دی۔ ان زبانوں کی تعلیم ممنوع قرار دے دی گئی۔ عربی فارسی خواندہ اشخاص پر لارڈ ہارنگ (۱۸۳۹ء) نے ملازمت کے دروازے بند کر دیئے۔ ان حالات میں جہاں عربی فارسی جاننے والے علماء، وکلاء بقول سر سید احمد خاں عدالتوں میں مکھی مارتے ہیں وہاں عربی خط کے ماہر خطاط بھی کسمپرسی کی حالت میں گرفتار ہو گئے۔ ہر جگہ کساد بازاری کا دور دورہ تھا۔

البتہ قدیم روایات کے حامل ہندوستانی ریاستوں کے حکمران اور نوابین بدستور فن خطاطی کی سرپرستی کرتے رہے۔ اس لئے دہلی اور لکھنؤ تو اجڑ گئے۔ فن کار اور خطاطوں نے ریاستوں میں جا کر پناہ لی۔ وہاں فن کی کسی قدر افزائی ہوئی۔

حیدر آباد

☆ مرزا محمد علی

یہ اپنے وقت کا مشہور خوشنویس اور کامل خطاط تھا۔ یہ ریاست کے دفتر صدر محاسبی Chief Acoounts Office میں ملازم تھا۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ نواب صاحب کی جوبلی کے موقع پر ۱۹۰۶ء میں اس نے خوشنویسوں کے نام پر ایک کتاب ''تذکرہ خوش نویساں'' لکھ کر پیش کی ہے۔ اس کتاب سے اس دور کے خطاطوں کے حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔

یہ قلمی ہے، ابھی تک طبع نہیں ہو سکی۔(۱)

☆ الحاج قاضی محمد یعقوب علی

ان کا خطاب مبارک رقم ہے۔ اس نے مولوی حشمت علی قادر رقم سے فن نستعلیق کی تعلیم حاصل کی۔ پھر کثرت مشق سے رتبہ کمال کو پہنچا۔ اس نے اپنے قلم کی وصلیاں اور قطعات مختلف نمائشوں میں پیش کئے اور انعامات حاصل کئے۔ اس دور میں جو عمارات حیدر آباد دکن میں تعمیر ہوئی ہیں، ان کے کتبے اس نے لکھے ہیں جو ان کے زور قلم اور نزاکت فن تحریر کے گواہ ہیں۔

یہ خود بھی بڑا اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا۔ نہایت خلیق اور ملنسار آدمی تھا۔ اس کی شہرت کی وجہ سے اس کے شاگرد بہت سے ہیں جن میں چند ایک بہت نامی ہوئے ہیں۔ مثلاً

۱- کرنل قاری بسم اللہ بیگ مصحف رقم،

۲- قاری خواجہ محمد احمد نادر رقم،

۳- سعید جہاں بیگم سعید رقم،

۴- امۃ العزیز ساجدہ بیگم،

رامپور

☆ احمد حسن بن سید علی حسینی

اصلاً یہ لکھنؤ کا باشندہ تھا۔ نواب کلب علی کے دور میں یہ لاہور آ گیا تھا۔ وہاں فن خوشنویسی کی تعلیم میر عوض علی(۲) اور مولوی الٰہی بخش سے حاصل کی۔ نستعلیق میں بہت زیادہ مشق کی اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نستعلیق میں اس کی تحریر میں میر عماد کا رنگ جھلکتا ہے۔

ایک مرتبہ گورنر جنرل ہند لارڈ منٹو (۱۸۹۷-۱۸۱۳ء) نے رام پور کا دورہ کیا۔ کتب خانے کی سیر کے موقعے پر میر احمد حسن کی تحریریں دیکھ کر اس نے کہا کہ یہ ہاتھ کی تحریریں نہیں ہیں۔ پاس ہی میر احمد حسن بھی کھڑا تھا۔ اس نے اس وقت کھڑے کھڑے ایک نہایت جلی تحریر لکھ کر گورنر جنرل کے سامنے پیش کر دی۔ وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

میر احمد حسن نہایت منکسر المزاج آدمی تھا۔ اس کے رامپور میں بہت سے شاگرد تھے۔

۱- فہرست کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد (دکن)، ص ۸۳۲،

۲- میر عوض علی خود بھی آخر عمر میں رامپور میں آ گئے تھے۔

رام پور میں جب بخشی عبدالرحیم خاں شعبہ کتب خانہ کا منصرم مقرر ہوا تو اس شعبے نے بہت ترقی کی۔ کئی ماہر فن کار، خوش نویس، جلد ساز، نقاش، وصلی ساز، طلاکار، ملازم تھے۔

☆ کشمیری خطاط

خط نسخ اور خط نستعلیق دونوں میں یہاں کشمیری خطاط بہت مشہور تھے۔ نواب صاحب نے آغا غلام رسول کشمیری اور آغا محمد حسن کشمیری کو بلوا کر یہاں رامپوری کتب خانے میں ملازم رکھا۔ یہ دونوں خط ثلث اور خط نسخ لکھنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔(۱) ان کی وجہ سے یہاں خطاطی کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے آغا محمد باقر کشمیری نے اپنے اجداد کی روایات کو باقی رکھا۔

بھوپال

☆ مولانا ذوالفقار احمد

یہ سارنگ پور (سی پی) کا رہنے والے تھے۔ بھوپال کے ممتاز عالم دین تھے۔ نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) کے مصاحبین میں سے تھے۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ سلطان جہاں بیگم نے انہیں صدر العلماء کا خطاب دیا تھا۔ علم و فضل کے ساتھ ساتھ یہ خطاط بھی تھے۔ ان کی ایک وصلی نیشنل میوزیم کراچی میں موجود ہے۔(۲)

جو گلستان سعدی کا پہلا جملہ ہے۔ سن تحریر ۲۹/ ربیع الاول ۱۲۷۹ھ درج ہے۔

☆ میر قاسم علی

یہ بھوپال کا باشندہ تھا۔ نواب شاہجہاں بیگم والیۂ بھوپال کا استاد تھا۔ اس نے بیگم صاحبہ کا نام طغریٰ میں لکھا ہے۔ یہ وصلی کراچی کے نیشنل میوزیم میں موجود ہے۔(۳)

☆ محمد نبی خاں ابن محمد سردار خاں

یہ عربی فارسی کا معروف عالم تھا۔ رام پور کا رہنے والا تھا۔ شاعری کا بھی شوق تھا۔ داغ کا شاگرد تھا۔ فن خطاطی میں مولوی سلام اللہ خاں اور میر عوض علی سے تعلیم حاصل کی تھی۔ خفی اور جلی دونوں خط خوب لکھتا تھا۔ پیرانہ سالی میں بھی زور

۱۔ الزبیر، کتب خانمبر، ص ۸۹، مسعود حسین شہاب اردو اکیڈمی، بہاولپور، ۲۔ الزبیر، ص ۴۴۰، ۳۔ ایضاً،

بازو اور قوت خط میں کمی نہیں آئی تھی۔ یہ بھوپال کی عدالت میں وکالت کرتا تھا۔ ۱۹۲۹ء تک زندہ تھا۔(۱)

ٹونک

☆ سید اصغر علی جواہر رقم

یہ شاعر بھی تھا۔ اس کا تخلص آبرو تھا۔ ۱۸۵۲ء میں ٹونک میں پیدا ہوا۔ اصلی وطن رام پور تھا۔ سید نادر علی قندھاری نادر رقم سے رامپور میں فن خطاطی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ خاندانی پیشہ طبابت تھا۔ ۱۸۸۷ء میں جب ریاست کے اندر انتظامات کے لئے ریاستی کونسل کا محکمہ قائم ہوا تو یہ اس محکمہ کا خریطہ نویس مقرر ہوا تھا۔ شاعری میں دستگاہ تھی۔ اس لئے معتمد اعلیٰ کا خطاب ملا تھا۔ پنجہ کشی کا بھی شوق تھا۔ اس لئے پنجہ شکن مشہور تھا۔ مصنف بھی تھا۔ رسالہ ہفت زبان اور گوہر آبرو وغیرہ اس کی تصانیف ہیں۔(۱)

جے پور

☆ سارست برہمن

یہ جے پور کا مشہور خوش نویس گزرا ہے۔ فن کی تعلیم محمد امیر رضوی پنجہ کش سے حاصل کی تھی۔ پہلے انگریز ریذیڈنسی جے پور میں ملازمت کی۔ پھر وہاں سے ترک ملازمت کر کے ریاست جے پور کا ملازم ہو گیا۔ یہاں اس سے بہت سے لوگوں نے فن کی تعلیم حاصل کی۔ مثلاً احسان علی، منشی پنالال وغیرہ۔ اس کا انتقال ۱۸۶۷ء میں ہو گیا۔

☆ احترام الدین شاغل

یہ موجودہ دور کی مشہور اہل علم شخصیت ہے۔ اصل میں تو اس کا خاندان نارنول میں آباد تھا۔ وہاں سے ان کے تایا مولانا سلیم الدین تسلیم جے پور آ گئے تھے۔ وہاں کے مشہور مدرس اور مفتی ہوئے ہیں۔ احترام الدین جے پور میں ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوا۔ ساری تعلیم گھر پر اپنے تایا کے پاس پائی۔ ۱۹۱۷ء میں پولیس میں ملازمت کی۔ ۱۹۴۸ء میں کوتوال کے عہدہ سے سبکدوش ہوا۔ پھر کچھ عرصہ مدرسی کی۔ احترام الدین کا مذاق عالمانہ اور شاعرانہ تھا۔ بہت سی تصانیف ہیں۔ قانون اور حقوق میں ان میں دو کتابیں بہت مشہور ہیں، تذکرہ شعراء جے پور (۱۹۵۸ء) اور صحیفہ خوش نویساں ۱۹۶۳ء۔(۲)

۱- صحیفہ خوش نویسان، احترام الدین شاغل، ۲- ایضاً، ۳- صحیفہ خوش نویساں، تذکرہ شعراء جے پور، ص ۲۷۵، انجمن ترقی اردو علی گڑھ ۱۹۵۸ء،

صحیفہ خوش نویساں بڑی جامع کتاب ہے۔ اس میں جہاں کاتبوں کے حالات بڑی جستجو سے جمع کیے ہیں۔ وہاں فن کی باریکیوں پر بہت اچھا تبصرہ ہے۔ اس ضمن میں اردو زبان میں اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے۔

الور

☆ منشی رحیم اللہ

یہ دہلی کا رہنے والا تھا۔ فن کی تعلیم آغا مرزا ارمنی دہلوی سے حاصل کی تھی۔ مگر ساری عمر الور میں گزار دی اور وہیں کی خاک میں دفن ہو گیا۔ آقا عبدالرشید کی نقل بڑی مہارت سے کرتا تھا۔ اکثر لوگ دھوکہ کھا جاتے تھے۔ اس کی وصلیاں آقا عبدالرشید کے نام سے چل جاتی تھیں۔ ان میں بھی وہی صفائی اور وہی آب و تاب ہے۔ یہ زود نویس بھی تھا۔ اس نے ایک دن رات میں مکمل گلستان لکھ دی تھی۔ اس کی وصلیوں کا بہت بڑا ذخیرہ اس کے شاگرد صوفی ابرار علی ابن صوفی گلزار علی جمالی کے پاس محفوظ تھا۔ مصنف صحیفہ خوش نویساں نے یہ وصلیاں الور میں دیکھی تھیں۔ ۱۹۴۷ء میں صوفی کا پورا خاندان شہید ہو گیا، گھر لٹ گیا۔ وہاں یہ ذخیرہ بھی غارت ہو گیا۔ اس کی ایک وصلی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اور ایک نیشنل میوزیم کراچی میں موجود ہے۔

پٹیالہ

☆ مرزا عباد اللہ بیگ زمرد رقم

یہ سید محمد امیر رضوی پنجہ کش کا مشہور شاگرد رشید تھا۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد جب دہلی میں افلاس اور ناداری کا دور تھا تو یہ سکھ ریاست پٹیالہ چلا گیا تھا۔ وہاں اس کی بڑی توقیر ہوئی۔ یہ عزت کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ اس کی ایک وصلی دہلی میوزیم میں موجود ہے۔

وصلی: میر عماد (عہد شاہجہانی)

باب ۳۵
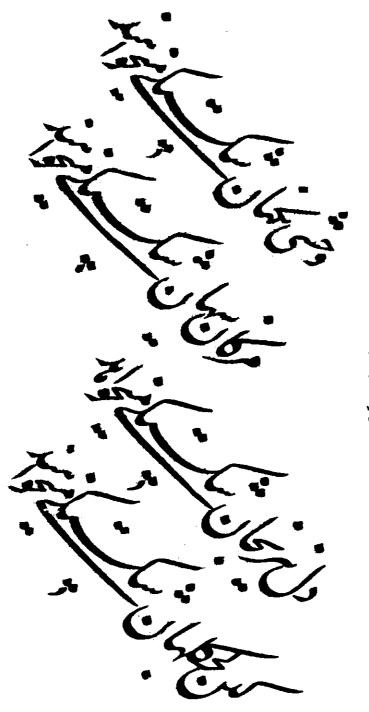
خطاطی مطابع اور مدارس میں

جیسا کہ پیشتر ذکر کیا جا چکا ہے کہ برطانوی حکومت کے زمانے میں ہندوستان میں فن خطاطی حکومت کی سرپرستی سے محروم ہو گیا مگر اسلامی خط کا تعلق مسلمانوں کے دین سے، ان کی ثقافت سے اور ان کی زبان سے ہے۔ وہ اس خط کو کسی حال میں بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ خط نسخ میں قرآن مجید کی کتابت ہوتی ہے۔ جس کا پڑھنا ہر مسلمان کے لئے لازمی ہے۔ جس کا موجود ہونا ہر گھر میں ضروری ہے۔ فارسی کی جگہ اردو نے مسلمانوں کی قومی زبان کی حیثیت اختیار کر لی۔ اردو خط نستعلیق میں لکھی جاتی ہے۔ اردو طباعت کے لئے نستعلیق کے کاتبوں کی بہر حال ضرورت ہے۔ اردو کے لئے جو مطابع قائم ہوئے وہاں نستعلیق لکھنے والوں کی طلب بڑھ گئی۔ قطعہ نویسی اور وصلی نویسی کی فنی قدر دانی نہ سہی عام کاتبوں کی طلب بہر کیف پیدا ہو گئی۔ اس لئے فن خطاطی بہر حال زندہ رہا۔

☆ مطابع

مطابع اور چھاپے خانوں کا رواج ہندوستان میں انگریزوں نے ڈالا ہے۔ آغاز میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے سرکاری طباعت کے لئے انگریزی زبان کے چھاپے خانے قائم کئے۔ بمبئی (۱۶۷۴ء)، مدراس (۱۷۷۲ء)، کلکتہ (۱۷۷۹ء) ۱۷۷۸ء میں چارلس ولکنز نے عربی، فارسی، اردو، ناگری اور بنگلہ زبانوں کے حروف ڈھالے۔ یہ حروف سیسہ (سرب) سے ڈھالے گئے تھے۔ ۱۷۸۰ء میں ولندیزیوں نے شیورام پور میں ایک ذاتی مطبع قائم کیا۔ اس کے بعد سے اردو فارسی کی کتابیں طبع ہونے لگیں مگر یہ پادریوں کی کوششیں تھیں۔ عام اہل ہند نے کوئی دلچسپی نہیں لی۔

۱۸۲۱ء میں سیموئیل گرین Samuel Green نے کان پور میں ایک مطبع قائم کیا مگر اس سے قبل شیخ احمد یمنی اور

مولوی واحد الدین بلگرامی نے ۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء میں نواب غازی الدین حیدر کے زمانے میں لکھنؤ میں مرتضوی مطبع قائم کیا۔ یہ مطبع بھی سربی تھا۔ اس مطبع سے پہلی کتاب لغت میں ہفت اقلیم شائع ہوئی تھی۔ مگر کسی بات پر نواب ناراض ہوگیا، مطبع بند ہوگیا، پھر ۱۸۲۵ء میں واحد الدین کے پوتے ظہیر بلگرامی نے مطبع سلطانی قائم کیا۔ آغاز میں تو یہ بھی سربی تھا مگر بعد میں یہ سنگی (لیتھو) میں تبدیل ہوگیا تھا۔ ۱۸۳۰ء میں آرچر انگریز نے ایک اور سنگی مطبع قائم کیا۔ اس کے بعد سے شمالی ہندوستان میں طباعت مقبول ہوگئی۔ مطبع مرتضوی اور سلطانی دونوں بحکم بادشاہ قائم ہوئے تھے۔ مگر سب سے زیادہ شہرت جس مطبع نے حاصل کی وہ مطبع نور لکشور لکھنؤ ہے۔ اس کی کتابت طباعت اور صحت کا معیار بلند تھا۔ اعلیٰ درجے کے کاتب اور علماء تصحیح کے لئے ملازم رکھے جاتے تھے۔ بہترین اردلی کاغذ پر کتابیں لیتھو سے طبع ہوتی تھیں۔ یہ سارے ہندوستان میں بلکہ بیرون ہند بھی مقبول تھیں۔

پہلے ایک خاص قسم کے کاغذ پر کتابت کرتے ہیں پھر پتھر پر چھاپتے ہیں۔ تحریر الٹی ہو جاتی ہے۔ پھر اس پتھر سے سینکڑوں کاغذ چھاپتے ہیں۔ تحریر سیدھی آتی ہے۔ یہاں ضرورت اس امر کی متقاضی ہوئی کہ پتھر پر الٹی تحریروں کی اصلاح کی جائے اور جو غلطیاں رہ جاتی ہیں ان کی اصلاح کر دی جائے۔ اس کے لئے الٹا لکھنے کی ضرورت پیش آئی اور بہت جلد لکھنؤ میں ایسے ماہر خطاط "مصلح سنگی" پیدا ہوگئے جو پتھر پر الٹی تحریر نہایت خوبصورت اصول و قواعد کے مطابق لکھ دیتے تھے۔ جس کی رونق اور دلآویزی میں فرق نہیں آتا تھا۔ کہتے ہیں مطبع مصطفائی لکھنؤ قائم شدہ قبل غدر کے ایک کاتب نے یہ طریقہ ایجاد کیا تھا۔ منشی جعفر حسین ایسا باکمال خطاط تھا کہ اس نے کاپی سے بے نیاز ہو کر پتھر پر الٹی تحریر لکھنا شروع کر دی، اس فن میں منشی سید علی حسین نے سب سے زیادہ ترقی کی، ان کی الٹی تحریریں اچھے کاتب نہیں لکھ سکتے تھے۔ مشہور اخبار دل گداز (مولوی شرر مرحوم) کے لئے منشی تقی حسین پتھر پر الٹی تحریر لکھتے تھے۔ اس فن کی اختراع لکھنؤ میں ہوئی۔ وہاں کے فن کاروں نے اس کو ترقی دی۔ دوسرے شہروں میں لکھنؤ سے مصلح سنگی درآمد کئے جاتے تھے۔

ذیل میں اس دور کے بعض اہم مطابع اور ان کے کاتبوں سے ہم واقفیت حاصل کرتے ہیں۔

☆ نساخ

قرآن مجید کے کاتبوں کو نساخ کہتے ہیں۔ قرآن مجید کی کتابت کے ہندوستان میں مندرجہ ذیل مراکز تھے۔

بمبئی — کاتب سید محمد علی رضوی، میرزا محمد علی، الحاج محمد مکی،

لکھنؤ — کاتب منشی اشرف علی، حامد علی مرصع رقم،

دہلی — کاتب منشی ممتاز علی نزہت رقم، سید امیر الدین، محمد الدین،

دیوبند	کاتب مولوی اشتیاق احمد،
میرٹھ	کاتب مومن حسین صفی،
لودھیانہ	کاتب منشی محمد قاسم،
لاہور	کاتب عبداللہ وارثی، مولانا عبدالرشید، محبوب رقم، سید محمد اشرف علی،

☆ نستعلیق

مطبع سلطانی لکھنؤ	کاتب منشی امیر اللہ تسلیم نارنوی، منشی عبدالحیٔ لکھنوی،
مطبع نول کشور لکھنؤ	کاتب منشی آل حسن، کالکا پرشاد، منشی اشرف علی انصاری، منشی درگا پرشاد،
مطبع مصطفائی لکھنؤ	کاتب منشی امیر اللہ تسلیم،
اخبار اکمل الاخبار، دہلی	کاتب منشی بہاری لال مشتاق،
اخبار اردوئے معلی، دہلی	کاتب منشی بہاری لال مشتاق،
مطبع صفدری، میسور	کاتب محمد عبداللہ شریف،
مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ	کاتب مولوی نذرالدین قریشی،
مسلم ایجوکیشن پریس، علی گڑھ	کاتب مولوی نذیرالدین قریشی،
انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ	کاتب سید ابو طاہر زیدی، سید لئیق حسن،
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں طلباء کی تعلیم کے لئے	کاتب علی محمد سپہر رقم،
ہمدرد دواخانہ	کاتب منشی منظور الدین،

ان میں ہر درجے کے کاتب ہوتے تھے۔ بعض کاتب ایسے اعلیٰ درجے کے ہوتے تھے کہ مالک مطابع ان کی ناز برداری کرتے تھے اور ان کی تنک مزاجی کو برداشت کرتے تھے۔ افسوس ان ماہر خوشنویسوں اور کاتبوں کے حالات زندگی مہیا نہیں ہیں۔

☆ تعلیم فن

انگریزی دور میں اسکولوں میں اردو زبان کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اردو کے نصاب ساز فن خوشنویسی کی اہمیت سے پوری طرح واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے خوشنویسی کو اردو نصاب کا جزو بنا دیا تھا۔ اس کے لئے باقاعدہ تعلیمی گھنٹہ مقرر کیا جاتا تھا۔ اس کے لئے ضروری ہوا کہ خوشنویسی کی تعلیم دینے کے لئے کتابیں موجود ہوں جو بچوں کو اور مبتدیوں کو آغاز سے خوشنویسی سکھائیں۔ اس طرح انگریزی دور میں فن نستعلیق پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ فن کی تعلیم بڑے پیمانے پر ہوئی۔ فن کی باریکیاں عام لوگوں کے علم میں آگئیں۔ عوام میں کسی قدر ذوق کی آبیاری ہوئی۔

۱۔ نظم پروین اور

۲۔ ارژنگ چین،

سب سے پہلے اس ضرورت کو منشی دیبی پرشاد کائستھ نے محسوس کیا۔ وہ یوپی کے اسکولوں میں ڈپٹی انسپکٹر تھا۔ دیبی پرشاد ۱۸۴۰ء میں بدایوں میں پیدا ہوا تھا۔ فن کی تعلیم اس نے ماہر اساتذہ سے حاصل کی تھی۔ طلبہ کی مشکلات کا صحیح اندازہ کر کے اس نے پیش قدمی کی اور فن نستعلیق میں نظم پروین لکھی اور خط نسخ میں ارژنگ چین لکھی۔ معیار الادباء بھی اس کی کتاب ہے۔ مدت تک یہ دونوں کتابیں اسکولوں میں رائج رہی ہیں۔ ان کے بہت سے ایڈیشن نکلے ہیں۔ دیبی پرشاد کا شاعری میں سحر تخلص تھا وہ صاحب دیوان تھا۔

۳۔ مشق نستعلیق

اس کو منشی عبدالغنی معروف بہ نتھو نے لکھا تھا اور منشی گلاب سنگھ کتب فروش نے لاہور سے شائع کیا تھا۔ اس کے بھی بہت سے ایڈیشن نکلے۔ چودھواں ایڈیشن ۱۸۹۳ء میں نکلا تھا۔

۴۔ اعجاز رقم

اس کو منشی شمس الدین اعجاز رقم لکھنوی متوفی ۱۹۱۵ء نے لکھا ہے۔ فن نستعلیق میں یہ رسالہ بے مثال ہے، بارہا طبع ہوا ہے۔

۵۔ گلدستہ ریاض المعروف بہ سر مشق نگاریں

اس کا کاتب محمد باقر جادو رقم ہے۔ جو منشی اعجاز رقم کا شاگرد ہے۔ اس کو طبع صفدری بمبئی سے شیخ نور الدین بن جیوا خاں نے شائع کیا ہے۔

۶۔ گلدستہ نگاریں

یہ ایوب حسین اکبر آبادی متوفی کی مشق ہے۔ یہ منشی مجید حسین جلال (۱۹۱۶ء) کا شاگرد تھا۔ اس کو آگرہ سے شیخ ریاض الدین تاجر کتب نے شائع کیا تھا۔

۷۔ گلدستہ ریاض معروف سر مشق بمبئی

اس کو سید ناظم حسین رضوی نے لکھا تھا۔ قاضی عبدالکریم ابن قاضی نور محمد مالک مطبع کریمی نے ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء میں اس کو طبع کرایا تھا۔

۸۔ پنجہ نگاریں۔ دو حصے

اس کو محمد اسمٰعیل برادر خورد محمد ابراہیم تاجر کتب نے لکھا، محمد ابراہیم نے شائع کیا۔ آخر عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ منشی محمد شمس الدین اعجاز رقم سے بھی استفادہ کیا ہے۔

☆ مفاتیح الحروف

یہ کتاب اردو نظم میں شاہ محمد حسین بن حسن بن سعید العلوی نقشبندی کی ہے۔ یہ کتاب حیدر آباد دکن میں مطبع مفید دکن سے شائع ہوئی ہے۔ مصنف کا وطن "ہزارہ ملک پنجاب" ہے۔ اس سے قبل وہ خط نسخ میں میزان الحروف اور خط ثلث میں لوح تعلیم نامی کتابیں بھی لکھ چکا ہے۔ مفاتیح الحروف کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصے میں حروف کی ساخت کا بیان ہے۔ دوسرے حصے میں کاغذ اور روشنائی کا بیان ہے اور تیسرے حصے میں خوشنویسوں کا بیان ہے۔ مصنف نے اپنے والد سے فن کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کا انتقال ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۴ء میں ہوا۔ کتاب کا ناشر میر اشرف علی ہے۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

لقد خلقنا الانسان في احسن تقويم

فصل ہفتم

وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين ولا يزيد الظالمين إلا خسارا ﴿٨٢﴾

باب ۳۶

خطاطی سندھ میں

بلا شبہ پاکستان ایک نیا نام ہے جو ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا ہے۔ مگر جو علاقے پاکستان میں شامل ہیں وہ قدیم زمانے سے علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے بڑے مرکز رہ چکے ہیں۔ان کا ماضی اتنا ہی تابناک ہے جتنا کہ ہندوستان کے کسی اور خطے کا ہے۔ماضی میں فن خطاطی اور خوشنویسی کو بھی یہاں خوب خوب فروغ حاصل رہا ہے۔

بلا استثناء مسلمان سلطنتوں نے ہمیشہ علوم و فنون کی قدردانی کی ہے اور خطاطی کے فن کی آبیاری کی ہے۔ خطاطوں کو خاطر خواہ نوازا ہے۔ مگر پاکستان میں جن لوگوں نے حکومت سنبھالی وہ مغربی تہذیب کے پروردہ تھے۔ اسلامی اقدار اور روایات سے بیگانہ تھے۔ اس لئے یہاں نہ علوم کو فروغ ہوا نہ خطاطی کی قدر کی گئی۔ البتہ نئی ریاست میں اشاعت کتب کی رفتار بڑھ گئی۔ اس لئے فن کتابت کی قدر ہونے لگی۔ کاتبوں کی اہمیت محسوس کی جانے لگی۔

ذیل میں ہم پاکستان کے مختلف صوبوں میں فن خوشنویسی کی سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

سندھ میں خطاطی

سندھ محل وقوع کے اعتبار سے ایران سے قریب ہے۔ اس لئے ایران کے تہذیبی اثرات جلد ہی سندھ میں پہنچ جاتے تھے۔ ہرات کے حکمراں مرزا حسین بایقرا کی جانب سے ذوالنون بیگ قندھار کا حاکم تھا۔ اس کے بیٹے شاہ بیگ نے ۹۲۶ھ / ۱۵۱۹ میں بلوچستان اور سندھ پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا شاہ حسن بادشاہ بنا۔ وہ ۹۶۲ھ / ۱۵۵۵ء تک حکومت کرتا رہا۔ بعد میں مزید تیس سال تک ارغون سندھ کے حکمران رہے۔ جس کے بعد یہ صوبہ اکبر اعظم کی سلطنت کا جزو بن

گیا۔ اس طرح سندھ کا ہرات سے براہ راست تعلق قائم ہوگیا۔ ہرات کی علمی اور فنی سرگرمیاں سندھ میں بھی فروغ پانے لگیں۔ جب شاہ اسمٰعیل صفوی ایران میں شمشیر کی نوک پر شیعہ مذہب کی اشاعت کر رہا تھا تو وہاں کے بہت سے خاندان ہجرت کر کے سندھ میں آباد ہوگئے۔ جن میں علماء اور فضلاء بھی تھے۔

☆ حافظ عبدالرشید صدیقی

یہ خوشنویس جام نظام الدین (۱۴۶۱-۱۵۰۸ء) اور جام فیروز (۱۵۰۸-۱۵۱۹ء) کے دور میں گزرا ہے۔ یہ محض خطاط ہی نہیں تھا بلکہ معاشرے میں ایک معزز مرتبے کا حامل تھا۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب شاہ بیگ ارغون نے ٹھٹھہ فتح کیا اور فاتح فوج شہر ٹھٹھہ کو لوٹنے پر تیار تھی تو حافظ عبدالرشید نے شاہ بیگ ارغون سے سفارش کی اور شہریوں کو محفوظ کرالیا۔ اس کا لڑکا عبدالرحیم صدیقی بھی ماہر خطاط تھا۔ خط ثلث اور خط نسخ خوب لکھتا تھا۔ ٹھٹھہ میں مکلی کے قبرستان میں اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کتبات موجود ہیں۔

☆ قطب الدین محمود

یہ بھی جام نظام الدین ننڈو کے عہد کا مشہور خطاط تھا۔ جام کے وزیر دریاخان کے مقبرے پر کتبہ اسی نے لکھا ہے۔ اس کی تاریخ جمادی الاولیٰ ۸۹۵ھ ہے۔ یہ کتبہ خط ثلث میں ہے۔ سمہ دور میں سندھ کے اندر خط ثلث اور خط نسخ ہی معروف تھے۔

☆ شہزادہ بدیع الزمان

سلطان حسین بایقرا کے انتقال (۹۱۱ھ) کے بعد خراسان و ہرات میں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوگیا۔ سلطان حسین کا لڑکا مرزا بدیع الزمان، شیبانی خان ازبک سے ۹۱۳ھ میں شکست کھا کر قندھار ہوتا ہوا سندھ پہنچ گیا۔ اس لئے کہ اس کی شادی ۹۰۳ھ میں امیر سندھ ذوالنون ارغون کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ ۹۱۷ھ میں جب شاہ اسمٰعیل صفوی نے شیبانی خان کو شکست دے دی تو یہ واپس ہرات چلا گیا، مگر وہاں بھی زیادہ عرصے نہیں ٹھہرا اور باقی عمر قسطنطنیہ میں گزار دی۔ ۹۲۳ھ میں اس کا انتقال ہوگیا۔

یہ بڑا علم دوست اور خطاطی کا قدر دان تھا۔ جب سندھ میں آیا تھا بہت سے علماء اور ہنر مندوں کو اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ لوگ پھر یہیں رہ پڑے۔ انہوں نے دبستانِ ہرات کے اثرات کو سندھ میں منتقل کیا۔ انہوں نے خط نستعلیق کو سندھ میں مقبول بنایا۔

☆ شیخ بایزید پورانی

ہرات سے آنے والے فضلاء میں سے سب سے زیادہ اہل علم اور بلند مرتبہ شخصیت شیخ بایزید پورانی کی تھی۔ یہ بڑا عالم فاضل تھا۔ ایک مدت تک ارغون اور ترخان دور میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز رہا ہے۔ یہ زہد و تقویٰ سے متصف تھا۔ سندھ کے علماء میں ممتاز مقام کا مالک تھا۔

یہ بہت بڑا خطاط تھا۔ اس نے اظہر تبریزی سے فن نستعلیق کی تعلیم حاصل کی تھی۔ جامع مسجد بخارا کے کتبات اس نے ہی لکھے ہیں۔ ایک مدت تک ہرات میں قیام کرنے کے بعد ۹۰۰ھ میں یہ سندھ ٹھٹھہ میں آگیا تھا۔ میر معصوم بھکری نے جو خود بھی بڑا خطاط اور کتابہ نویس تھا اس کا ذکر بڑی عزت و احترام سے کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "میرک پورانی خط نستعلیق بہت خوب لکھتا ہے۔" ۹٦۳ھ میں ٹھٹھہ میں اس کا انتقال ہوا ہے۔

☆ حسن بن رکن الدین

ارغون اور ترخان کے عہد حکومت میں (۱۵۱۵-۱۵۹۰ء) میں سندھ میں فنون لطیفہ کی اس قدر ترقی ہوئی کہ پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ فن تعمیر، فن کتابت، خطاطی وغیرہ کے بے مثال کارنامے مکلی کے قبرستان ٹھٹھہ میں آج بھی یادگار ہیں۔ اس دور کا ایک مشہور کتابہ نویس اور خطاط حسن بن رکن الدین ہے۔ اس نے عیسیٰ ترخاں کے مقبرہ پر قران مجید کی آیات لکھی ہیں۔ عیسیٰ ترخاں نے یہ مقبرہ اپنی زندگی میں ہی بنوالیا تھا۔ اس کی وفات ۱۵٦۵ء میں ہوئی ہے۔ اس کتبہ پر کاتب کا نام موجود ہے۔ شاہجہانی مسجد ٹھٹھہ پر بھی اس کا ایک کتبہ موجود ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس نے طویل عمر پا کر وفات پائی تھی۔

☆ طاہر بن حسن نسیانی

یہ تاریخ طاہری کا مصنف ہے۔ جو ترخان دور کی مشہور تاریخ ہے۔ علی شیر قانع کے قول کے مطابق یہ ہفت قلم تھا۔ مسجد شاہجہانی ٹھٹھہ پر اس کا کتبہ موجود ہے۔ اس کا بھائی بمبو بن حسن بھی بڑا خطاط تھا۔ اس کا کتبہ بھی مسجد شاہجہانی میں موجود ہے۔

☆ میر محمد معصوم بھکری

اکبری دور میں سندھ کی مشہور و معروف شخصیت میر محمد معصوم بھکری رضوی کی ہے۔ یہ عجیب صاحب کمال ہستی تھا۔ بیک وقت خطاط، کتاب نویس، شاعر، مؤرخ، طبیب، ادیب اور سیاسی ڈپلومیٹ تھا۔ ہندوستان اور پاکستان میں کسی خطاط کو اپنی یادگار چھوڑنے کا اس قدر شوق نہیں تھا، جس قدر کہ میر معصوم بھکری کو تھا۔ تبریز اصفہان سے لے کر جے پور، آگرہ اور

الہ آباد، ناگور، غرضیکہ سارے ہندوستان میں بڑے بڑے شہروں میں جہاں وہ رہا ہے، اس کے کتبات موجود ہیں۔ اس کے سارے کتبات جمع کئے جائیں تو ایک جلد تیار ہو سکتی ہے۔ سکھر کا موجودہ منارہ اسی کا تعمیر کردہ ہے۔ جس پر نسخ اور نستعلیق کے کتبات موجود ہیں۔ تاریخ پر اس کی کتاب تاریخ معصومی ہے۔ یہ اکبر بادشاہ کے منصب داروں میں ملازم تھا۔ فتح سندھ ۹۹۹ھ کے موقع پر یہ عبدالرحیم خان خاناں کے ہمراہ سندھ میں موجود تھا۔ عہد جہانگیری میں بھی سکھر میں تھا اور امین الملک کا عہدہ تھا۔ بڑی عزت اور آسودگی کی زندگی گزار کر ۱۰۱۹ھ میں اس کا انتقال ہوا ہے۔

☆ سید عبداللہ الحسینی ملتانی (نازک رقم)

اس کا حال معلوم نہیں۔ سلطان ٹیپو کے کتب خانے میں ایک گلستان تھی فی الوقت وہ برٹش میوزیم میں ہے۔ اس کا کاتب سید عبداللہ حسینی ملتانی ہے۔ اس نے اس کتاب کی کتابت ٹھٹھہ میں ۹۹۴ھ میں کی ہے۔ یعنی یہ قبل مغل دور کی بات ہے۔

☆ شیخ عبدالواسع

شاہجہانی دور کا مشہور خوش نویس ہے۔ یہ خط نستعلیق کا ماہر تھا۔ منشی اور ادیب شخص تھا۔ شاہجہاں بادشاہ کے فرامین اور نشانات یہ لکھتا تھا۔ ٹھٹھہ میں رہتا تھا۔ اس کے سات لڑکے تھے اور ساتوں خوشنویس تھے۔ عبدالسمیع، عبدالشکور، عبدالغفور، عبدالحق، عبدالرؤف، محمد معین اور محمد شریف۔

☆ سید علی بن عبدالقدوس

یہ بھی عہد شاہجہانی کا خطاط تھا۔ عہد عالمگیری تک زندہ رہا ہے۔ یہ ہفت قلم تھا۔ ثلث، ظغری اور نستعلیق کا ماہر تھا۔ مسجد شاہجہانی ٹھٹھہ میں اس کا ایک کتبہ موجود ہے، جس پر ۱۱۱۴ھ / ۱۷۰۲ء تاریخ درج ہے۔ اس نے بہت سے شاگرد پیدا کئے۔ جن میں مخدوم الیاس، میاں حبیب اللہ، خواجہ میر شریف اور سید میر محمد وغیرہ مشہور ہیں۔

☆ احمد یار خاں یکتا

اس کے والد اللہ یار خاں لاہور، ملتان اور ٹھٹھہ کے حاکم رہ چکے تھے۔ احمد یار عہد عالمگیری میں ٹھٹھہ کا حاکم مقرر ہوا تھا۔ یہ خاص طور پر نسخ کا بہت ماہر تھا۔ غلام علی آزاد بلگرامی نے ماثر الکرام میں لکھا ہے کہ اس نے قرآن مجید لکھ کر سید عبدالجلیل بلگرامی کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ یہ شاعر بھی تھا، یکتا اس کا تخلص تھا۔

مغل حکومت کے کمزور پڑ جانے کے بعد سندھ میں کلہوڑا خاندان (۱۷۰۰-۱۷۸۳ء) برسر اقتدار آ گیا۔ اس دور

میں بھی مغل دور کی علمی سرگرمیاں بدستور جاری رہیں۔

☆ محمد وارث

اس دور کا مشہور خطاط اور مصور محمد وارث ہے۔ اس کے زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں۔ اس نے سیف الملوک اور بدیع الجمال کا ایک مصور نسخہ تیار کیا تھا۔ اس میں ۶۵ تصاویر ہیں۔ کتابت اعلیٰ درجے کی خط نستعلیق میں ہے۔ اس پر ۴ شعبان ۱۱۹۰ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۷۷۵ء درج ہے۔ یہ نسخہ ٹھٹھہ میں تیار ہوا ہے۔ اور غالباً کسی کلہوڑا امیر کے لئے تیار کیا گیا ہے۔(۱) یہ نسخہ لندن میں ہے۔

☆ عبداللہ قندھاری

۱۷۸۳ء میں کلہوڑوں کے بعد ٹالپر خاندان سندھ کا حکمران بن گیا۔ ان کے زمانے میں حیدر آباد سندھ مرکز حکومت تھا۔ وہاں کچھ علماء اور ہنر مند جمع ہوگئے تھے۔ ان میں مشہور خطاط عبداللہ قندھاری تھا۔ یہ خط نستعلیق کا بڑا ماہر تھا۔ میر کرم علی خاں والی سندھ کے دیوان فارسی کی اس نے کتابت کی ہے۔ خط نستعلیق ہے۔ خوبصورت ہے، کاغذ مطلا ہے، سن کتابت ۱۲۴۵ء ہے۔ یہ خوبصورت مجلد نسخہ پروفیسر لطف اللہ بدری کے کتب خانے شکارپور میں موجود ہے۔

1- The Calligraphies of thatta by M.A. Ghafoor. P. 33. Karachi. University 1978

باب ۳۷
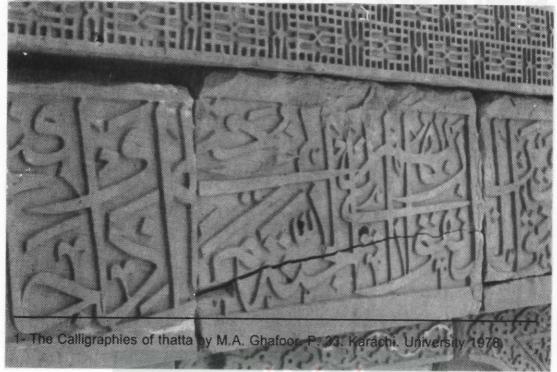
خطاطی سرحد اور کشمیر میں

افغانستان نام کی سلطنت احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء میں قائم کی ہے۔ اس وسیع سلطنت کا ایک حصہ وہ علاقہ تھا جو آج پاکستان کا سرحدی صوبہ کہلاتا ہے۔ ابدالی حکومت کے زمانے میں اس علاقے میں علوم وفنون کے ساتھ ساتھ فنون و ہنر کی بھی ترقی ہوئی۔ فن خطاطی کو بھی یہاں فروغ حاصل ہوا۔ اس لئے خطاطی کی روایات یہاں مستحکم ہیں۔ چند ایک خطاطوں کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

پشاور میں کتابت کا مستقل ادارہ

☆ گل محمد پشاوری(۱)

یہ خطاط خطِ نسخ اور خط نستعلیق میں مہارت رکھتا تھا۔ اس دور کے مشہور علم پرور امیر فیض طلب خاں ہشت نگری

۱۔ ہنر خط اور افغانستان، عزیز الدین وکیل فوفلزئی، ص ۷، طبع کابل، صاجزادہ میاں محمدی پشاوری خطاط تھے۔ شیخ تھے، ۱۱۰۹-۱۶۹۷/ ۱۲۲۰-۱۸۰۵ء، آپ نے کتابت کا ایک مستقل ادارہ قائم کیا تھا۔ جس میں خوش نویس اور نقاش کثیر تعداد میں جمع تھے۔ یہاں علماء وفضلاء کی کتابوں کی کتابت ہوتی تھی۔ شب وروز یہ کام ہوتا رہتا تھا۔ بعض بڑے اور زود نویس کاتب تھے۔ دیوان نجیب کے دو نسخے موجود ہیں جو گل محمد پشاوری نے لکھے ہیں۔ ایک پر تاریخ کتابت ۱۷ ربیع الاول ۱۱۷۸ھ / ۱۷۶۴ء درج ہے اور دوسری پر مسخ ماہ صفر یعنی دونوں نسخوں کے درمیان تین ہفتوں سے بھی کم مدت کا فصل ہے۔ تزئین و خوشنمائی کا بھی وہاں عمدہ کام ہوتا تھا۔ نقش و نگار بنائے جاتے تھے۔ دیوان سکندر خان اور دیوان مصری خان کے نسخے موجود ہیں۔ جو پشتو اکیڈمی، پشاور یونیورسٹی میں موجود ہیں۔ ان سے آرائش وزیبائش کا اندازہ ہوتا ہے۔

پشاوری نے اس سے درخواست کی کہ یہ رحمان بابا کا دیوان خوشخط لکھ دے۔ اس نے بہترین کشمیری کاغذ پر بڑے خوبصورت انداز میں یہ دیوان لکھا۔ اس کے حاشیہ پر نقش و نگار بنائے۔ بعض جگہ تصویریں بھی بنائی ہیں۔ یہ نسخہ خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ ۱۱۷۶ھ میں یہ نسخہ تکمیل کو پہنچا ہے۔ آج کل یہ نایاب نسخہ کابل کے سرکاری کتب خانے میں محفوظ ہے۔ عہد احمد شاہی دور کا یہ ماہر خطاط تھا۔(۱)

☆ زین الدین پشاوری

یہ خطاط گل محمد پشاوری کا ہم عصر ہے۔ فن کتابت میں ہندوستان کے استادوں کا شاگرد ہے۔ امیر فیض طلب خاں نے اس سے درخواست کی کہ یہ دیوان یونس لکھ دے۔ اس نے خط نستعلیق میں دیوان یونس لکھا ہے۔ سن کتابت ۱۱۷۶ھ ہے۔ یہ شخص خط نسخ اور خط نستعلیق دونوں کا ماہر تھا۔ دیوان یونس کا نسخہ بھی کابل کے سرکاری کتب خانے میں محفوظ ہے۔

☆ مولانا غوث محمد پشاوری

یہ مولانا محمد فائق کا فرزند تھا۔ خود بھی عالم فاضل تھا۔ فن خطاطی کی بھی تحصیل کی تھی۔ یہ پیر حضرت حافظ کا مرید تھا۔ پیر کے فرمانے پر اس نے قرآن مجید کی کتابت کی ہے۔ جو ۱۱۸۸ھ میں تکمیل پذیر ہوا ہے۔ پھر اس پر دیدہ زیب حاشیہ بنایا ہے۔ جو ۱۱۸۹ھ میں مکمل ہوا ہے۔ غوث محمد کا انتقال پشاور میں ہوا ہے۔ اس کا مزار آج بھی وہاں موجود ہے۔

☆ ایم۔ایم شریف آرٹسٹ

جدید دور میں جس شخص نے پشاور میں فن خطاطی کو اجاگر کیا اور فروغ دیا وہ ایم۔ایم شریف ہے۔ ایک نئی طرز کا موجد ہے اس لئے اس کو پشاوری اسکول کا بانی کہتے ہیں۔
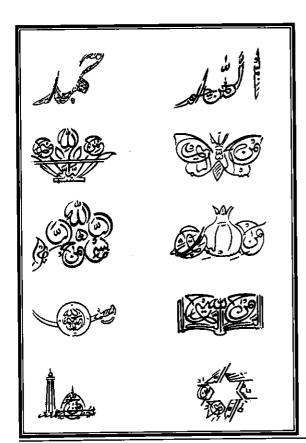
۱۔ ہنر خط در افغانستان، عزیز الدین وکیلی فوفلزئی، ص ۷، طبع کابل،
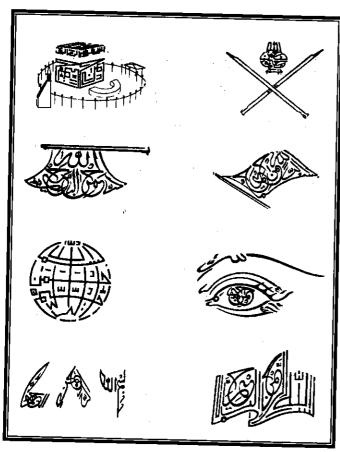
یہ گوجرانوالہ کے خطاط مولوی احمد علی منہاس کا بھتیجا ہے۔ یہ پشاور میں آباد ہو گیا تھا۔ اس نے خطاطی میں نئی نئی جدتیں اختیار کی ہیں۔ الفاظ کو نئی نئی شکلیں دی ہیں۔ اس نے فن کے نمونے اپنی کتاب "ید بیضا" میں جمع کر دیے ہیں۔ جو ۱۹۶۰ء میں پشاور سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بیسیوں طریقے سے لکھا ہے اور قادر القلم ہونے کا ثبوت مہیا کیا ہے۔ جیم کی اور میم کی تختیاں بھی نرالے انداز میں لکھی ہیں۔ خط ابری اس نے اختراع کیا ہے۔ خوش نویس یونین پشاور کا صدر ہے۔ حق بات یہ ہے کہ پشاور میں فن خطاطی اور خوشنویسی کو فروغ دینے میں اس کی کوششوں کو دخل ہے۔ اس کے صاحبزادے آفتاب احمد کو بھی خطاطی کا شوق ہے۔ اگرچہ وہ محکمہ پولیس میں ملازم ہے۔ مگر یہ بنیادی طور پر عکاس ہے اور مصورانہ خطاطی کی طرف اس کا رجحان زیادہ ہے اور سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ یہ گل کار Ceramist ہے۔ دو کتابیں اس نے لکھی ہیں ایک اردو میں دوسری انگریزی میں۔
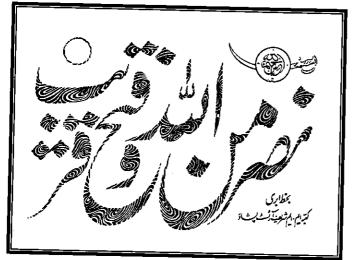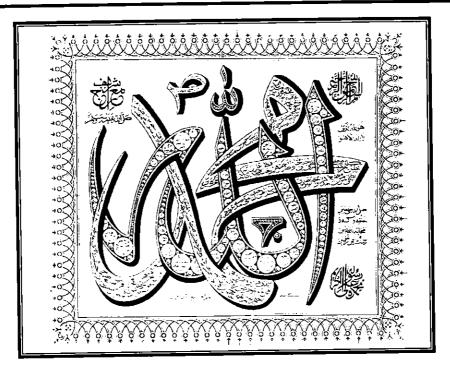
خطاطی کشمیر میں

جغرافیائی اعتبار سے کشمیر کا خطہ وسطِ ایشیا سے تعلق رکھتا ہے۔ قدیم زمانے سے یہاں فارسی زبان اور اسلامی خط کو غلبہ حاصل رہا ہے۔ سلطان زین العابدین متوفی ۸۷۲ھ نے وسط ایشیا (ماوراء النہر) سے ماہر خطاطوں کو کشمیر میں بلایا تھا۔ انہوں نے خط کی بھی ترویج کی اور کاغذ سازی کے فن کو کشمیر میں رائج کیا۔ ورنہ یہاں اس سے قبل تحریر کے لئے بھوج پتر استعمال ہوتا تھا۔ ان فن کاروں نے کشمیر میں کاغذ سازی کو ایسا فروغ دیا کہ سارے براعظم میں کشمیری کاغذ اپنی خوبی اور نفاست کے باعث سب سے اعلیٰ شمار ہوتا تھا۔

مرزا حیدر دوغلت بابر بادشاہ کا عزیز تھا۔ اس نے کشمیر، کاشغر اور بدخشاں پر اپنی حکومت قائم کرلی تھی۔ اس کے زمانے میں وسط ایشیاء کے بے شمار کاریگر آکر کشمیر میں آباد ہوگئے۔ جس کے بعد سے کشمیر میں شال سازی، لکڑی پر منبت کاری، حکاکی، کاغذ سازی، مصوری، موسیقی، خطاطی وغیرہ فنون کو بے حد فروغ حاصل ہوا۔ خط نستعلیق کا رواج کشمیر میں مغلوں کی آمد کے بعد ہوا ہے۔ اکبر بادشاہ نے ۹۹۴ھ میں کشمیر فتح کرلیا تھا۔ مغل سلاطین اور امراء بار بار کشمیر جاتے تھے۔ انہوں نے باغات، نہریں اور محلات وہاں تعمیر کرائے۔ مغل عہد کے کتبات خط نستعلیق میں وہاں بہت ملتے ہیں۔

ہندوستان میں بہت سے خطاط کشمیر کے تھے جن کا تذکرہ مغل دور کے فن کاروں کے ذیل میں کیا جا چکا ہے۔ بعد کے ادوار کے چند خطاطوں کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

☆ عبدالکریم قادری

آغاز میں یہ عماد الملک غازی الدین دہلی کے دربار سے وابستہ تھا۔ عماد الملک مرتبہ وزارت پر فائز ہونے کے ساتھ بہت بڑا خطاط تھا، بلکہ ہفت قلم تھا۔ ۱۱۶۶ھ کے بعد احمد شاہ ابدالی کے دور میں عبدالکریم دہلی سے ہجرت کر کے کابل افغانستان میں آ گیا تھا اور یہاں ابدالی کے دربار سے منسلک ہو گیا تھا۔ اس کا خط منشیانہ تھا۔ اس کا تعلق کشمیر سے تھا۔

☆ عبدالقادر

غالبًا یہ عبدالکریم کا بھتیجا تھا۔ یہ بھی چچا کے ساتھ دہلی سے کابل میں آ گیا تھا۔ کابل میں اس نے فقہ کی ایک کتاب دُرّۃالزمان لکھی ہے۔ جو ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ زود نویسی اور حاشیہ بندی کا یہ استاد تھا۔

☆ ابوالبرکات

یہ نواب عبدالاحد کا چچا تھا۔ کشمیر کے عمائدین میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ خود بھی عربی فارسی کا زبردست عالم تھا اور ساتھ ہی انشاء پرداز اور خطاط تھا۔ درایت خان کے طرز پر خط شکستہ خوب لکھتا تھا، بلکہ اس کو استادی کا مرتبہ حاصل تھا۔ مشہور خطاط اور منشی راجہ بہادر گوسائیں اس کا ہی شاگرد تھا۔ خط شکستہ کا ماہر کشمیر میں ان دو استاد اور شاگردوں سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا۔

☆ حافظ عبدالوہاب

یہ نسخ اور نستعلیق کا ماہر تھا۔ اس کی یادگار ایک قرآن مجید ہے جو قندھار میں احمد شاہ ابدالی کے مزار پر رکھا ہوا ہے۔ اس پر ۱۱۷۹ھ سن کتابت درج ہے۔

☆ محمد منور کشمیری

یہ نہایت جدت پسند اور شوقین خطاط تھا۔ اس نے رنگین اور قیمتی پتھروں کو باریک پیس کر روشنائی تیار کی تھی اور پھر اس سے ایک حمائل شریف لکھی تھی۔ اس کا ہر صفحہ آب زر سے مطلا ہے۔ اس کا سن کتابت ۱۲۲۴ھ ہے۔ یہ حمائل سید رمضان شاہ گردیزی ملتانی کے پاس موجود ہے۔(۱)

۱- ماہ نو کراچی، ۷ر مارچ ۱۹۶۷ء،

☆ آغا غلام رسول

یہ نواب کلب علی خاں رامپور کے یہاں ملازم تھا۔ نصف سال لاہور میں اور نصف سال کشمیر میں گزارتا تھا۔ یہ نساخ تھا۔ قرآن مجید کا بلند پایہ کاتب تھا۔ اس کا انتقال ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں ہوا ہے۔ اس کے بیٹے آغا محمد علی اور پوتے آغا مرزا محمد حسین بھی اچھے کاتب تھے۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

باب ۳۸

خطاطی پنجاب اور بہاولپور میں

پنجاب مغل سلطنت کا ایک اہم صوبہ تھا۔ پنجاب کا دارالحکومت لاہور مغل سلطنت میں دارالخلافہ کے بعد دوسرے نمبر کا شہر تھا۔ اس کو ترقی دینے میں اور اس کی آرائش اور زیبائش میں مغل حکمرانوں نے بیش از بیش حصہ لیا۔ یہ بڑا علمی اور فنی شہر ہے۔ دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ فن خطاطی کو بھی یہاں خوب فروغ حاصل ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے آج تک بعض اضلاع میں اور بعض خاندانوں میں صحافت، وراقت اور خطاطی متوارث چلی آرہی ہے۔

☆ محمد حسین لاہوری

یہ عہد عالمگیری کا مشہور نساخ ہے۔ اس نے ۳۰ اوراق پر مشتمل ایک قرآن مجید لکھا ہے۔ جس کی ہر سطر واؤ سے شروع ہوتی ہے۔ یہ آج کتب خانہ مسجد نبوی مدینہ منورہ میں موجود ہے۔(۱)

☆ محمد روح اللہ لاہوری

یہ محمد حسین کا بیٹا تھا اور ماہر نساخ تھا۔ اس نے ایک چھوٹی حمائل لکھی ہے جو ۳۰۵ اوراق پر مشتمل ہے۔ یہ اس نے صرف ۵۰ دن میں لکھی ہے۔ یہ مطلا ہے اور مختلف رنگوں سے دیدہ زیب ہے۔ اس نے اس کو جزیرہ سقوطرا میں لکھا ہے۔ غالباً حج کے لئے یہاں آیا ہوگا۔ یہ حمائل دارلکتب مصریہ قاہرہ میں موجود ہے۔ وہاں روح اللہ کا ایک قرآن مجید اور ہے جو تیس اوراق پر لکھا ہوا ہے۔ اس میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ ہر سطر الف سے شروع ہو۔ پہلی سطر کے علاوہ، یہ بڑا عجیب و غریب

۱۔ تاریخ الخط العربی و آدابہ، محمد طاہر کردی، ص ۱۷۶، مکتبہ ہلال مصر، ۱۹۳۹ء،

مصحف ہے۔(۱)

☆ محمد افضل قادری لاہوری

یہ محمد شاہ بادشاہ (۱۷۱۹-۱۷۴۸ء) کے عہد کا خوش نویس تھا۔ فن خطاطی میں اس درجہ کمال پر پہنچا ہوا تھا کہ اس نے اپنا خط آقا عبدالرشید دیلمی کے خط سے ملادیا تھا۔ لوگوں کو تمیز کرنا مشکل تھا۔ اس وجہ سے لوگ ان کو آقائے ثانی کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ پنجاب میں اس کی بہت شہرت تھی۔ ان کے بہت سے شاگرد تھے۔ دہلی میوزیم میں اس کی لکھی ہوئی ایک وصلی موجود ہے۔

☆ محمد بخش کاتب

محمد بخش کاتب بھی تھا اور مصور بھی۔ یہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار سے وابستہ تھا۔ (۱۷۹۹-۱۸۳۹ء)، مہاراجہ کی فرمائش پر اس نے شیخ سعدی کی کریما کا ایک نسخہ لکھا تھا۔ یہ مطلا اور مذہب تھا۔ مہاراجہ نے خوش ہو کر اس پر انعام دیا تھا۔

☆ مولانا غلام محمد لاہوری

اس کا نام مولانا غلام محمد بن مولانا صدیق تھا۔ یہ مسجد وزیر خاں کا پیش امام تھا۔ لاہوریوں کی عرفیت کے مطابق یہ "امام گاموں" کہلاتا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے میں موجود تھا۔ زاہد اور متقی آدمی تھا۔ کتابت قرآن مجید پر ہی گزر اوقات تھی۔ اتنی مختصر سی آمدنی کے بھی تین حصے کرتا تھا۔ ایک حصہ اہل و عیال کے لئے، دوسرا حصہ اہل علم اور طلبا کے لئے، تیسرا حصہ درویشوں اور فقراء کے لئے۔ ۲۵/ ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ /۱۸۲۹ء کو اس نے وفات پائی۔ مسجد وزیر خان کے باہر اس کا مزار ہے۔(۲)

☆ پیر بخش کاتب

یہ خوش نویس مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے میں گزرا ہے۔ غنی دل تھا، مہاراجہ رنجیت نے نوکری کرنے کو کہا مگر اس نے نہ کی۔ طلباء کو فی سبیل اللہ تعلیم دیتا تھا۔ اصل میں توزر کوبی اوراق سازی اس کا پیشہ تھا۔ پھر خطاطی کا شوق ہو گیا۔ اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وصلیاں پنجاب میں ملتی ہیں۔ نسخ و نستعلیق کا مشہور استاد فضل الدین صحاف اس کا شاگرد ہے۔(۳)

۱۔ تاریخ الخط العربی و آدابہ، محمد طاہر کردی، ص ۱۷۶،   ۲۔ نقوش لاہور نمبر،   ۳۔ تاریخ لاہور، کنھیالال ہندی، ص ۷۳، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۷۷ء،

☆ مولانا فضل الدین صحاف

مولانا فضل الدین بن میاں محمد بخش صحاف کا شمار لاہور کے ممتاز خوش نویسوں میں ہوتا ہے۔ یہ خط نسخ و نستعلیق دونوں کا ماہر تھا۔ پنجاب میں صحاف کاتب قرآن مجید یعنی نساخ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی لکھی ہوئی حمائل لندن سے طبع ہوئی تھی۔ اس کا صاحبزادہ محمد بخش بھی صحاف تھا۔ یہ علامہ علاؤ الدین صدیقی وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کا دادا تھا۔ چوہٹہ مفتی باقر میں رہتا تھا۔ مطبع صحافی کے نام سے اس نے اپنا پریس لگایا تھا۔ قطعات پر مشتمل ایک مجموعہ نمونہ خطاطی کے طور پر شائع کیا تھا۔ ۱۹۰۰ء کے قریب اس کا انتقال ہوا۔

☆ امام ویردی

اس دور کا مایہ ناز خطاط امام ویردی تھا۔ جو اصل میں تو ایرانی تھا مگر پیدائش اس کی کابل میں ہوئی تھی۔ وہ نواب شیخ امام الدین خاں گورنر کشمیر کے یہاں مقیم تھا۔ نوابان قزلباش سے بھی اس کے گہرے تعلقات تھے۔ اس کا انتقال لاہور میں ۱۸۸۳ء میں ہوا ہے۔

اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی بہت ساری مشقیں اس کے شاگرد سید احمد کے پاس موجود تھیں۔ اس دور کے ناظر تعلیمات کرنل ہال رائڈ نے ان کو دیکھ لیا اور پسند کیا۔ پھر ان کو جمع کر کے انگلستان سے چھپوادیا۔ اس مجموعے کو قدر دانوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ سینکڑوں مبتدیوں نے اس کو دیکھ کر مشق کی اور فن میں مہارت حاصل کی۔

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجهک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقه
بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر ۱۳۵۱
(عبدالمجید پروین رقم)

نواب قزلباش کی حویلی واقع سوتر منڈی کی دیواروں پر مختلف رنگوں سے ان نے کتبات لکھے ہیں۔ جلی قلم سے بڑے سائز پر لکھے ہوئے مرشئے نثار حویلی نواب صاحب لاہور میں موجود ہیں۔ اس کی وصلیاں دہلی میوزیم، لاہور میوزیم، علی گڑھ لائبریری میں موجود ہیں۔ اس کی مکتوبہ گلستان سعدی کراچی میوزیم میں موجود ہے۔

واقعی خط نستعلیق کا وہ امام تھا۔ جلی خط میں ان کی روش ممتاز ہے اور دل نشیں ہے۔ لاہور میں انہوں

نے نئی روش کو فروغ دیا۔ آج بھی لاہور کے خطاط ویردی روش کی پیروی میں لکھتے ہیں۔(۱)

☆ منشی اسد اللہ

منشی اسد اللہ دراصل ضلع اناؤ یوپی کا باشندہ تھا۔ ۱۸۹۰ء میں وہ لاہور مین آگیا تھا اور پھر یہیں کا ہو رہا۔ عبدالرحمٰن چغتائی نے جب دیوان غالب کا مصور ایڈیشن تیار کیا تو اس کی کتابت منشی اسد اللہ نے کی تھی۔ وہ کہتا تھا کہ ان کا سلسلہ تلمذ بلا انقطاع آقا عبدالرشید اور میر عماد حسنی تک پہنچتا ہے۔ ۹۰ سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کے لڑکے سمیع اللہ بھی خوب کاتب ہیں۔ پنجاب رلیجس بک نے ان سے انجیل اردو لکھوائی تھی جو بہت اچھی لکھی ہوئی ہے۔

مقصود کاخ و حجرہ و ایوان کاشتن
کاشانہ ای سر بفلک بر فراشتن
امام ویردی ۱۸۴۷ء

محرم بجرم سیلی مع الید علیست
در پیشہ قدرت اسد اللہ علیست
آن دست کہ از پردہ اسرار نمود
انگشت نما شد کہ ید اللہ علیست

☆ نتھو کاتب (منشی عبدالغنی)

پنجاب میں مطبع منشی گلاب سنگھ بہت مشہور ہوا ہے۔ ڈائریکٹر محکمہ تعلیمات کرنل ہالرائڈ کے ایماء پر یہ مطبع قائم ہوا تھا تاکہ اسکولوں کی درسی کتابیں طبع کرے۔ ان کتابوں کو شگفتہ نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ یہ سارا کام نتھو کاتب نے انجام دیا ہے۔ اس نے فن کی بہت خدمت کی ہے۔ حاجی دین محمد اور خلیفہ نور احمد اس کے مشہور شاگرد ہیں۔ عظیم جلی حروف میں نستعلیق لکھنا حاجی دین محمد کا کارنامہ ہے۔ اس نے غالباً ۱۹۱۰ء میں انارکلی بازار میں ایک دیوار پر "کرنال شاپ" کا اشتہار بادشاہی مسجد کے صحن میں بیٹھ کر نستعلیق طرز میں مکمل کیا تھا۔ حرف پ ۳۵ فٹ لمبا تھا۔ پھر اسی نسبت سے اس کی موٹائی بھی تھی۔ یہ اس کا عظیم کارنامہ تھا۔(۲)

۱۔ مرقع خط، ع ۱۱، ۲-پاک و ہند میں اسلامی خطاطی، از ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، ص ۹۵،

☆ مولوی محمد قاسم لودھیانوی، سلطان القلم

یہ مولوی الہ دین واعظ کا بیٹا تھا۔ محلہ اقبال گنج لدھیانہ میں پیدا ہوا تھا۔ خط نسخ کی تعلیم سید امیر الدین دہلوی اور مولوی محمد ممتاز علی نزہت رقم دہلوی مہاجر مکی سے حاصل کی تھی۔ خط نستعلیق کی تعلیم مولوی سید احمد ایمن آبادی اور منشی شمس الدین اعجاز رقم سے حاصل کی تھی۔ یہ اپنے استاد نزہت رقم کی روش پر لکھتا تھا۔ یہ برصغیر کا مسلم الثبوت نساخ اور کاتب قرآن تھا۔

۱۹۰۷ء میں اس نے ہفت رنگ قرآن پاک مطبع قاسمی سے طبع کرایا تھا۔ جس کا انتساب اس نے امیر حبیب اللہ والی افغانستان کے نام سے کیا تھا۔ یہ قرآن مجید فن خطاطی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ آخری زمانے میں وہ انجمن حمایت اسلام کی دعوت پر لاہور میں آگیا تھا اور انجمن کے لئے قرآن مجید لکھنا شروع کر دیا تھا۔ مگر ابھی چھٹے پارے تک ہی پہنچا تھا کہ پیغام اجل آگیا۔ ۱۳ر محرم ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء بروز جمعہ ستر سال کی عمر میں اس نے انتقال کیا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کے خلف اکبر منشی محمد شفیع نے اس قرآن مجید کی تکمیل کی۔ دوسرا لڑکا محمد شریف بھی اس فن شریف سے شغف رکھتا تھا۔

☆ محمد صدیق الماس رقم

محمد صدیق کی پیدائش موضع جام ضلع سیالکوٹ میں ۱۹۰۷ء میں ہوئی تھی۔ اس نے فن خطاطی کی تعلیم حکیم محمد عالم گھڑیالوی سے حاصل کی۔ وہ ۲۰ سال کی عمر میں ہی ماہر خوش نویس بن گیا تھا۔ ۱۹۳۴ء میں اس نے علامہ اقبال کی کتاب "زبور عجم" کی کتابت کی ہے۔ اس سے ان کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ جامع ملیہ دہلی سے بھی یہ وابستہ رہا ہے۔ مولانا ظفر علی خاں نے اس کو خطاط العصر کا خطاب دیا تھا۔ مولانا ظفر علی خاں کا مجموعہ کلام، تذکرہ علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی، اور شاہنامہ اسلام از حفیظ جالندھری وغیرہ، سب اس زبردست کاتب کے قلم کے ثمرات ہیں۔ ۱۹۴۶ء میں یہ خوش نویس یونین کا صدر منتخب ہوا تھا۔ ۳۰ر مارچ ۱۹۷۲ء کو لاہور میں اس کا انتقال ہو گیا۔

☆ ضلع گوجرانوالہ

پنجاب میں ضلع گوجرانوالہ خوشنویسوں کی کان ہے۔ اس ضلع کے ایک ایک قصبے اور گاؤں سے بڑے بڑے ماہر خطاط پیدا ہوئے ہیں۔

ایمن آباد	سید احمد ایمن آبادی اور عبد المجید پروین رقم،
وارث کوٹ	عبد الرزاق، عنایت اللہ اور مولانا فضل الٰہی وغیرہ،
جنڈیالہ	محمد یوسف دہلوی، بانی کراچی اسکول وغیرہ،

عادل گڑھ عبدالرشید اور مولوی محمد حسین،

گوجرانوالہ مولوی احمد علی منہاس، جن کے نمونے لاہور کے میوزیم، فقیر خانہ اور ایم ایم شریف بانی پشاور اسکول کے پاس ہیں۔

☆ مولوی امام الدین کیلیانوالہ

یہ ضلع گوجرانوالہ کے ایک گاؤں کیلیانوالہ کا رہنے والا ہے۔ یہ صاحب علم و فضل اور متقی آدمی تھا۔ یہ مولوی عبداللہ وارثی کا گہرا دوست ہے۔ قرآن پاک کا بہترین کاتب ہے۔ اس نے خداوند تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ بارالہٰی مجھے صرف قرآن مجید اور کتب احادیث کتابت کے لئے ملیں۔ وہ دعا اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں بلکہ ان کے خاندان کے حق میں قبول کرلی۔ وہ ساری عمر قرآن مجید اور حدیث شریف کی کتابت کرتے رہے۔

اس دور میں لاہور میں بیشتر کاتب کیلیانوالہ کے ہیں۔ مولانا مودودی کی تفہیم القرآن کی کتابت محمد یوسف کیلانی نے کی ہے۔ ان کے ترجمہ قرآن کی کتابت بھی محمد یوسف نے کی ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر تدبیر قرآن کی کتابت عبدالغفور کیلیانوی نے کی ہے۔ یہ آج کے دور کا سب سے بڑا نساخ اور صحاف خاندان ہے۔ لاہور میں کیلیانوالہ کے کاتب خط نسخ کی کتابت کے لئے مخصوص ہیں۔

☆ پیر عبدالحمید

اس کا آبائی وطن موضع کامے والا ضلع گوجرانوالہ ہے۔ یہ ۱۸۹۹ء میں وہاں پیدا ہوا اور مشہور خطاط عبداللہ وارثی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ بعد ازاں عبدالرشید عادل گڑھی سے بھی اکتساب فیض کیا۔ پیر عبدالحمید قرآن مجید کی کتابت کے لئے مشہور تھا۔ کم و بیش تیس قرآن مجید اس نے لکھے۔ لاہور میں تاج کمپنی کا شہرہ آفاق طباعتی ادارہ ہے۔ پیر صاحب نے تاج کمپنی کے لئے قرآن مجید لکھے اور طباعت کے لئے مشورے بھی دیئے۔

☆ عبدالمجید پروین رقم

خلیفہ عبدالمجید ۱۹۰۱ء میں لاہور میں پیدا ہوا اور ۴ر اپریل ۱۹۴۶ء کو اس کا انتقال ہوگیا۔ آغاز میں اس نے امام ویردی اور سید احمد ایمن آبادی سے استفادہ کیا۔ پھر مشہور خطاط لکھنؤ حافظ نور اللہ کی وصلیوں کو پیش نظر رکھ کر مشق کی۔ پھر اس نے خط نستعلیق میں چند پسندیدہ ترمیمات کیں اور اس کو مزید حسین بنادیا۔ اس طرح انہوں نے نستعلیق میں ایک نئی روش اختراع کی۔ اس کو ''روش پروینی'' کہتے ہیں۔ بعد کے خطاطوں نے ان کی روش کی تقلید کی ہے۔ شاعر مشرق علامہ

اقبال (۱) کی کتابوں کی عموماً کتابت پروین رقم نے کی ہے۔ بہر کیف فن نستعلیق کے یہ استاد ہیں۔

عبدالمجید پروین راقم

☆ محمد اقبال
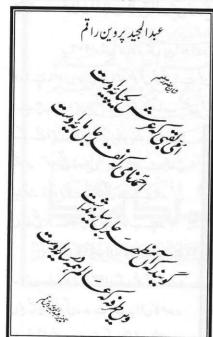
یہ عبدالمجید پروین رقم کا صاحبزادے ہیں۔ خطاطی کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ خط نستعلیق میں خصوصی مہارت ہے۔ مرزا علامہ اقبال، مینار پاکستان پر کتبات انہوں نے لکھے ہیں۔ لاہور کے عجائب گھر میں خط معکوس میں بسم اللہ ان کے فن کا شاہکار ہے۔ ۱۹۷۶ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ (۲)

محمد اقبال ابن پروین راقم

۱۔ پیدائش: ۹ر نومبر ۱۸۷۷ء، وفات: ۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء، مزار: شاہی مسجد لاہور کے باہر سنگ مرمر اور سنگ لاجورد استعمال ہوا ہے۔ حافظ یوسف سدیدی نے مزار پر قرآنی آیات کندہ کیں۔ خط ثلث:

ولقد کتبنا فی الذبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون ۔ (الانبیاء۲۱:۱۰۵)

کلمة طیبة کشجرة طیبة اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء ۔(ابراہیم ۱۴:۲۴)

یثبت اللّٰہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیاة الدنیا وفی الاخرة ۔ (ابراہیم ۱۴:۲۷)

کلمة اللّٰہ ھی العلیا ۔ (توبہ ۹،۴۰)

۲۔ خط نستعلیق: از قلم اقبال پروین فرزند عبدالمجید پروین رقم،

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

☆ خطاط الملک تاج الدین زریں رقم

یہ ۱۹۰۶ء میں لاہور میں پیدا ہوا اور جون ۱۹۵۵ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ درسی تعلیم صرف چھٹی جماعت تک تھی اور اپنے ماموں حاجی نور احمد خوش نویس سے فن کتابت کی تحصیل کی۔ وہ منشی فضل الٰہی مرعوب رقم متوفی ۱۹۱۶ء کے بھی شاگرد رہے ہیں۔ پروین رقم سے بھی اکتساب فیض کیا ہے۔ بہر کیف فن نستعلیق میں اس کا قلم بہت پختہ تھا۔ فن کی خدمت کرنے کے لئے اس نے اپنی کتابت کے نمونوں کا مجموعہ "مرقع زریں" کے نام سے شائع کیا تھا۔ لاہور سے پاکستان بننے کے بعد فن کی شائع ہونے والی یہ پہلی کتاب ہے۔

تاج الدین زریں رقم

اس کا ایک اور کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اکتوبر ۱۹۳۹ء میں خوشنویسوں کی یونین قائم کی۔ مدت تک یہ اس کا صدر رہا۔ خوشنویس برادری کی اجتماعی مشکلات کو حل کرانے کی مقدور بھر کوشش کی اور کسی حد تک کامیابی بھی حاصل کی۔

☆ سید انور حسین نفیس رقم

یہ ۱۹۳۳ء میں گھوڑیالہ ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے، خطاطی کی ابتدائی تعلیم اپنے والد سید اشرف علی زیدی سے

(بقیہ حاشیہ نمبر ۲ از ص ۲۹۷

تمیز رنگ و بود برما حرام است
کہ ماپردردہ یک نو بہاریم

بیا تا کار ایں بسازیم
قمار زندگی مردانہ بازیم
چناں نالیم اندر مسجد شہر
کہ دل در سینۂ ملا گدازیم

حاصل کی۔ جو بڑے پائے کے خطاط تھے۔ ۱۹۵۲ء میں یہ نقل مکانی کر کے لاہور آ گئے۔ یہاں آکر زریں رقم سے مزید اکتساب فیض کیا۔ آج کل لاہور میں جامعہ مدنیہ کے قریب رہتے ہیں۔ فن کی تعلیم

درود شریف ابراہیمی — بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد
کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم
انک حمید مجید
اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد
کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم
انک حمید مجید

کتبہ الفقیر نفیس الحسینی اللاہوری غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ فی رمضان المبارک سنۃ ۱۴۱۳

نفیس رقم

الحمد للہ رب العلمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین
ایاک نعبد وایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم
صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۲﴾

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳﴾ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ﴿۴﴾

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ

عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ﴿۷﴾

کے لئے وہاں مدرسہ بھی قائم کر رکھا ہے۔ خط نستعلیق و دیگر خطوط کے لکھنے میں مشہور زمانہ ہیں۔ فن کی تاریخ پر بھی ان کی نگاہ بہت گہری ہے۔ ان کے مضامین مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی کتابت کے نمونے "نقائس القلم" میں چھپ چکے ہیں۔

☆ حافظ محمد یوسف سدیدی

سلطان الخطاطین حافظ محمد یوسف سدیدی ۱۹۲۷ء میں بمقام بھون چکوال ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ خطاطی کی تعلیم منشی محمد شریف لدھیانوی سے اور تاج الدین زریں رقم
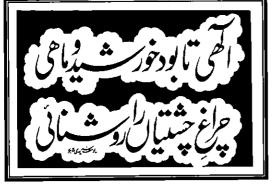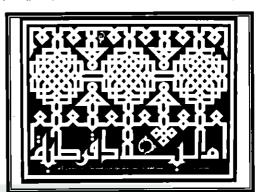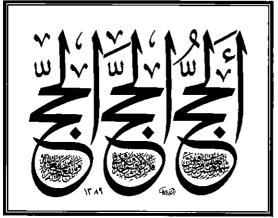
سے حاصل کی۔ یہ ہفت قلم خطاط تھے۔ صرف نستعلیق کے ہی ماہر نہیں بلکہ دوسرے خطوط بھی اسی مہارت اور چابک دستی سے لکھتے ہیں۔ ۲۰ سال تک یہ روزنامہ امروز کی کتابت کرتے رہے۔ حکومت پاکستان نے ہندوستان میں پہلے مسلمان بادشاہ سلطان قطب الدین ایبک (۶۰۲-۶۰۷ھ / ۱۲۱۰ء) کا مزار تعمیر کرایا۔ اس مزار پر عہد غزنوی اور غوری دور میں رائج خط ثلث میں کتابت کرائی گئی ہے۔ اس قدیم طرز ثلث میں لکھنے کا کام حافظ محمد یوسف سدیدی نے انجام دیا ہے۔ یہ کتابت ۱۳۹۶ھ میں کی ہے۔ مینار پاکستان لاہور، مسجد شہداء پر بھی انہوں نے کتبات لکھے ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ قبل جامع مسجد منصورہ لاہور میں نہایت جلی قلم سے قرآنی آیات لکھی ہیں۔ بیرونی جانب خط ثلث سے اور اندرونی جانب خط کوفی میں ہیں۔ صدیوں بعد یہ پہلا موقع ہے کہ ہندوپاکستان میں کسی عمارت پر خط ثلث اور خط کوفی کے کتبات لکھے گئے ہوں۔ اس نے خطِ ثلث اور خطِ کوفی میں کتبات لکھنے کو از سر نو زندہ کر دیا ہے، آج یہ فنِ خطاطی کا امام ہے، ان کے بہت سے شاگرد ہیں حافظ سادہ مزاج، متواضع اور خلیق انسان ہیں۔ ۱۲ر ستمبر ۱۹۸۶ء کو لاہور میں اس باکمال خطاط کا انتقال ہو گیا۔

علی احمد صابر چشتی

۶ر اپریل ۱۹۴۶ء کو بستی شیخ درویش جالندھر میں پیدا ہوئے، مختلف اخبارات اور کمپنیوں میں کام کر چکے ہیں۔(۱)

منظور احمد انور

منظور احمد انور والد غلام محمد صاحب، تاریخ پیدائش یکم جنوری ۱۹۴۹ء کامونکی ضلع گوجرانوالہ، صوفی خورشیدؒ اور نفیس رقم کے شاگرد ہیں، صدارتی ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔(۲)

اکرام الحق

اکرام الحق والد حاجی بشیر احمد مرحوم ۱۹۳۹ء میں لاہور میں پیدا ہوئے، صوفی خورشید عالم اور حافظ یوسف سدیدی سے اکتسابِ فیض کیا، بہت سے اخبارات میں کام کر چکے ہیں۔(۳)

۱-۲-۳- اضافہ از مرتب

بہاول پور میں خطاطی

بہاولپور میں خطاطی کا آغاز سرکاری ضرورت کے پیش نظر ہوا ہے۔ آج سے سوا سو سال قبل بہاولپور میں صادق الاخبار کا اجراء ہوا ہے۔ اس کے لئے کاتب کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس زمانہ میں جھنگ سے ایک کاتب مولوی عزیز الدین بہاولپور آیا۔ وہ اخبار میں کاتب ہونے کے ساتھ ساتھ سرکاری کاتب بھی مقرر ہو گیا۔ اس نے یہاں فن کتابت کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ مشہور کرکٹر وسیم حسن راجہ اس کا صاحبزادہ ہے۔

پھر مختلف حضرات صادق الاخبار میں کاتب مقرر ہوگئے۔ مولوی عبدالقادر اور ان کے بعد تاج الدین زریں رقم کے شاگرد محمد اسلم خوشنویس کاتب مقرر ہوئے۔ انہوں نے فن کتابت کو فروغ دیا۔ اپنے لڑکوں کو بھی یہ فن سکھایا ان کے ایک شاگرد غلام محی الدین ہیں۔

☆ غلام محی الدین

یہ اصلاً تو خط نستعلیق کا ماہر ہے۔ مگر دوسرے خطوط پر بھی دسترس رکھتا ہے۔ اس نے فن خطاطی سے بہت زیادہ دلچسپی لی ہے۔ فن کی تعلیم کے لئے اس نے گھر پر ایک مدرسہ کھول رکھا ہے۔ جہاں طلباء کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔ آج کل یہ سرکاری مطبع کی ملازمت سے سبکدوش ہو چکا ہے۔ ملک میں منعقد ہونے والی خطاطی کی نمائشوں میں شریک ہوتا ہے، اپنے قطعات پیش کرتا ہے اور تحسین حاصل کرتا ہے۔

☆ محمد اشفاق

بہاولپور کا مایہ ناز کاتب محمد اشفاق ہے۔ یہ ۱۹۴۱ء میں پیدا ہوا۔ ۱۹۴۶ء میں اس کے والد غلام محمد ملتان سے نقل مکانی کر کے مستقل طور پر بہاولپور آ گئے۔ محمد اشفاق نے فن کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ یہ ہفت قلم ہے۔ نستعلیق، نسخ، ثلث، کوفی، رقعہ، دیوانی وغیرہ خطوط میں ماہرانہ دستگاہ رکھتا ہے۔ خط میں نئے نئے تجربے اور جدتیں اختیار کرتا رہتا ہے۔ سرکاری مطبع بہاولپور میں ملازم ہے۔ محمد اشفاق کو فن خطاطی سے عشق کے درجے میں تعلق ہے۔ ملک کے تمام بڑے بڑے خطاطوں سے دوستی اور روابط رکھتے ہیں- پاکستان میں خطاطی کی پہلی نمائش ۱۹۶۱ء میں بہاولپور میں منعقد ہوئی تھی۔ اس میں اس نے بڑے انعامات حاصل کئے۔ ۷۷-۱۹۷۶ء میں نمائش لاہور میں بھی قطعات پیش کئے اور انعامات حاصل کئے۔ آخر میں پندرہویں صدی ہجری کمیٹی کی جانب سے منعقد نمائش میں بھی شرکت کی اور تحسین حاصل کی۔ اس کے فن کی شہرت بہاولپور سے باہر پورے ملک میں پھیل چکی ہے۔ (۱)

۱۔ مکتوب جناب مسعود حسن شہاب دہلوی، اردو اکیڈمی، بہاولپور، مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۸۳ء، مکتوب، محمد اشفاق کاتب، گلستان کالونی عقب ایس ای کالج، بہاولپور، مئی ۱۹۸۳ء،

باب ۳۹

خطاطی کراچی میں

۲۷ر رمضان ۱۳۶۶ھ ر ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو مملکت خداداد پاکستان وجود میں آئی۔ نئی ریاست کا دارالسلطنت کراچی مقرر ہوا اور ۱۹۶۲ء تک یہی دارالحکومت رہا۔ اس کے بعد جنرل ایوب خان نے اسلام آباد کو دارالحکومت بنادیا۔

ہندوستان کے مختلف اطراف سے مہاجرین کراچی میں آگئے۔ دہلی کے لوگ سب کے سب کراچی میں آکر بس گئے۔ ہر طرف کے علماء، فضلاء، شعراء، ادباء، سیاست دان کراچی میں جمع ہوگئے۔ اسلامی ہندوستان ویران ہوا تو کراچی آباد ہوا۔ ۱۹۴۱ء میں جو شہر زیادہ سے زیادہ ۴ لاکھ کی آبادی کا تھا، وہ بعد میں ۶۰، ۷۰ لاکھ کی آبادی کا شہر بن گیا۔(۱) مختلف علوم و فنون کے ماہرین کے ساتھ ساتھ خوشنویسی اور خطاطی کے ماہرین بھی کراچی میں آگئے۔ یہ تمام خطاط دہلی سے آئے تھے۔ انہوں نے کراچی اسکول کی بنیاد رکھی۔ کراچی اسکول درحقیقت دہلی اسکول کی ہی توسیع ہے۔ فن خطاطی میں جن چند ہستیوں کی وجہ سے کراچی کا نام بلند ہوا ہے، ذیل میں بعض کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

☆ محمد یوسف دہلوی

محمد یوسف دہلوی اس خاندان کا گل سرسبد ہے۔ جس میں تین سو سال سے کتابت کا پیشہ متوارث چلا آرہا ہے۔(۲) اس کے والد منشی محمد الدین بھی بڑے مشہور خطاط تھے۔ یہ مولوی نظام الدین کے فرزند تھے۔ جنڈیالہ ضلع گوجرانوالہ اس کا وطن اصلی تھا، مگر اس نے دہلی میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ وہ خط نسخ اور خط نستعلیق دونوں کا استاد تھا۔ ان کا لکھا ہوا ایک قرآن مجید امرتسر سے شائع ہوا تھا۔ اس میں خوبی یہ تھی کہ ہر سطر ''الف'' سے شروع ہوتی تھی۔ ایک اور قرآن مجید لکھا تھا جس کی

ا۔ اور آج وہی شہر ڈیڑھ کروڑ تک پہنچ گیا ہے۔ (مرتب)

۲۔ صحیفہ خوشنویساں، ص ۱۶۸،

ہر سطر ''ک'' پر ختم ہوتی تھی۔ ۱۹۳۲ء میں پہلی مرتبہ خانہ کعبہ کا غلاف دہلی ہندوستان میں تیار ہوا تھا۔ اس غلاف پر آیات کریمہ کی خطاطی کی سعادت منشی محمد الدین کو حاصل ہوئی تھی۔ اس نے ۱۹۴۳ء میں دہلی میں وفات پائی۔ ان کے تلامذہ تو بہت تھے مگر ان کا کمال ان کے لڑکے حافظ محمد یوسف دہلوی اور ان کی لڑکی فاطمۃ الکبریٰ کے ذریعے جاری ہوا۔

محمد یوسف دہلی میں پیدا ہوا، وہیں تعلیم پائی۔ بی اے کا امتحان انہوں نے سینٹ اسٹیفن کالج سے پاس کیا تھا۔ وہ کتب بینی اور مطالعہ علوم کا بے حد شائق تھا۔ اس کو اردو، ہندی اور انگریزی پر کافی عبور حاصل ہے۔ وہ فٹ بال اور تیراکی کا بھی بہت شوقین ہے۔

فن خطاطی کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ مزید تکمیل اپنی بڑی بہن فاطمۃ الکبریٰ سے کی۔ پھر خود مشق کی۔ وہ خوشنویسی کا مسلم الثبوت امام ہے اور دہلی اسکول یعنی کراچی اسکول کا بانی ہے۔ خط نستعلیق میں ایک خاص روش اختیار کی۔ اس نے حروف کے قدیم پیمانوں میں بہت سی لچک پیدا کر دی۔ حروف کے جوڑ اور پیوند میں بعض مفید جدتیں کی ہیں۔ اس نے نستعلیق جلی میں خط ثلث کی بعض خوبیاں شامل کر دی ہیں۔ دہلی میں یہ طرز بہت مقبول ہوئی۔

اتنے بڑے فن کار ہونے کے باوجود مزاج میں عجب استغنا ہے۔ خورد و نوش، لباس و پوشاک کی طرف سے بے نیاز ہے۔ قلندرانہ طبیعت کا مالک ہے۔ اگر کرنے پر آجائے تو معمولی سے آدمی کا کہا مان لے اور نہ مانے تو حکمران اور امراء کی بات کو بھی رد کر دے۔ نہ کسی سے خوف زدہ ہوتا ہے نہ کسی سے مرعوب ہوتا ہے نہ کسی شے کا لالچ ہے۔

کتب خانہ رشیدیہ اردو بازار دہلی کا بورڈ جو بہت موٹے جلی خط میں لکھا ہوا ہے اور دور سے نظر آتا ہے، اسی کا لکھا ہوا ہے۔ نئی دہلی میں وائسریگل لاج اور پارلیمنٹ ہاؤس پر مختلف زبانوں میں سنہری حروف میں قطعات لکھے ہیں۔ سینٹرل سکریٹریٹ نارتھ بلاک اور ساؤتھ بلاک کی محرابوں پر بائبل، قرآن مجید، وید اور دیگر مقدس کتابوں کے اقتباسات اردو، ہندی، بنگالی، سنسکرت، تامل، مرہٹی، عربی، فارسی زبانوں میں بلکہ انگریزی اور فرنچ، غرضیکہ تیرہ زبانوں میں کتبے اس باکمال فن کار کے دست عجائب نگار کے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ سب محمد یوسف کے قلم کا ثمرہ ہیں۔ وائسرائے لاج کے اورینٹل آرٹ کے کتبے لکھتے وقت انگریز انجینئر سے کسی بات پر ناراض ہو گیا۔ وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔ اس کے بعد منانے کی لاکھ کوشش کی گئی مگر پھر وہاں قدم نہیں رکھا۔ آج تک وہ تمام کتبے ناتمام پڑے ہوئے ہیں۔

پاکستان بننے کے بعد لیاقت علی خاں وزیر اعظم کی خواہش ہوئی کہ سکوں اور ٹکٹوں پر کتابت محمد یوسف سے کرائی جائے۔ انہوں نے دہلی میں موجود پاکستانی ہائی کمشنر زاہد حسین کو اس کام کے لئے لکھا، مگر محمد یوسف نے انکار کر دیا۔ پھر جب زاہد حسین اسٹیٹ بنک آف پاکستان کے گورنر مقرر ہوئے تو انہوں نے پھر کوشش کی۔ اس مرتبہ انہوں نے ڈاکٹر ذاکر حسین صدر جمہوریہ ہندوستان سے درخواست پیش کی کہ وہ کسی طرح یوسف صاحب سے نوٹ لکھوا دیں۔ ڈاکٹر ذاکر حسین ان کو اپنے ساتھ جامعہ ملیہ لے گئے۔ وہاں چند روز رکھا، ان کی خاطر مدارت اور توقیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ پھر یہ درخواست کی۔ اس وقت انہوں نے ایک روپیہ، دو روپیہ اور پانچ روپیہ کے نوٹ لکھ کر دے دیئے۔ جو ڈاکٹر ذاکر حسین نے

کراچی زاہد حسین کو بھجوا دیئے۔ پھر جب ۱۹۵۲ء میں وہ ہجرت کر کے پاکستان آ گئے تب دس روپے کا نوٹ لکھ کر دیا۔

اس نے ایک مرتبہ اپنے بھتیجے کا مطالبہ رد کر دیا۔ اس کے بھتیجے علاؤ الدین خالد اردو اکیڈمی سندھ کے مالک ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب "ہماری مصوری" کے نام سے شائع کرنا چاہی۔ جس میں خطاطی کے نمونے بھی شامل کیے۔ انہوں نے چچا سے درخواست کی کہ وہ اپنے ہاتھ کی تحریر دے دیں مگر وہ حاصل کرنے میں ناکام ہو گئے۔

پھر ان کے دفتر کا ایک کلرک ان کی خدمت میں گیا۔ اس نے ان سے ایک رباعی لکھوائی۔ یہ قطعہ رباعی تین فٹ لمبے اور دو فٹ چوڑے کاغذ پر جلی خط میں پنسل سے لکھ دی جس میں کلرک نے رنگ بھر لیا۔

وہ انسان دوست اور غریب پرور آدمی ہے۔ اس کے یہاں بے نیازی کا عالم ہے کسی چیز کا اہتمام نہیں۔ ۱۹۷۷ء میں کراچی میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے شاگرد بہت ہیں، بلکہ سارے دہلی اسکول پر اس کی چھاپ ہے۔ مگر اس کا ارشد تلمیذ عبدالمجید دہلوی ہے۔
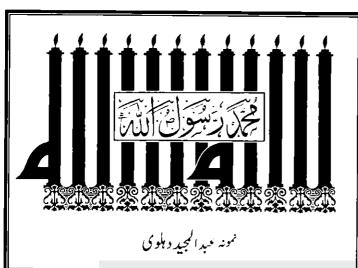
☆ منشی عبدالمجید دہلوی

منشی عبدالمجید یوسف دہلوی کے نامور شاگرد ہیں اور وقت کے ماہر خطاط ہیں۔ سارا دن مشق کرتے تھے۔ دہلوی طرز کے بانی محمد یوسف دہلوی کے عزیز شاگرد تھے۔ ہمدرد کی کتابوں کے عنوان، اخبار جنگ کا عنوان عبدالمجید نے لکھے ہیں۔

نمونہ عبدالمجید دہلوی
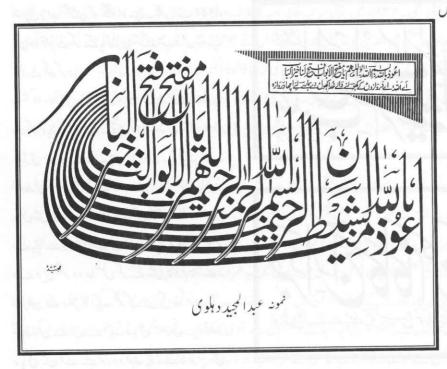
یو پی میں ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے تھے۔ وطن اصلی فیض آباد یو پی ہے، مگر رہائش دہلی میں تھی۔ فن کی تعلیم اور تکمیل اس نے محمد یوسف سے کی ہے۔ ۱۹۵۸ء میں محمد ظاہر شاہ امیر افغانستان پاکستان میں آئے

نمونہ عبدالمجید دہلوی

هر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ اورا بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

یوسف

تھے۔ اس موقع پر اس نے ایک وصلی شاہ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ شاہ نے خوش ہو کر ایک ہزار روپیہ انعام دیا تھا۔ اس طرح جب مصر کا صدر ناصر پاکستان آیا تھا تو اس کی خدمت میں بھی وصلی پیش کی تھی۔ مزار قائد اعظم کراچی پر کتبے اسی کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔

نمونہ عبد المجید دہلوی

آج کل کراچی اسکول کا سب سے بڑا خطاط یہی ہے۔ اس کے بہت سے شاگرد ہیں۔ جو لوگ یوسف کی ناز برداری نہیں کر سکتے تھے وہ منشی عبد المجید کے پاس آکر فن کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔(۱)

☆ انوری بیگم دہلوی

کراچی کی مشہور خاتون خطاط ہیں۔ انہوں نے امتیاز علی دہلوی سے فن کی تعلیم حاصل کی ہے اور ایک اہم مقام کی حامل ہے۔ یہ رسالہ "مولوی" دہلی کے مدیر مولوی عبد الحمید کی خالہ زاد بہن ہے۔ آخری دور میں چراغ راہ کراچی کی کاتب تھیں۔

۱۔ افسوس یہ بے مثال خطاط ایک حادثے کا شکار ہو کر ۱۱/ مارچ ۱۹۷۷ء کو کراچی میں چل بسا، انہیں سڑک پار کرتے ہوئے ایک موٹر نے ٹکر مار دی تھی، ان کی تدفین سخی حسن کے قبرستان میں ہوئی۔ (مرتب)

☆ فاطمۃ الکبریٰ

یہ منشی محمد الدین کی دختر اور محمد یوسف کی خواہر ہیں۔ سمبڑیال ضلع سیالکوٹ میں ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئیں۔ میران والی ضلع سیالکوٹ کے سردار محمد سعید سے شادی ہوئی تھی، مگر ۱۹۳۲ء میں بیوہ ہوگئیں اور اپنے والد کے پاس دہلی میں رہائش اختیار کرلی۔ فن کی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ انہیں خط نسخ لکھنے میں کمال حاصل ہے۔ بلکہ برصغیر ہندوپاکستان کی یہ واحد خاتون ہیں جنہوں نے قرآن مجید لکھنے میں نام پیدا کیا ہے۔ اس نے کئی حمائل اور پنج سورۃ شائع کرائے ہیں۔ جن میں سے ایک حمائل فتح الحمید بہت مشہور ہے۔ ایک پنج سورۃ انہوں نے بیگم بھوپال کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ خوش ہو کر بیگم نے انہیں مرصع پہنچیاں انعام دی تھیں۔ ایک پنج سورۃ نظام دکن میر عثمان علی خاں کو پیش کیا تھا جس پر انہوں نے حین حیات وظیفہ جاری فرمادیا تھا۔ تقسیم ملک کے بعد پہلے وہ لاہور آگئیں مگر پھر کراچی میں آگئیں۔ وہ صوم و صلوٰۃ کی بہت زیادہ پابند تھیں۔ ۸۴ سال عمر پاکر ۱۶ر رمضان ۱۳۸۷ھ، ۱۹ر سمبر ۱۹۶۷ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔ آخری دور میں چراغ راہ کراچی کی کاتب تھیں۔

☆ شاہ غلام محمود مستجاب رقم

ہندوستان کے دوسرے علاقوں سے جو خطاط کراچی میں آکر آباد ہوئے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور سید غلام محمود شاہ قادری مستجاب رقم ہیں۔ یہ حیدر آباد دکن کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے فن خطاطی کی تعلیم حیدر آباد میں شاہی خطاط مشہور و معروف محمد قدرت اللہ سے حاصل کی ہے۔ تعلیم سے فراغت پانے کے بعد استاد نے ان کو تکمیل فن کی سند عطا کی ہے۔ یہ سند عربی زبان میں خوش خط لکھی ہوئی ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ فن خطاطی کی سند راقم کی نظر سے گزری ہے۔ ورنہ ہندوستان وایران کے کسی تذکرے میں، میں نے سند نہیں دیکھی۔ اس سند پر سن غالباً ۱۳۵۴ھ لکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ سید غلام محمود شاہ صاحب نے مدراس یونیورسٹی سے آرٹ میں ماسٹر کی ڈگری بھی لی ہے۔ اس لئے وہ خطاطی کے علاوہ نقاشی، گلکاری، حکاکی، سنگ نویسی، کندہ کاری، زینہ سازی وغیرہ دوسرے بہت سارے فنون بھی جانتا ہے۔ اس نے اردو ٹائپ ایجاد کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا

ہے۔ اس کے پاس وصلیوں کا اور کتابت کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ ہے۔ ان کا اپنا ذاتی مطبع بھی ہے۔ صادق آباد سے ۱۹ میل کے فاصلے پر بھونگ گاؤں میں وہاں کے رئیس غازی، مشہور علمی و دینی شخصیت اور آئینی امور کے ماہر، بھاولپور ریاست میں کونسل اور پھر اسمبلی کے رکن۔ رئیس اعظم ہونے کے باوجود خدا ترس انسان بھونگ کے نوادرات میں مسجد اور تعلیمی نسخہ، رئیس غازی شبیر احمد اینڈ ھڑی نے ایک خوبصورت مسجد بنوائی ہے۔ جس کو بجا طور پر پاکستان کی حسین ترین مسجد کہنا چاہئے۔ اس مسجد میں بیرونی دروازہ کی محراب پر آیت الکرسی صدف سے لکھی ہوئی ہے۔ اندرونی محراب پر سونے کے پانی سے آیات قرآن لکھی ہوئی ہیں۔ یہ تمام کتبے مستجاب رقم کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ اس کتابت نے مسجد کا حسن دوبالا کر دیا ہے۔

رئیس ان کی بڑی خاطر داری کرتا تھا۔ دو آدمی ان کی خدمت میں رہتے تھے۔ وہ ہی ان کو کراچی سے لے کر جاتے تھے۔ کام کرتے ہوئے رئیس آکر ان کی مزاج پرسی کرتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ یہ باڑ سے گر گئے۔ رئیس نے فوراً ایک بکرا صدقہ کر دیا۔ رئیس نے ہر طرح سے ان کو خوش کرنے کی کوشش کی۔ تب انہوں نے فن کا بہترین مظاہرہ وہاں پیش کر دیا۔

عند الملاقات مستجاب رقم صاحب نے ایک بالکل نیا انکشاف کیا۔ انہوں نے کہا کہ ان کے پاس عہد عالمگیری کے مشہور خطاط عبدالباقی حداد کی لکھی ہوئی ایک کتاب فن خطاطی سے متعلق قلمی حالت میں موجود ہے۔ افسوس میں، اس کتاب کی زیارت سے محروم رہا۔ تذکروں میں بھی میں نے اس کتاب کا ذکر نہیں پایا۔

مستجاب رقم صاحب صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں۔ پرانی وضع کے بزرگ ہیں جن کو تصوف سے اور دین سے بہت دلچسپی ہے۔ (۱)
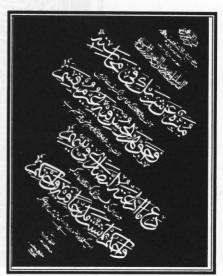
ا۔ کچھ عرصہ قبل ان کا بھی انتقال ہو گیا، (مرتب)

مستجاب رقم
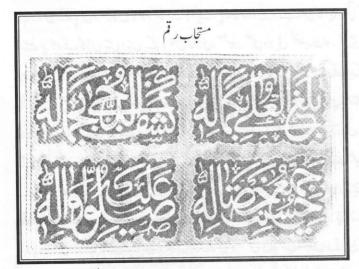
☆ شفیق الزماں خاں

شفیق الزماں خاں ۱۹۵۶ء میں چکلالہ (راولپنڈی) میں پیدا ہوئے، والد وہاں ایئر فورس میں تھے، دو سال بعد ان کا تبادلہ کراچی ہو گیا، اور انہوں نے ابتدائی تعلیم کراچی میں حاصل کی، بچپن ہی سے طبیعت خطاطی، مصوری اور نقاشی وغیرہ کی طرف راغب تھی، انہوں نے اپنے شوق سے خطاطی میں مہارت حاصل کی اور استاد حامد الآمدی کے فن کو معیار بنا کر مشق کرتے رہے اور بالآخر کمال حاصل کر لیا، انہوں نے بہت سے اعزازات حاصل کئے ہیں ان کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ انہیں مسجد نبوی ﷺ میں خطاطی کے لئے منتخب کیا گیا اور ۱۹۹۱ء سے وہ یہ عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں،

ا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے، راشد شیخ / تذکرۂ خطاطین ص ۲۱۶، (مرتب)

سیّد محمد رضی دہلوی

سیّد محمد رضی دہلوی الخطاط بن حافظ محمد تقی دہلوی، کراچی کے معروف خطاط اور آرٹسٹ تھے، بے شمار ٹائٹل ان کی یادگار ہیں، پیدائش ۱۹۳۹ء، وفات ۲/ مارچ ۱۹۹۶ء کراچی۔

کلام خدا کے جو طغرے لکھے ہیں
بنی گے سب وہ حشر میں خوشی کا
قلم کاریوں نے ہی تازتیت اعجاز
رکھا نام روشن محمد رضی کا

اعجاز رحمانی

محمد اسماعیل سلفی

تاریخ پیدائش ۱۸/ اپریل ۱۹۳۲ء، ایک طویل عرصے سے فنِ خطاطی سے منسلک ہیں، خورشید رقم اور حافظ یوسف سدیدی سے استفادہ کیا ہے۔

محمد سلیم اختر

۲۴/ فروری ۱۹۴۰ء میں گجرات (پاکستان) میں پیدا ہوئے، مختلف اخبارات و رسائل میں کام کرتے رہے ہیں۔ کراچی میں مقیم ہیں۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن

۱۴۰۲ھ

نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

باب ۴۰

فن خوشنویسی کا احیا

جدید دور میں فن خوشنویسی کی قدر دانی کا ایک اور ذریعہ پیدا ہو گیا ہے۔ یہ ذریعہ ٹیلی ویژن ہے جو ۱۹۶۲ء سے پاکستان میں جاری ہوا ہے۔ یہ ذریعہ مطبع کی کتابت سے افضل ہے۔ مطابع میں عام کتابوں کی کتابت کے لئے خطِ نستعلیق درکار ہے اور قرآن مجید کی کتابت کے لئے خط نسخ درکار ہے۔ لیکن ٹیلی ویژن میں فردوس گوش کے ساتھ ساتھ جنت نگاہ بھی درکار ہے۔ یہاں کتابت میں بھی جدت اور تنوع چاہیے۔ اس لئے نستعلیق اور نسخ کے علاوہ خط معقلی، کوفی، ثلث، دیوانی اجازہ تمام ہی خطوں کا احیاء ہو رہا ہے۔ ٹیلی ویژن میں ملازم کاتب ایک ہی تحریر میں مختلف خطوط کو استعمال کرتے ہیں۔ لوگ ان نئے خطوں سے مانوس ہوتے جاتے ہیں- جو اگرچہ قدیم ہیں لیکن متروک ہو چکے تھے۔ جدید خطاط محض ان قدیم خطوں کو زندہ کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ خود بھی نئے نئے تجربات کرتے ہیں۔ اس قدر و منزلت کے باعث نوجوان اب اس شریف پیشے کی

رشید بٹ

رشید بٹ
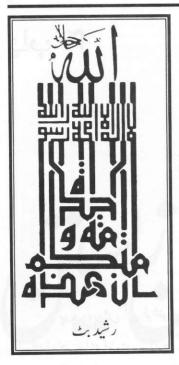
طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور سابق زمانہ کی کساد بازاری کا زمانہ ختم ہو رہا ہے۔

ٹیلی ویژن سے متعلق چند ایک ہنرمند خطاطوں کے نام ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

☆ عبدالرشید بٹ

یہ ایک نوجوان ہے۔ خطاطی اور مصوری دونوں میں مہارت رکھتا ہے۔ راولپنڈی ٹیلی ویژن سے وابستہ ہے۔ مختلف نمائشوں میں شرکت کر چکا ہے۔ اور انعام حاصل کر چکا ہے۔

☆ ظہور ناظم

اس نے آغاز میں سینما کے لئے پوسٹر لکھنے شروع کئے۔ پھر اس سے فن کتابت کی طرف مائل ہو گیا۔ ۱۹۶۷ء سے پاکستان ٹیلی ویژن لاہور میں بطور ڈیزائنر منسلک ہے۔ مصورانہ خطاطی کی طرف رجحان ہے۔

ان کے علاوہ بھی دوسرے حضرات ہیں۔
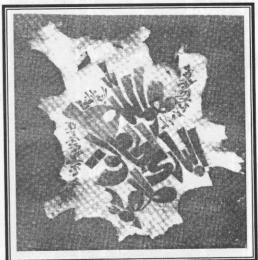
☆ عجائب گھر

فن خطاطی کی قدردانی اس طرح بھی ہوئی ہے کہ لاہور کے عجائب خانے میں آرٹ گیلری کے نام سے خطاطی کے

لئے ایک حصہ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اس طرح کئی خطاط لاہور کے عجائب گھر سے وابستہ ہو گئے ہیں۔

☆ محمد امین خاں کاشمیری

مارچ ۱۹۲۶ء کو لاہور میں پیدا ہوا۔ خطاطی کی تعلیم فض الہی تلمیذ پروین رقم سے حاصل کی ہے۔ خط نستعلیق لکھتا ہے۔ رسالہ لیل و نہار سے منسلک ہے۔ ریلوے پاکستان کا پہلا اردو ٹائم ٹیبل اس نے لکھا تھا۔ عجائب گھر لاہور کی آرٹ گیلری میں کئی شاہکار کتابت کی صورت میں آویزاں ہیں۔

☆ زرینہ خورشید

۱۹۶۹ء میں پنجاب یونیورسٹی سے فنون لطیفہ میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی ہے اور لاہور کے عجائب گھر میں ملازم ہے۔ مصورانہ خطاطی کی طرف مائل ہے۔ باتیک میں خطاطی کو اپنا کر ایک نئی طرح ڈالی ہے۔
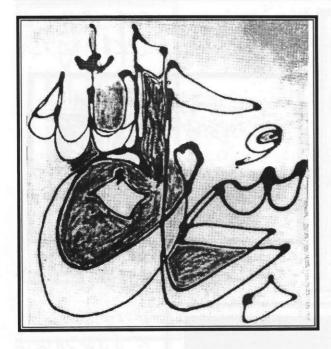
☆ سردار محمد

اس نے نیشنل کالج آف آرٹس سے ڈپلومہ حاصل کیا۔ پھر نیویارک ڈیزائن اسکول سے سند لی۔ بنیادی طور پر تو ڈیزائنر ہے مگر مصوری اور خطاطی کو بھی اختیار کر رکھا ہے۔ آج کل کراچی میں اپنا ایک اسٹوڈیو کھول رکھا ہے۔

☆ مصورانہ خطاطی

کچھ عرصہ سے جدید طرز کے مصور لوگوں کی توجہ فن خطاطی کی طرف مبذول ہو رہی ہے۔ وہ مصوری کے نقطۂ نظر سے خطاطی کرتے ہیں، جس میں بسا اوقات خطاطی کی مسلم روایات اور قواعد کی پابندی نہیں کی جاتی ہے۔ بہر حال یہ بات تو مستقبل ہی بتا سکے گا کہ مسلمانوں کا اجتماعی ذوق لطیف اس جدت کو قبول کرتا ہے یا نہیں۔ چند خطاطوں سے ذیل میں تعارف حاصل کرتے ہیں۔

☆ صادقین

یہ ۱۹۳۰ء میں امروہے یوپی میں پیدا ہوا۔ بنیادی طور پر مصور ہے۔ پھر خطاطی کی طرف مائل ہو گیا۔ مصورانہ خطاطی میں بڑا کمال پیدا کیا ہے۔ لاہور عجائب گھر کی دیواروں پر اس نے نئے انداز میں اشعار لکھے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اشعار کی تشریح کے لئے حسب حال تصویر یا منظر بھی بنائے ہیں۔ اپنے فن میں خوب مشہور ہے۔

جو شہرت اس وقت ان کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے فن کار کو حاصل نہیں ہے۔ ملک کے اندر اور باہر فن کی نمائشوں میں شرکت کرتے ہیں۔

صادقین پاکستان کا عجیب و غریب مصور، نقاش اور خطاط ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس نے آگرہ یونیورسٹی سے گریجویٹ کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کے پاس کوئی سند نہیں تھی۔ اس کی ساری تعلیم خود ساختہ تھی۔ ۱۹۵۰ء میں یہ پاکستان کراچی آگیا۔ اس کے گھر کے پاس ناگ پھلی کثرت سے اُگی ہوئی تھی۔ اس سے اس کو انس ہو گیا۔ اس کی تصویروں میں ناگ پھلی کی تصویریں بہت ہیں، ۱۹۶۰ء کے بعد وہ فرانس، انگلستان وغیرہ ملکوں میں مشہور ہو چکا تھا۔ عمارتوں پر مصوری اور نقاشی

کرتا تھا، وہ رات رات بھر جاگ کر کام کرتا تھا۔ آخری عمر میں یک سو ہو کر خطاطی کی طرف مائل ہو گیا تھا۔ لباس وضع قطع میں بے ڈھنگا پن تھا۔ کبھی کبھی شاعری بھی کرتا تھا۔ فریرہال کی تصویروں کا مرقع اب صادقین کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔ علامہ اقبال کے اشعار کو مصور کیا ہے۔ پھر قرآن مجید کی آیات کو مصور کرنے لگا تھا۔ ۱۹۸۷ء میں کراچی میں اس کا انتقال ہو گیا، ایک نادر روزگار نقاش و خطاط فوت ہو گیا۔

☆ اسلم کمال

۱۹۳۱ء میں لاہور میں پیدا ہوا۔ بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ یہ بنیادی طور پر ڈیزائنر اور مصور ہے۔ خطاطی میں بھی مہارت رکھتا ہے۔ کلام اقبال کی مصورانہ تشریح کے سلسلہ میں شہرت حاصل کی ہے۔ اس وجہ سے بعض لوگ اس کو مصور اقبال بھی کہتے ہیں۔ یہ علامہ اقبال میوزیم سے وابستہ ہے۔ مصورانہ خطاطی کی ایک نئی روش کی انہوں نے طرح ڈالی ہے جو پسند کی جاتی ہے۔

☆ اے جی ثاقب
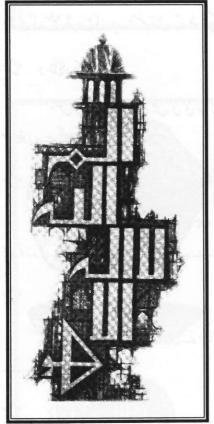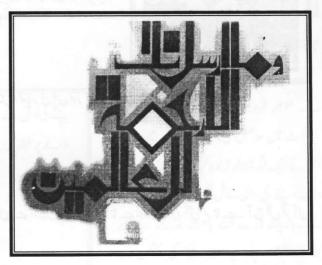
یہ مانسہرہ ہزارہ میں ۱۹۳۱ء میں پیدا ہوا۔ بی اے کی تعلیم پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی۔ پہلے مصوری کے شاہکار تیار کئے پھر مصورانہ خطاطی کی طرف مائل ہوا ہے اور اچھے نمونے پیش کئے۔ ۱۹۴۸ء سے لاہور ہی میں مقیم ہے۔

☆ غلام سرور راہی

یہ مارچ ۱۹۴۰ء میں خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ میں پیدا ہوا۔ عام تعلیم میٹرک تک ہے۔ خطاطی کی تعلیم منشی غلام مصطفیٰ پٹیالوی سے حاصل کی۔ کئی طرز نگارش جانتا ہے مگر مصورانہ نستعلیق کی طرف رجحان زیادہ ہے۔ اس نے مثالی آرٹ اسٹوڈیو قائم کر رکھا ہے۔

☆ محمد طارق

یہ ۱۲/ مئی ۱۹۶۲ء کو کراچی میں پیدا ہوا۔ انٹر تک تعلیم حاصل کی ہے۔ مقامی کالج سے سول ڈیزائنگ میں ڈپلومہ حاصل کیا۔ اب مصورانہ خطاطی کی مشق شروع کی ہے۔ اسلم کمال کے طرز پر لکھتا ہے۔

☆ دستکاری خطاطی

بعض لوگوں نے خطاطی میں نئی نئی جدتیں اختیار کی ہیں اور مختلف طریقوں سے لکھنے کی کوشش کی ہے۔

☆ ادریس محمد

یہ لاہور کا فن کار ہے۔ زری کے تاروں سے اشکال اور مناظر بناتا ہے اور خطاطی بھی کرتا ہے۔ آج کل قرآن مجید کو زری کے تاروں سے لکھنے میں مصروف ہے۔

☆ یاور حسین

یہ بھی لاہور کا فن کار ہے۔ اس نے خطاطی کو نیا رخ دیا ہے۔ یہ تھر موپول شیٹ پر اون کے دھاگوں سے خطاطی کرتا ہے۔ یہ بالکل نیا فن ہے۔

☆ راجو بھائی

یہ موضع جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں کا فن کار ہے۔ وہاں آرٹ کارنر کے نام سے اس کا ایک ادارہ ہے۔ یہ لکڑی پر

کھدائی کرتا ہے اور لاکھ کے ساتھ بھر کر خطاطی اور تصویر کشی کرتا ہے۔

لکڑی پر لاکھ کے ساتھ خطاطی
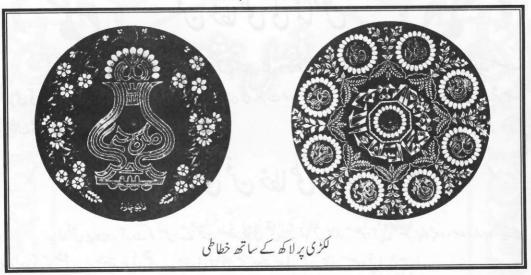
☆ اثیر الرحمٰن گھکڑ

اس کی پیدائش حیدر آباد سندھ کی ہے۔ ۲۳ر فروری ۱۹۶۰ء میں پیدا ہوا۔ تعلیم سیالکوٹ میں حاصل کی۔ رہائش لاہور میں ہے۔ اس نے ایک قدیم ہنر زندہ کیا ہے۔ اور چاول کے دانے، چنے کی دال، ماش کی دال پر خطاطی کرتا ہے۔ باریک ہونے کے باعث عدسے کے بغیر پڑھنا دشوار ہے۔ یہ اون بننے کی مشین سے سوئٹروں پر تصویریں بناتا ہے اور خطاطی کرتا ہے۔

چنے کی دال کے دانے پر خطاطی

چاول کے دانے پر بسم اللہ

چنے کی دال کے دانے پر خطاطی
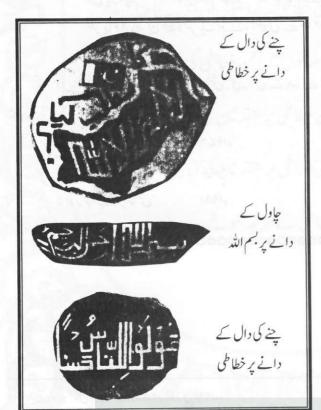
فن خطاطی کی نمائش

فن کی قدر دانی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ پاکستان میں وقتاً فوقتاً بعض فنی اداروں کی جانب سے فنون لطیفہ خصوصاً خطاطی کی نمائشیں منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ ناظرین با تمکین کی کثرت اور شرکاء نمائش کی تعداد ظاہر کرتی ہے کہ یہ فن شریف پاکستان میں مقبول ہو رہا ہے۔

کل پاکستان فن خطاطی کی نمائش

یہ نمائش بہاولپور آرٹ کونسل کے تحت منعقد ہوئی تھی۔ یہ نمائش مختار مسعود ڈپٹی کمشنر بہاولپور، صدر اردو اکیڈمی بہاولپور کی کوشش سے منعقد ہوئی تھی۔ یہ جنوری ۱۹۶۲ء میں معقد ہوئی تھی۔ مختار مسعود فرماتے ہیں!

> "آج صدیوں بعد بھولی ہوئی راہ یاد دلائی ہے۔ اور غالبًا بہادر شاہ ظفر کے دربار کے بعد پہلی بار اعجاز قلم کا مظاہرہ اور مقابلہ منعقد کیا جا رہا ہے۔ اس مقابلے میں پاکستان کے تقریباً ۸۰ ماہرین خطاط شریک ہوئے، جنھوں نے ۴۰۰ سے زائد نمونے نگار خانے میں پیش کیے۔"(۱)

اس اعتبار سے یہ پاکستان کی اولین نمائش تھی۔ اس کے بعد سے بہت سی نمائشیں منعقد ہوتی رہیں۔ قریب کے دور میں:-

آرٹس کونسل نمائش لاہور	۱۹۷۶ء
پنجاب خطاطی نمائش	۱۹۷۷ء
لاہور عجائب گھر نمائش	۱۹۸۱ء

oooooooooooooooo

۱- ہفت روزہ "لیل و نہار" لاہور ۲۸ر جنوری ۱۹۶۲ء،

فصل ہشتم

قرآن کہتا ہے
ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین
یقیناً اللہ
احسان کرنے والوں کا اجر
ضائع نہیں کیا کرتا

باب ۴۱
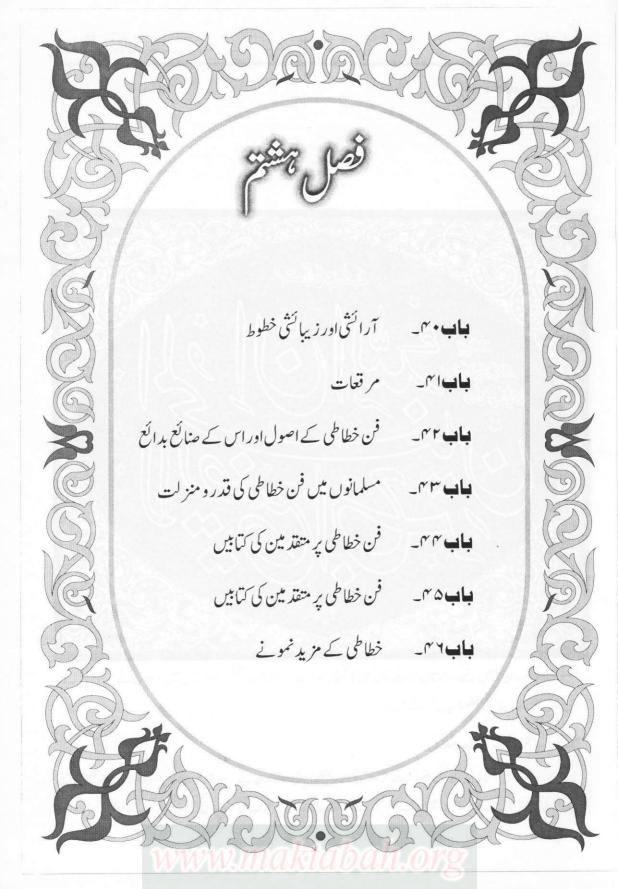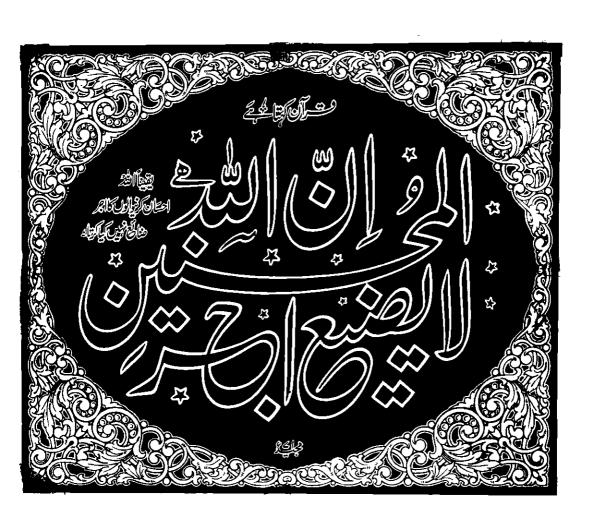
آرائشی اور زیبائشی خطوط

مشہور اور معروف خطوط اور اقلام کے علاوہ خوش نویس کچھ اور خطوط بھی استعمال کرتے ہیں۔ معروف معنوں میں تو یہ نئے خطوط نہیں ہیں۔ اس لئے کہ یہ سب عموماً خط نستعلیق میں ہی لکھے جاتے ہیں۔ نئے اس معنی میں ہیں کہ حروف کے جوف میں اور حاشیوں پر نئی نئی جدتیں اختیار کرتے ہیں تاکہ خوبصورت نظر آئیں۔ یہ درحقیقت آرائشی اور زیبائشی خطوط ہیں۔ یہ مصنوعی اور جعلی خطوط ہیں۔ انسان جدت پسند واقع ہوا ہے۔ خط میں جدت پسندی کا اظہار ان آرائشی خطوط کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ لوح کتاب اور عنوان مضمون کو آراستہ کرنے اور خوبصورت بنانے کی ضرورت کے پیش نظر یہ آرائشی اور زیبائشی خطوط استعمال کرتے ہیں۔

یہ خطوط چونکہ آرائشی ہیں اس لئے ان خطوط میں ایک ایک دو دو قطعات ہی لکھے جاسکتے ہیں۔ مبسوط تحریریں اور کتابیں جن سنجیدہ مقاصد کے تحت لکھی جاتی ہیں، ان کے لئے یہ مصنوعی خطوط موزوں نہیں ہیں۔ یہ خطوط درحقیقت تفنن طبع کے لئے ہیں۔

تحقیق سے یہ بات معلوم نہیں ہے کہ ان خطوط کا آغاز کب اور کس طرح ہوا۔ عام خیال یہ ہے کہ عرب دور میں یہ مصنوعی اقلام رائج نہیں تھے۔ دبستان ہرات میں ان کا آغاز ہوا ہے اور دبستان مغل ہندوستان میں انہوں نے فروغ پایا ہے۔ ذیل میں ہم چند زیبائشی خطوط بیان کرتے ہیں۔

☆ حروف کی حدبندی

آرائشی خطوط میں اولین ضرورت حروف کی اور لفظوں کی حدبندی ہے۔ حدبندی سے مراد وہ جگہ ہے جو لکھتے وقت ایک حرف گھیرتا ہے۔ عام حالت میں جب ہم قلم سے حرف بناتے ہیں تو حرف کی حدبندی قلم کی گردش کے ساتھ ساتھ خود

بخود ہوتی رہتی ہے۔ مزید بر آں اس حد بندی میں روشنائی داخل ہوتی رہتی ہے۔ آرائشی خطوط میں حروف کی حد بندی تو ہوتی ہے مگر ان کے اندر روشنائی داخل نہیں ہوتی۔ ان کا جوف یعنی پیٹ خالی رکھا جاتا ہے۔ اس خالی جوف میں حسب دلخواہ گلکاری کی جاتی ہے۔ حد بندی کے لئے دو طریقے رائج ہیں۔

خاکہ: کاتب اگر مشاق ہو تو وہ کاغذ پر پنسل سے حروف کے کنارے بنالیتا ہے۔ اس طرح حد بندی ہو جاتی ہے۔ پھر ان خالی حروف کی گلکاری کی جاتی ہے۔

چربہ: مگر جو لوگ ابھی اس قدر مشاق نہیں ہوتے ہیں وہ تحریر پر باریک کاغذ رکھ کر ہو بہو اس کی نقل اتارتے ہیں۔ اس کے لئے آج کل ٹریسنگ پیپر بازار میں ملتے ہیں۔ پھر اس چربہ سے دوسرے کاغذ پر نقل بنائی جاتی ہے۔ پھر ان حروف کے اندر رنگ و روغن بھرا جاتا ہے۔ چربہ نکالنے میں زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے۔

☆ خطِ گلزار

جو تحریر لکھنی مقصود ہے پہلے باریک پنسل سے اس کا خاکہ بنالیتے ہیں۔ پھر الفاظ کے جوف میں پھول، پھل، پتے اور بیل بناتے ہیں۔ گلکاری کی تو کوئی حد نہیں ہے۔ جو بھی نقشہ کاتب کے ذہن میں آجائے وہ بن سکتا ہے۔ البتہ حروف کی ساخت خطاطی کے قواعد کے مطابق ہونی چاہئے۔(۱)

☆ خطِ غبار

مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق تحریر کا خاکہ بنالیا جاتا ہے۔ پھر جوف حروف میں نہایت ہی باریک خط میں تحریر لکھی جاتی ہے۔ جتنی باریک ہو اتنی ہی پسندیدہ ہے۔ دور سے یہ تحریر غبار کی مانند نظر آتی ہے۔ اس لئے اس کو خط غبار کہتے ہیں۔(۲)

☆ خطِ ماہی

پہلے حروف کا خاکہ بنالیتے ہیں۔ پھر اس کے اندر مچھلی کی شکل بناتے ہیں۔ جس طرف حرف کا موٹا حصہ ہوتا ہے وہاں مچھلی کا سر اور آنکھ بناتے ہیں اور جہاں حرف کا باریک حصہ ہوتا ہے وہاں مچھلی کی دم بناتے ہیں۔ درمیان میں چھوٹے چھوٹے گول دائرے اس انداز سے بناتے ہیں کہ یہ مچھلی کی فلس نظر آتے ہیں۔ اس کو خط ماہی کہتے ہیں۔

☆ خطِ ہلال

حروف کی حد بندی کے بعد سادہ زمین میں بہت سی ہلال کی شکلیں بناتے ہیں۔

۱۔ صحیفہ خوشنویساں، ص ۵۳، ۵۴، ۲۔ صحیفہ خوش نویساں، ص ۵۳، ۵۴،

☆ خطِ مروارید یا جوہر

حروف کی حد بندی کر لینے کے بعد سادہ زمین میں گول گول دائرے موتیوں کے مشابہ بناتے ہیں۔

☆ خطِ انجم

حروف کی حد بندی کے بعد سادہ زمین میں ستارہ (پنج پہلو) کی شکل بناتے ہیں۔

☆ خطِ منقش

حروف کی حد بندی کر لینے کے بعد سادہ زمین میں نقش و نگار بناتے ہیں۔

☆ خطِ فواکہات

حروف کی حد بندی کے بعد سادہ زمین میں مختلف قسم کے پھل بناتے ہیں۔

☆ خطِ افشاں

حروف کی حد بندی کر لینے کے بعد حروف کے کناروں پر غبار نما لکیریں کھینچتے ہیں۔ جو دلہن کے ماتھے کی افشاں سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس لئے اس کو خط افشاں کہتے ہیں۔

☆ خطِ سایہ

حروف کے متوازی گہری کالی موٹی لکیر کھینچتے ہیں، جس سے حروف کا سایہ دکھانا مقصود ہوتا ہے۔

☆ خطِ لرزہ

حروف بناتے وقت ایسی لرزش پیدا کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کانپتے ہوئے ہاتھ سے لکھی گئی ہے یا کسی رعشہ والے شخص نے لکھی ہے۔ اس لئے اس کو خط مرتعش بھی کہتے ہیں۔

☆ خطِ ابری

حروف کے جوف میں دائرہ نما ایسے خطوط بناتے ہیں جیسی سمندر کی لہریں ہوتی ہیں۔ اس کو خط ابری کہتے ہیں۔

☆ خطِ منشور

حروف گویا فیتے کے ٹکڑے ہیں۔ ان کو موڑ توڑ کر حروف بنائے جاتے ہیں۔

☆ خطِ توام

خطِ توام میں تحریر دو باریک کاغذوں پر لکھی جاتی ہے۔ تحریر کا ایک حصہ ایک کاغذ پر سیدھا اور دوسرا حصہ دوسرے کاغذ پر الٹا لکھا جاتا ہے۔ دونوں کاغذوں کو ملا کر حروف کی حدبندی نہایت باریک خطوط سے کی جاتی ہے۔ پھر ان کاغذوں پر گلکاری کر دی جاتی ہے۔ ایک کاغذ پر اوپر کی جانب سے اور دوسرے کاغذ پر نیچے کی جانب سے۔ پھر جب دونوں کاغذوں کو ملا کر روشنی میں دیکھتے ہیں تو حروف جلی خط میں صاف نظر آتے ہیں۔ خطِ توام کا دوسرا نام خط چپ نویسی بھی ہے۔

دبستانِ ہرات کا مشہور خطاط مجنون بن محمود ریق خط توام کا مخترع ہے۔ اس کی وفات ۹۰۹ھ میں ہوئی ہے۔ وہ رسالہ خط و سواد میں کہتا ہے ۔

توااماں مخترع مجنون است
کز قلم چہرہ کشائیہا کرد(۱)

☆ خطِ ناخن

اس خط میں نہ قلم استعمال ہوتا ہے اور نہ روشنائی۔ کاغذ بھی دبیز اور مضبوط استعمال کیا جاتا ہے۔ اس خط کے ماہر خطاط بیچ کی انگلی کا ناخن کافی بڑا کر لیتے ہیں۔ پھر انگوٹھے اور بڑھے ہوئے ناخن کی مدد سے کاغذ پر حروف کو ابھارتے ہیں۔ لکھنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ انگوٹھا کاغذ کے اوپر کی جانب اور چاروں انگلیاں کاغذ کی نیچے کی جانب ہوتی ہیں۔ پھر انگوٹھے کے ناخن سے اور درمیانی انگلی کے ناخن کی مدد سے کاغذ پر حروف کو ابھارتے ہیں- بائیں ہاتھ سے کاغذ پر گرفت سخت رکھتے ہیں تاکہ وہ کھسک نہ جائے، بلکہ تنا ہوا رہے اور حسب ضرورت کاغذ کو گردش دیتے رہتے ہیں۔ حروف کی حدبندی کے لئے جو لکیریں کاغذ پر ڈالی جاتی ہیں، وہ کاغذ کے نیچے والے حصہ میں ہوتی ہیں۔ اوپر کے حصہ میں حروف ابھرے ہوئے واضح نظر آتے ہیں۔ حروف کی ساخت خوشنویسی کے قواعد کے اصول کے مطابق ہوتی ہے۔ خط نستعلیق کے مطابق تحریر ہوتی ہے، حروف کی نوک پلک بالکل درست ہوتی ہے۔ کرسی نشست بھی ٹھیک ہوتی ہے۔

خط ناخن کا ایک نادر نمونہ الور راجستھان کے عجائب خانے میں موجود ہے۔ وہاں پند نامہ سعدی یعنی کریما مکمل، نہایت جلی خط میں اور خوشنما بڑے سائز کے موٹے کاغذ پر خط ناخن سے ابھرے ہوئے حروف میں لکھی ہوئی موجود ہے۔ یہ

۱۔ ان تمام خطوط کی مثالیں ''ید بیضا'' میں بھی موجود ہیں، مرتب ایم ایم شریف آرٹسٹ پشاور، مطبوعہ ۱۹۶۰ء،

نسخہ ۱۸۴۰ء میں مہاراجہ بنے سنگھ والی الور کے زمانے میں تیار ہوا ہے۔ افسوس اس پر کاتب کا نام درج نہیں ہے۔ جس نے اس طرح اپنے کمال فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ خط ناخن میں عام طور پر ایک دو اشعار یا قطعات لکھے ہوئے ملتے ہیں۔ یہ واحد مثال ہے کہ مکمل کتاب خط ناخن سے لکھی گئی ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسری کتاب کا علم نہیں۔

☆ خطِ طغریٰ

طغریٰ پیچیدہ خطوط کی اس تحریر کو کہتے ہیں جو عام طور پر شاہی فرامین کے سرنامے کے طور پر لکھی جاتی ہے۔ طغریٰ کا جس طرح لکھنا دشوار ہے اسی طرح پڑھنا بھی دشوار ہے۔ شاید یہ طریقہ کار قصداً اختیار کیا گیا ہو، تاکہ دشمن شاہی فرمان کی نقل نہ اتار سکے۔ جعلی فرامین نویسی سے بچنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔

طغریٰ نویسی کا رواج بہت قدیم زمانے میں ملتا ہے۔ سلجوقیوں کے زمانے میں یہ طریقہ رائج تھا، مگر بطور خط کے خط طغریٰ کو عروج آل عثمان ترکیہ نے دیا ہے۔ جتنا ترکیہ میں اس کو مقبولیت حاصل تھی کسی ملک میں نہیں تھی۔ سلجوقیوں کے دور میں طغرائی اصفہانی (۱۰۶۱۔۱۱۲۱ھ) مشہور ہے جو طغریٰ نویسی کی وجہ سے طغرائی مشہور ہو گیا۔

طغریٰ میں بادشاہ کا نام، القاب، خاندان وغیرہ لکھے جاتے ہیں۔ اس لئے اس کی خاص اہمیت تھی۔ اس کام کے لئے خاص خاص افراد متعین ہوتے تھے۔ شاہی فرمان طغریٰ بس ایک فرد لکھ سکتا تھا۔

طغریٰ نویسی میں حروف کو باہم اس طرح پیوستہ ملا کر لکھتے ہیں کہ تحریر کی ایک خوبصورت شکل بن جاتی ہے۔ خواہ وہ شکل جاندار ہو یا بے جان۔ اس وجہ سے اس کا لکھنا بہت دشوار ہے۔ صرف مشاق خطاط ہی طغریٰ لکھ سکتے ہیں۔ عرب ممالک میں خط نسخ اور خط اور ثلث میں طغریٰ ملتے ہیں۔ اس لئے کہ ان ممالک میں یہی دو خط رائج تھے۔ ہندوستان اور ترکیہ کے طغریٰ نویس بھی زیادہ تر خط طغریٰ لکھتے تھے۔ خط نستعلیق میں طغرے بہت کم ہیں۔ بقول صاحب صحیفہ خوش نویساں منشی ہیرالال ساکن جے پور خط نستعلیق میں طغریٰ لکھتے تھے۔(۱) انہوں نے ایک کتاب طغرائے نستعلیق لکھی تھی جو شائع بھی ہوئی تھی، جس کے اندر تمام طغرے خط نستعلیق میں لکھے ہوئے تھے۔

☆ خطِ تاج

مغربی زبانوں میں یہ قاعدہ متعارف ہے کہ ہر جملے کا پہلا حرف اور علم کا پہلا حرف بڑے حروف میں لکھا جاتا ہے۔ تا کہ وہ نمایاں نظر آئے۔ اس کو (Captial Letter) کہتے ہیں۔

اس طریقہ کار کی تقلید میں مصر کے بادشاہ فواد اول کی خواہش ہوئی کہ عربی زبان میں بھی اس نوع کا کوئی طریقہ استعمال کرنا چاہیئے۔ ۱۳۴۸ھ / ۱۹۳۰ء میں اس نے مصر کے تمام خطاطوں اور خوش نویسوں کو دعوت دی کہ وہ کوئی ایسا طریقہ

۱- صحیفہ خوش نویساں، ص ۵۵،

اختراع کریں جو یہ غرض پوری کر سکے۔ اس موقع پر مشہور مصری خطاط محمد آفندی نے اس غرض کے لئے خط تاج ایجاد کیا۔ خط تاج میں حرف کی موجودہ شکل پوری طرح باقی رہتی ہے۔ بس اس کے سر پر ایک تاج یا قبہ نما شکل بنا دی جاتی ہے۔ خط تاج شاید اس کو اس وجہ سے کہا جاتا ہے، یا ممکن ہے کہ اس وجہ سے کہا گیا ہو کہ ایک تاج دار کی خواہش کے احترام میں یہ خط ایجاد ہوا ہے۔ بہر کیف یہ خط خوبصورت بھی ہے اور خوشنما نظر آتا ہے۔ ۱۳۴۹ھ کے ایک حکم نامے کے ذریعے بادشاہ نے اس خط کو پوری مملکت میں عام کر دیا، لیکن مصر کے باہر اس کا استعمال بہت کم ہے۔(۱) یہ بھی ایک نوع کا تزئینی خط ہے۔

ا۔ اطلس خط، ص ۲۹۴۔

خط کوفی گلزار

خط ماہی، خط ابری اور خط گلزار کا مشترکہ نمونہ

خط تغریٰ

حروف تہجی، خط تاج

ا ا	ب ب	ت ت	ث ج	ح خ	د ذ	ر ز	س ش
ص ض	ط ظ	ع غ	ف ق	ک ل	م ن	ه و	لا ی
أَهلٌ	بَابٌ	بَدرٌ	بَلَحٌ	تَمرٌ	تَلَفٌ	تَبَعٌ	ثَوبٌ
هُدًی	جَاهٌ	جَلَالٌ	حَجٌّ	حَزمٌ	خَطٌّ	دَلوٌ	ذَهَبٌ
اُمٌّ	أَجرٌ	سَلٌّ	سَلَامٌ	شَطٌّ	شِقٌّ	صَلَاةٌ	صِدقٌ
صَعبٌ	ضَحِكٌ	طِرَازٌ	طَوعٌ	ظِلَالٌ	ظَبیٌ	ظَفَرٌ	عَارِفٌ
غِطَاءٌ	غَیبٌ	فَصٌّ	قَفزٌ	كُتُبٌ	لُطفٌ	مُكَاءٌ	مِدَادٌ
	نُبَلَاءُ	نُعَسٌ	نُوقٌ	وِزرٌ	هَلَ	هِلَالٌ	

خط توام

آرائشی صفحات

آرائش اور زیبائش کی دوسری قسم صفحات کتاب کی آرائش ہے۔ مختلف تدبیروں سے صفحات کو خوبصورت بناتے تھے۔ اس کے لئے مختلف روشنائی اور رنگ استعمال کرتے تھے۔

☆ لوح

خطاط عام طور پر کتاب کے پہلے صفحے کو آراستہ اور مزین کرتے تھے۔ سونے کے پانی سے یا کسی اور رنگ کی روشنائی سے تحریر کے گرد جدول کھینچے تھے۔ اوپر کا حصہ جو لوح کہلاتا تھا محراب دار، ستون دار یا تختی کی مانند ہوتا تھا۔ اس میں سونے کی پانی سے یا نیلم سے گلکاریاں بناتے تھے۔ پہلا صفحہ نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب ہوتا تھا۔

☆ حوض

جدول کے اندر کے حصے کو حوض کہتے تھے۔ جس میں عبارت لکھی جاتی تھی۔

☆ حاشیہ

جدول کے باہر کناروں کو حاشیہ کہتے تھے۔ حوض کی تحریر کو متن کہتے تھے۔ حاشیہ کی تحریر کو حاشیہ کہتے تھے۔

☆ زر افشاں

زر افشاں اس کاغذ کو کہتے تھے جس پر زعفران کے پانی سے یا سونے کی پانی سے باریک باریک بندکیاں یا ذرات چمکانے کے لئے ڈالتے تھے۔

☆ لپہ

پورے کاغذ پر سونے کا پانی پھیرتے تھے جو دور سے سونے کا ورق نظر آتا تھا۔

☆ موش دنداں

کاغذ پر سونے کے پانی سے کنگھنے بناتے تھے گویا یہ چوہے کے دانت ہیں۔ اس لئے اس طریقے کو موش دنداں کہتے تھے۔

☆ جدول

عبارت کا احاطہ کرنے والا خط ہے۔ خواہ کالا ہو یا سنہری،

☆ باریکا

جدول سے جدا ایک اور خط کھینچے تھے جس کو باریکا کہتے تھے۔

اصطلاحات قلمی کتب

☆ عرض دیدہ شدہ

اس سے مراد یہ ہے کہ بادشاہ نے یہ کتاب خود دیکھی ہے اور اگر صرف شاہی مہر ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ شاہی کتب خانے میں رہی ہے۔

☆ صاد کا نشان

اس کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ نے اس کا مطالعہ بھی کیا ہے۔

☆ ترک یا سلک

صفحہ کے بائیں کنارے پر وہ لفظ درج کرتے ہیں جس سے آئندہ صفحہ شروع ہوتا ہے۔ یہ ترتیب برقرار رکھنے کے لئے ہوتا ہے۔ عربی میں ترک یا سلک فارسی میں رشتہ اور انگریزی Catch Word کہتے ہیں۔

☆ بلغ

اگر کتابت شدہ نسخے کا اصل نسخے سے مقابلہ کیا جائے تو بلغ لکھ دیتے ہیں۔

☆ ترقیمہ

کتاب کے آخر میں جو عبارت گاؤدم کی شکل میں لکھی جاتی ہے وہ ترقیمہ کہلاتی ہے۔ اس میں مصنف، کتاب اور سن وغیرہ درج ہوتا ہے۔ بعض دفعہ کاتب بھی ترقیمہ لکھتا ہے۔

☆ تملکات

کتاب کے اول صفحے پر یا آخری صفحے پر مختلف لوگ جو اس کتاب کے مالک رہے ہیں وہ اپنی اپنی مہریں ثبت کرتے ہیں، ان کو تملکات کہتے ہیں۔

باب ۴۲

مرقعات

☆ مرقع

یاد الہٰی میں اوقات بسر کرنے والے فقراء اور صوفیاء دنیا سے بے تعلق ہو جاتے ہیں۔ موٹا جھوٹا پہنتے ہیں اور موٹا جھوٹا کھاتے ہیں۔ سردی اور گرمی کی شدت اور حدت سے بچنے کے لئے عموماً وہ ایک گدڑی پہنتے ہیں، جس کو دلق کہتے ہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

عبادت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

پھٹے پرانے کپڑوں کے ٹکڑے جوڑ جوڑ کر یہ گدڑی تیار کی جاتی تھی۔ کپڑے کے ٹکڑے کو فارسی میں پیوند اور عربی میں رقعہ کہتے ہیں۔ اس لئے گدڑی کو عربی میں مرقع کہتے ہیں۔ یہ پیوند مختلف کپڑوں کے اور مختلف رنگوں کے ہوتے تھے۔ اس وجہ سے مرقع میں نیرنگی کا مفہوم بھی پیدا ہو گیا۔

تیموریان ہرات میں خطاطی اور خوشنویسی کا ذوق قومی پیمانے پر پھیل گیا تھا۔ قدردان لوگ مختلف اساتذہ اور ماہر خطاطوں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نمونے، تحریریں اور وصلیاں جمع کرتے تھے اور اس سلسلہ میں بڑی محنت و مشقت برداشت کرتے تھے۔ ایسے تحریری نمونوں کو اور نقاشوں کی تصویروں کو وہ پھر ایک جگہ مجلد کر لیتے تھے۔ ان کی نیرنگی کے باعث وہ ان کو مرقع کہتے تھے۔ جس طرح آج کل تصویروں کے مجموعے کو البم کہتے ہیں۔ یہ اس دور کے البم تھے۔ بادشاہ، نوابین، امراء اور دیگر صاحبان ذوق اپنی اپنی دسترس کے مطابق مرقع تیار کرتے تھے اور اس پر ہزاروں روپے خرچ کرتے تھے۔ اس طرح وہ اپنے ذوق کی تسکین کرتے تھے۔

تیموریوں سے قبل تاتاریوں کے زمانے میں یا عباسی دور میں مرقع کا وجود نہیں ملتا۔

فن کی تاریخ کے نقطۂ نظر سے یہ مرقعات بے حد اہم ہیں۔ ان مرقعات کی بدولت آج ہم ماضی کے فن کاروں کے اصلی نمونے دیکھ سکتے ہیں اور پرکھ سکتے ہیں۔ ان کے فن کی خصوصیت سے اور باریکیوں سے واقف ہو سکتے ہیں۔ فن کاروں کے درمیان مقابلہ اور محاکمہ کر سکتے ہیں۔ اگر یہ مرقعات موجود نہ ہوتے تو ماضی میں رائج بہت سے خطوط کے نام سے ہی آشنائی ہوتی، ان کی صورت اور ساخت سے ناواقفیت رہتی۔ ماضی کے بہت سارے مرقعات دنیا کے بڑے بڑے عجائب خانوں میں محفوظ ہیں اور ماہرین خطاط اور ماہرین جمالیات کے ذوق کی تسکین کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔ ذیل میں چند مشہور مرقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

☆ ۱۔ ارتنگ یا ارژنگ

ایرانی فن کاروں کے نزدیک دنیا کا سب سے پہلا مرقع ارتنگ یا ارژنگ ہے۔ مانی ایران میں ایک نئے مذہب کا بانی تھا۔ وہ شاپور اوّل (۲۴۰-۲۷۲ء) کا ہم عصر تھا۔ اس کی الہامی کتاب کا نام ارتنگ تھا۔ چونکہ وہ بہت بڑا نقاش تھا اس لئے اس نے اس کتاب میں نقش و نگار بنائے تھے اور کتابوں کو مختلف رنگین شکلوں سے مزین کیا تھا۔ مانی کو شاہ پور نے قتل کرا دیا تھا۔ اس کا مذہب بھی جلد ہی فنا ہو گیا۔ مگر ایران میں مانی کی شہرت بہ حیثیت نقاش کے برقرار رہی۔ اردو کے مشہور شاعر غالب فرماتے ہیں ؎

نقش نازِ بت طناز باغوش رقیب
پائے طاؤس پئے خامہ مانی مانگے

کیا ارژنگ کو پہلا مرقع کہا جا سکتا ہے؟

☆ ۲۔ مرقع میر علی تبریزی

میر علی تبریزی خط نستعلیق کا مخترع ہے۔ اس کا تذکرہ اپنے مقام پر کیا جا چکا ہے۔ اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے بارہ رقعات (مجموعے) طہران ایران کے سرکاری کتب خانے میں موجود ہیں۔ یہ دراصل حضرت علی کرم اللہ وجہ کے بارہ خطوط ہیں جن کا مصنف نے فارسی زبان میں ترجمہ کیا ہے اور اپنے خط سے خوبصورت لکھا ہے۔ خط کا نمونہ بھی خط نستعلیق کا قدیم ترین نمونہ ہے۔ یہ قدیم ترین مرقع ہے۔ میر علی تبریزی کا انتقال ۸۵۰ھ میں ہوا ہے۔

☆ ۳۔ مرقع مرزا جعفر تبریزی

فنون لطیفہ کی قدردانی اور آبیاری میں تیمور کا پوتا شہزادہ بایسنغر مرزا شاید ساری دنیا میں منفرد اور ممتاز تھا۔ اعلیٰ قسم

کے ہنر مند اور فن کار اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ ان کی تعداد چالیس تھی۔ ان تمام فن کاروں کا سربراہ میر جعفر تبریزی تھا۔ یہ شخص ہفت قلم تھا۔ خط ثلث، ریحان، رقاع، توقیع، نسخ اور نستعلیق کا ماہر تھا۔ شاہنامہ فردوسی بایسنغری کتابت، تجلید اور تذہیب کے اعتبار سے دنیا کی حسین ترین کتاب شمار کی گئی ہے۔ وہ اسی نابغہ خطاط جعفر تبریزی کے قلم کی تحریر کردہ ہے۔

جعفر تبریزی نے ایک مرقع تیار کیا تھا جس میں اقلام ستہ اور نستعلیق کے نمونے جمع کئے تھے۔ یہ قدیم ترین مرقع ہے۔ جعفر تبریزی ۸۵۹ھ تک زندہ رہا ہے۔ مرقع فی الحال جرمنی کے مشہور شہر ٹوبن گن Tuben Gen کی جامعہ کے کتب خانے میں موجود ہے۔

☆ ۴۔ مرقع شمس الدین بایسنغری

شمس الدین بایسنغری مرزا کے دربار سے وابستہ تھا، بلکہ فن خطاطی میں بایسنغر کا استاد تھا۔ شش قلم کا ماہر تھا۔ اس نے ایک مرقع تیار کیا تھا۔ جس میں خط ثلث، رقاع اور نسخ کے نمونے درج ہیں۔ گمان غالب یہ ہے کہ اس نے یہ مرقع ہرات کی فن کارانہ فضا میں بیٹھ کر تیار کیا۔ اس پر تاریخ کتابت ۸۲۹ھ درج ہے۔ یہ مرقع عجائب خانہ آثار اسلامی قسطنطنیہ میں موجود ہے۔

☆ ۵۔ مرقع امیر یعقوب بیگ

امیر یعقوب بیگ آذربائیجان کا بادشاہ تھا۔ (۸۸۲-۸۹۶ھ) اس کے دربار میں عبدالرحیم بن عبدالرحمن خوارزمی مشہور خطاط تھا۔ سلطان کی فرمائش پر عبدالرحیم نے ایک عظیم مرقع تیار کیا تھا، جس میں اس دور کے مشہور خطاطوں کے نمونے درج کئے تھے۔ یہ مرقع سلطان یعقوب کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مرقع کتب خانہ خزینہ اوقاف استنبول میں موجود ہے۔

☆ ۶۔ مرقع محمد مومن

نورالدین محمد مومن مشہور خطاط شہاب الدین عبداللہ مروارید کرمانی کا فرزند تھا۔ علوم وفنون میں کامل دستگاہ رکھتا تھا۔ صفوی حکومت ایران میں اعلیٰ منصب پر فائز تھا۔ فن خطاطی موروثی تھا۔ اقلام شش گانہ میں ماہر تھا۔ شاہ طہماسپ صفوی نے اسے ایک مرقع تیار کرنے کے لئے حکم دیا تھا۔ بڑی محنت سے یہ مرقع تیار کر کے اس نے سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ جس میں مختلف اساتذہ کے نمونے جمع کئے تھے۔ ان نمونوں پر ۹۳۴-۹۴۷ھ تک کی تاریخیں درج ہیں۔

بدقسمتی سے یہ مرقع کسی طرح غلط ہاتھوں میں پہنچ گیا اور اس کے اوراق منتشر ہوگئے۔ بعض اوراق مرقع امیر حسین بیگ میں اور بعض اوراق مرقع امیر غیب بیگ میں شامل ہوگئے ہیں۔ بعض اوراق کتب خانہ توپ کاپی سرائے قسطنطنیہ میں موجود ہیں اور بعض اوراق کتب خانہ جامعہ استنبول میں موجود ہیں۔

☆ ۷۔ مرقع شاہ اسمٰعیل صفوی

یہ مرقع بھی شاہ اسمٰعیل نے تیار کرایا تھا۔ اس میں اس زمانے کے مشہور خطاط مثلاً میر علی ہروی وغیرہ کے نمونے درج ہیں۔ اس کا مقدمہ شمس الدین محمد صفی نے لکھا تھا۔ اس مقدمہ میں اس دور کے اہل ہنر افراد کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ مرقع ۹۱۶ھ میں تیار ہوا تھا۔ طوپ سرائے استنبول کے عجائب خانے میں یہ مرقع موجود ہے۔

☆ ۸۔ مرقع بہرام مرزا

شہزادہ بہرام مرزا شاہ اسمٰعیل صفوی کا لڑکا تھا۔ شعر و ادب سے بھی لگاؤ تھا، اور فنون لطیفہ کا بہت قدردان تھا۔ فن کاروں کی خوب پرورش کرتا تھا۔ اس کی یادگار ایک مرقع ہے۔ اس میں ۲۹۶ صفحات ہیں۔ (۱۴۸ اوراق)۔ ہر صفحے پر چند قطعات ہیں۔ خوش نویسی کے ساتھ تصویر مینا تور Minature نہایت خوبصورت انداز میں بنائی گئی ہے۔ ہم عصر خطاطوں کے نمونے جمع کئے ہیں- صفحات کے حاشیئے زرافشاں سے مزین ہیں۔ تصاویر کی تعداد ۶۱ ہے۔

شہزادہ نے اس کام کے لئے دوست محمد کو شوانی ہروی (۹۷۲) کو مامور کیا تھا کہ وہ کتب خانے میں ملازم افراد کے نمونے جمع کرے۔ ۹۵۱ھ میں یہ مرقع تیار ہوا۔ اس کے آغاز میں ایک طویل مقدمہ بھی دوست محمد نے لکھا ہے۔ جس میں پہلے خط کی تاریخ بتائی ہے۔ پھر مشہور خطاطوں اور فن کاروں کے حالات بیان کئے ہیں اور آخر میں شاہ طہماسپ صفوی کے کتب خانے میں ملازم خطاط، کاتب، مصور، مذہب، فنکاروں کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ یہ مرقع کتب خانہ توپ کاپی سرائے استنبول میں موجود ہے۔

اس مرقع پر دوست محمد کتابدار نے جو مفصل مقدمہ لکھا ہے اس کو جداگانہ کتاب کی شکل میں ''حالات ہنروراں'' کے نام سے ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی لاہوری نے ۱۹۳۶ء میں لاہور سے شائع کر دیا ہے۔

☆ ۹۔ مرقع امیر غیب بیگ

شاہ طہماسپ بیگ صفوی کے دربار کا ایک امیر غیب بیگ تھا۔ اس کو فنون لطیفہ کا بے حد شوق تھا۔ اس نے کوشش کر کے خاصی تعداد میں خطاطی کے نمونے اور تصویریں جمع کی تھیں۔ پھر اس نے مشہور خطاط سلطان علی مشہدی کو مامور کیا تھا کہ وہ اس مجموعے کو قرینے سے مرتب کرے۔ سلطان علی مشہدی نے اس پر ایک مبسوط مقدمہ لکھا۔ جس میں اس نے فن خطاطی کی تاریخ لکھی ہے اور اپنے ہم عصر خطاطوں اور فن کاروں کے حالات بھی لکھے ہیں۔ یہ مرقع ۹۷۲ھ میں تین سال کی محنت کے بعد تیار ہوا تھا۔ آج کل یہ مرقع کتب خانہ توپ کاپی سرائے استنبول میں موجود ہے۔

☆ ۱۰۔ مرقع امیر حسین بیگ

امیر حسین بیگ بھی شاہ طہماسپ اوّل کے دربار کا سردار تھا۔ اس کو بھی فنون لطیفہ کا ذوق تھا۔ بہت سے فن کاروں نے اپنی نگارشات اس کی خدمت میں پیش کی تھیں۔ کچھ اس نے خود بھی حاصل کی تھیں۔ ان سب کو اس نے ایک مرقع کی صورت میں ترتیب دیا۔ اس کا مقدمہ مشہور خطاط اور شاعر مالک دیلمی نے لکھا تھا۔ اس میں بھی خطاطوں اور فن کاروں کے حالات دیئے ہیں۔ اس مقدمہ میں یہ شعر درج ہے۔

چار چیز آمد کہ یابد دیدہ و دل نور ازاں
خط خوب و روئے خوب و سبزہ و آب رواں

مالک دیلمی کے قطعات بھی اس میں شامل ہیں۔ یہ مرقع ۹۶۷ھ میں تیار کیا گیا ہے۔ یہ مرقع بھی کتب خانہ توپ کاپی سرائے استنبول میں موجود ہے۔

☆ ۱۱۔ مرقع محمد محسن ہروی

یہ مرقع محمد محسن ہروی نے تیار کیا ہے۔ وہ خود بھی ماہر فنکار تھا۔ مرقع کا مقدمہ روش عام کے خلاف اس نے خود ہی لکھا تھا۔ افسوس اس ماہر فن کار کے حالات زندگی سے ہم لاعلم ہیں۔ یہ مرقع بھی کتب خانہ توپ کاپی سرائے استنبول میں موجود ہے۔

☆ ۱۲۔ مرقع محمد صالح

یہ مرقع محمد صالح نے تیار کیا ہے جو خود کو کاتب الخاقان لکھتا ہے۔ مرقع ۹۴۸ھ میں تیار ہوا ہے۔ سلطان کا نام ابوالغازی ولی محمد بہادر خاں لکھا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بخارا میں تیار ہوا ہے۔ یہاں ایک تاریخی الجھن ہے۔ ولی محمد بن جان محمد بخارا میں (۱۰۱۴-۱۰۲۰ھ) تک حکمراں رہا ہے۔ مرقع اس کی تخت نشینی سے ٦٦ سال قبل تیار ہوا ہے۔ ۹۴۸ھ کے قریب زمانے میں ولی محمد نام کا کوئی بادشاہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم!

ویسے یہ مرقع بہت ہی قیمتی ہے، اس میں دبستانِ بخارا کے نامور خطاطوں کے نمونے جمع ہیں۔ مثلاً سلطان علی مشہدی، میر علی ہروی، محمود بن اسحاق شہابی، محمد حسین تبریزی، میر معزبن کاشانی، سید احمد مشہدی وغیرہ، چند میناتورمنی ایچر تصویریں بھی ہیں۔

☆ ۱۳۔ مرقعات ولی الدین آفندی

ولی الدین آفندی ترکی کے مشہور علم و فضل کے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ خود بھی شیخ الاسلام کے منصب وقیع پر فائز تھا۔ (۱۱۷۳-۱۱۸۰ھ) یہ خط نستعلیق بہت خوبصورت لکھتا تھا۔ اس نے تین مرقعات تیار کئے تھے۔ ایک مرقع میر عماد کے خطوط اور قطعات پر مشتمل تھا۔ دوسرے مرقع میں میر علی ہروی کے خطوط اور قطعات جمع کئے تھے۔ تیسرے مرقع میں دوسرے اساتذہ فن کے نمونے اور نگارشات جمع کی تھیں۔ ان سب کو انہوں نے خود ہی جمع کیا تھا اور خود ہی بڑے سلیقے سے ان کو ترتیب دیا تھا۔ یہ مرقعات فن نستعلیق کے لئے بہت بڑا خزانہ ہیں۔ یہ مرقعات جامعہ استنبول کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔

☆ ۱۴۔ مرقع عادل شاہی

دکن (ہندوستان) میں ابراہیم عادل شاہ کا دور حکمرانی (۹۸۷-۱۰۳۵ھ) علم و فضل کی ترقی کے لئے بہت مشہور ہے۔ فن کتابت کی بھی اس کے دربار میں بہت قدر تھی۔ سب سے بڑا کاتب اور خطاط تو میر خلیل اللہ تھا۔ بادشاہ نے ایک کتاب "نورس" لکھی تھی۔ جس کو نہایت خوبصورت لکھ کر خلیل نے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ جس پر مقدمہ مشہور ادیب ملانورالدین ظہور ترشیزی نے لکھا تھا۔ یہ سہ نثر ظہوری کے نام سے مشہور ہے اور فارسی ادب کا ایک شاہکار ہے۔ اس بادشاہ کے دربار سے وابستہ ایک اور خطاط عبدالرشید تھا۔ جس نے بادشاہ کے لئے ایک مرقع تیار کیا تھا جس میں مختلف خطاطوں کے نمونے شامل کئے تھے۔ ہندوستان میں تیار ہونے والا یہ پہلا مرقع تھا۔ اس کو مرقع عادل شاہی کہتے ہیں۔(۱) یہ آج کل کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد دکن میں محفوظ ہے۔

☆ ۱۵۔ مرقع اکبر

یہ مرقع اکبر بادشاہ (۹۶۳-۱۰۱۴ھ) نے شہزادہ جہانگیر کے لئے تیار کرایا تھا۔ ایران اور ہندوستان کے مشاہیر خطاطوں اور مصوروں نے جو تحفے مغل شہنشاہ اکبر کی خدمت میں پیش کئے تھے۔ ان سب کو جمع کر لیا گیا۔ اس لئے اس میں تصاویر بھی ہیں۔ ایک مجلد اور مذہب چیز تیار ہو گئی۔ یہ مرقع ۹۹۲ھ میں تیار ہوا تھا۔ علامہ فیضی نے "مرقع بے مثل" سے اس کی تاریخ نکالی تھی۔ جس کے عدد ۹۹۲ ہوتے ہیں۔(۲) اس کا مقدمہ علامہ ابوالفضل نے عجیب و غریب اسلوب نگارش میں لکھا ہے، اس مقدمے میں فن کی تاریخ اور ہم عصر فن کاروں کے حالات بیان کئے ہیں۔ یہ مشہور مرقع آج شاہی کتب خانہ تہران میں موجود ہے۔

۱۔ صحیفہ خوشنویسان، ص ۱۲۶، ۲۔ سرگزشت نستعلیق، ص ۱۰۹،

☆ ۱۶۔ مرقع جہانگیر

بادشاہ بن جانے کے بعد جہانگیر نے خود بھی ایک مرقع تیار کیا تھا۔ وہ فنون لطیفہ کا شیدائی تھا۔ بلکہ اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ ہندوستان کے بادشاہوں میں فنون لطیفہ کا سب سے زیادہ قدر دان بادشاہ شہنشاہ جہانگیر تھا تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ اساتذہ فن نے جو نمونے بادشاہ کی خدمت میں پیش کئے ان کو جمع کر کے اس نے ایک مرقع تیار کیا تھا۔ مرقع جہانگیر کی کتابت مشہور خطاط محمد حسین زریں رقم نے کی ہے۔ سن کتابت ذیل کی رباعی سے ظاہر ہے۔

این مرقع کہ بتوفیق الہ
صورت آرائے شد از لوح و قلم
رشک گلزار ارم تاریخش
۹ ۱ ۰ ۱ ھ
چہرہ پرداز خود کردہ رقم

"رشک گلزار ارم" سے ۱۰۱۹ھ سال ہجری بر آمد ہوتا ہے۔

مرقع جہانگیر کے اوراق دستبرد زمانہ سے منتشر ہو چکے ہیں۔ پونا کے ایک پارسی قدر دان اردشیر کے پاس پچاس اوراق ہیں جن کا مطالعہ مشہور محقق ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے کیا ہے۔(۱) بعض اوراق طہران کے مرقع گلشن میں شامل ہیں۔ بعض اوراق نیویارک امریکہ میں ہیں۔ برلین اسٹیٹ لائبریری میں جو اوراق تھے ان کو ڈاکٹر کوہنل نے مرقع جہانگیر کے نام سے شائع کر دیا ہے۔

☆ ۱۷۔ مرقع شاہجہان

جہانگیر کے بعد شاہجہان بادشاہ ہوا۔ فنون لطیفہ کا یہ بھی بڑا قدر دان تھا۔ اس کا خاص ذوق تعمیرات کی جانب تھا۔ اس کے زمانے میں بھی ایک مرقع تیار ہوا۔ اس میں ہم عصر خطاطوں اور فن کاروں کے نوادرات جمع کئے گئے ہیں۔ بعض لوگ اس کو مرقع گلستان کہتے ہیں۔ اس میں ۸۸ ورق یا ۱۷۶ صفحات ہیں۔ مشہور شاعر کلیم ہمدانی نے ایک قطعہ لکھا ہے جو اس میں شامل ہے۔

طرح این گلشن شہ جنت مکاں کردہ نخست
این زماں لیکن گل اتمام بار آوردہ است
حسن سعی ثانی صاحبقراں شاہ جہاں

۱۔ سرگزشت نستعلیق، ص ۱۷۶،

آبشارِ پیش اندر جوئبار آوردہ است

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وہی مرقع ہے جو اکبر (جنت مکانی) نے بنایا تھا۔ پھر شاہجہان (صاحب قرأن ثانی) نے اس میں اضافہ کیا۔ اس کا سن تالیف "تاریخ شد مرقع بے مثل و بے بدل" ہے۔

مرقع بے مثل اور بے بدل سے ۱۰۴۰ اعداد بر آمد ہوتے ہیں۔ ایک تصویر کے کونے پر تحریر ہے۔

"شبیہ خرد سالی من است۔ حررہ شاہجہاں"

اس تحریر کی موجودگی میں یہ بات اب شک و شبہ سے بالا ہے کہ یہ مرقع شاہجہان بادشاہ کا تیار کردہ ہے۔

اس مرقع کی تیاری میں ۹ سال کی مدت صرف ہوئی۔ اور ایک لاکھ بیس ہزار روپے خرچ ہوئے۔ اس میں نسخ، ریحان، شکستہ اور نستعلیق تحریروں کے نمونے شامل ہیں۔ منوہر اور بشند اس کی بنائی ہوئی تصاویر بھی شامل ہیں۔(۱)

یہ مرقع دہلی کے مغل کتب خانہ میں رہا۔ مرہٹہ گردی میں کوئی مرہٹہ لوٹ کر اس کو گجرات لے گیا۔ وہاں سے نامعلوم کس طرح کرمان ایران چلا گیا۔ کرمان سے یہ ۱۲۶۳ / ۱۸۴۷ء میں ناصر الدین شاہ قاچار کی ملکیت میں پہنچ گیا اور آج تہران کے سرکاری کتب خانے میں موجود ہے۔

☆ ۱۸۔ مرقع دارا شکوہ

یہ شاہجہان بادشاہ کا بڑا لڑکا تھا۔ ہندو جوگ کا دلدادہ تھا۔ فنون لطیفہ سے بھی دلچسپی تھی۔ فن نستعلیق کی تعلیم آقا عبدالرشید دیلمی سے حاصل کی تھی۔ خود بھی اچھا خطاط تھا۔ اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وصلیاں مختلف کتب خانوں میں ملتی ہیں۔ اس نے بھی ایک مرقع تیار کیا تھا۔ وہ آج انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔ پروفیسر مولوی محمد شفیع نے ۴ ستمبر ۱۹۵۴ء کو اس کی زیارت کی تھی۔

اس میں خطوط کے نمونے (۶۷ صفحات) تصویریں (۷۸ صفحات) اور ۴ سادہ صفحات شامل ہیں۔ اس میں ۲ مسیحی تصویریں جو ۱۰۸۵ھ کی ہیں۔ وصلیاں میر علی ہروی، سلطان محمد اور مرزا حسین بایقرا وغیرہ کی شامل ہیں۔(۲)

☆ ۱۹۔ مرقع زیب النساء

یہ اورنگ زیب بادشاہ کی لڑکی تھی۔ بڑی علم دوست اور علم پرور تھی۔ محمد سعید اشرف مازندرانی سے تحصیل علم کیا تھا۔ فن خطاطی کا بھی شوق تھا۔ اس نے بھی ایک مرقع تیار کیا تھا اور خطاطوں کے نمونے جمع کئے تھے۔ افسوس اب وہ مرقع ناپید ہو گیا۔ البتہ ملا رضا نے اس پر جو مقدمہ لکھا تھا وہ آج بھی کتب خانہ خدا بخش پٹنہ میں موجود ہے۔

۱۔ اطلس خط، ص ۵۲۱،   ۲۔ مقالات مولوی محمد شفیع، جلد پنجم، ص ۹۸، مطبوعہ مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۱ء،

☆ ۲۰۔ بیاض بختاور خاں

بختاور خاں عہد عالمگیر کا ایک امیر تھا۔ اورنگ زیب کو یہ بہت عزیز تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا (۱۰۹۶ھ / ۱۶۸۵ء) تو بادشاہ نے خود اس کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ بختاور خاں علم و فن کا قدر دان تھا اور خود بھی ایک مستند عالم تھا۔ تاریخ پر اس کی مشہور کتاب مرأۃ العالم ہے۔ فن خطاطی سے بھی اس کو دلچسپی تھی۔ اس نے ایک بیاض تیار کی تھی جس میں اپنے زمانے کے مشہور خوشنویسوں اور خطاطوں کی وصلیاں اور نمونہ ہائے تحریر جمع کئے تھے۔ ساتھ ہی ان کے حالات لکھے تھے۔ یہ بیاض ۱۰۸۲ھ میں تیار ہوئی تھی۔ ذیل کے قطعہ سے اس کی تاریخ ظاہر ہے۔

این طرف بیاض ہیں سواد اعظم
مجموعہ واردات اہل علم
ان نیز عجب کہ گفت بختاور خاں
تاریخ بیاض خود سواد اعظم

۲ ۸ ۰ ۱ھ

بعد کے فنکاروں کے حالات معلوم کرنے کے لئے یہ بیاض بہت اہم خزانہ ہے۔ اس کو محمد امین مشہدی نے لکھا تھا۔ یہ خوبصورت مطلا اور مذہب نسخہ جس پر افشاں بھی ہے، دہلی کے سرکاری میوزیم میں موجود ہے۔ (۱)

ا۔ صحیفہ خوشنویسان، ص ۱۵۳، ۱۶۷،

الحمد لله رب العلمين

باب ۴۳

فن خطاطی کے اصول و شرائط اور صنائع بدائع

میر علی کاتب (۹۵۰ھ) نے ماہر خطاط بننے کے لئے پانچ شرائط بیان کی ہیں جن کی موجودگی کے بعد ہی ایک شخص خطاط بن سکتا ہے اس سلسلے میں ان کا مشہور قطعہ یہ ہے۔

اے کہ در شیوہ خط سعی نمائی شب و روز
بشنو ایں نکتہ و چون من بنشیں فارغ البال
پنج چیز است کہ تا جمع نہ گردد باہم
ہست خطاط شدن نزد خرد امر محال
قوت دست و وقوف خط و استاد شفیق
طاقت محنت و اسباب کتابت بکمال
گر ازیں پنج یکے درست نہ گردد بمثل
ندہد فائدہ گر سعی نمائی صد سال

یعنی جب تک مندرجہ ذیل پانچ چیزیں یکجا جمع نہ ہو جائیں اس وقت تک خوشنویس بننا امر محال ہے۔ وہ پانچ چیزیں یہ

ہیں۔

۱- ہاتھ میں قوت
۲- اصول خطاطی سے واقفیت
۳- مہربان استاد
۴- محنت کرنے کا حوصلہ
۵- فن کتابت کے لئے تمام ضروری سامان کی فراہمی

ان شرائط کی تشریح ضروری ہے۔

☆ قوت دست

قلم کے چلانے میں اور الفاظ و حروف کے بنانے میں ہاتھ کی طاقت اور زور کو بڑا دخل حاصل ہے۔ حروف کا بعض حصہ موٹا ہوتا ہے اور بعض حصہ باریک، قلم کی گردش کبھی تیز ہوتی ہے۔ کبھی ست ہوتی ہے۔ اس لئے حروف کے تمام حصوں کا نمایاں ہونا ہاتھ کی قوت پر منحصر ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بڑی حد تک عطیہ الٰہی ہے مگر مشق سے اور محنت سے بھی اس کو حال کیا جاسکتا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خطاطی اور پنجہ کشی میں بیر ہے۔ خطاطی کے لئے نرم اور ملائم انگلیاں درکار ہیں اور پنجہ کشی کے لئے نرم ہاتھ مذموم ہے، بلکہ وہاں تو فولاد جیسا سخت ہاتھ چاہئے۔ اصولی اعتبار سے یہ بات درست ہے مگر یہ عجیب اتفاق ہے کہ خاتمۃ الخطاطین دہلی سید محمد امیر رضوی (۱۲۷۴ھ) جتنے بڑے خطاط تھے، اتنے ہی بڑے پنجہ کش بھی تھے۔

☆ وقوفِ خط

فن کار کے لئے ضروری ہے کہ پہلے وہ فن کے تمام اصول و ضوابط سے بخوبی واقف ہو اور پھر ان پر عمل پیرا ہو۔ اس لئے ایک خطاط اور خوشنویس کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ فن خطاطی کے اصول و قواعد اور ضوابط و روایات سے پوری طرح باخبر ہو اور پھر وہ ان پر پوری طرح عمل کرے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کا خط اچھا نظر آتا ہے۔ اس کے باوجود بھی اس کو خطاط اور خوشنویس نہیں کہا جاسکتا کیونکہ وہ قواعد و ضوابط کی پابندی نہیں کرتا ہے۔ وہ نقاش ہوسکتا ہے۔ وہ مصور ہوسکتا ہے مگر وہ خطاط نہیں ہوسکتا۔

☆ مہربان استاد

کوئی علم ہو یا ہنر ہو استاد کے بغیر اس کا سیکھنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ اگر کسی کو استاد کی شفقت میسر آجائے

تو فن کی تکمیل کے مراحل بڑی جلدی اور سہل طریقہ سے طے ہو جاتے ہیں۔ فن کے اسرار و رموز سے استاد ہی واقف کرا سکتا ہے اور عملی فنون میں تو استاد کی ضرورت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے فن خطاطی میں استاد کی نظر عنایت کی از بس ضرورت ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ طالب علم اطاعت شعار بھی ہو اور باادب بھی ہو۔ پرانا مقولہ ہے!

باادب بانصیب بے ادب بے نصیب

☆ محنت کا حوصلہ

کتابت ایک عملی فن ہے۔ جب تک طالب علم عملاً مشق اور محنت نہیں کرے گا اس کو کچھ زیادہ کمال حاصل نہیں ہوگا۔ مشق اور محنت اس فن کے لئے ضروری ہے۔ سالوں کی محنت کے بعد ہاتھ جمتا ہے اور تحریر میں صفائی آتی ہے۔ اس لئے جو طالب علم محنت سے جی چراتا ہے۔ وہ اس فن شریف کو نہیں سیکھ سکتا ہے۔ آرام طلب لوگوں کے لئے یہاں گنجائش نہیں ہے۔ خواجہ میر علی فرماتے ہیں ۔

صبح مشق خفی و شام جلی
بشنو ایں نکتہ از میر علی

☆ اسباب کتابت

قدیم زمانے میں کتابت اچھا خاصا دشوار فن تھا۔ اپنے ہاتھ سے سرکنڈے کا قلم تراشنا پڑتا تھا۔ اپنے ہاتھ سے کاغذ بنانا پڑتا تھا۔ خاص طور پر حسب منشا وصلی خود ہی بنانا پڑتی تھی۔ اس کی تیاری میں کافی محنت اور وقت درکار ہوتا تھا۔ پھر اپنے ہاتھ سے ہی روشنائی بنانا پڑتی تھی۔ جدید دور میں وہ پرانی تکلیفیں ختم ہو گئی ہیں۔ تاہم کتابت کے لئے ضروری سامان کا مہیا کرنا بہر حال نہایت ضروری ہے۔

☆ خطاطی کے اصول

اوپر وقوف خط کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ فن خطاطی کے بارہ بنیادی اصول ہیں، جن کی پیروی کئے بغیر کوئی شخص خطاطی کے فن سے واقف نہیں ہو سکتا اور اس لئے اچھا خطاط بھی نہیں بن سکتا۔ ان اصولوں کا ذکر سب سے پہلے باباشاہ اصفہانی (۹۹۶ھ) نے اپنے رسالہ آداب المشق میں کیا ہے۔ اگرچہ بعض لوگ ان اصولوں کا مخترع ابن مقلہ کو اور بعض لوگ ابن بواب کو قرار دیتے ہیں۔ پروفیسر محمد شفیع نے رسالہ آداب المشق کو اورینٹل کالج میگزین کے ذریعے ہندوپاکستان میں متعارف کرایا ہے۔(۱) ذیل میں ہم ان اصولوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

۱۔ مقالات مولوی محمد شفیع، جلد اول، ص ۲۵۵، مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۶۷ء،

۱- ترکیب

فن خطاطی کی اصطلاح میں ترکیب ایک اہم اصطلاح ہے جس میں ایک حرف کا بنانا، حرفوں کو باہم جوڑ کر لفظ بنانا وغیرہ سب شامل ہے۔ ایک ماہر خطاط کا کام ہے کہ وہ ہر قسم کی ترکیب میں مہارت رکھتا ہو۔

۱۔ اجزاء کو جوڑ کر حروف مفرد اس انداز سے بنانا کہ قواعد کتابت کا پورا پورا اتباع ہو۔ سطح اور دور میں قوت اور ضعف کا پورا خیال رکھا جائے۔ مثلاً ق، ل۔

۲۔ پھر مفرد حروف کو جوڑ کر لفظ اور کلمہ بنانا۔ جیسے قلم، مشعل،

۳۔ پھر الفاظ اور کلمات کو باہم ملا کر لکھنا۔ جس سے ایک فقرہ بن جائے، جیسے، ''خوش نویسی ایک اسلامی فن ہے۔''

۴۔ الفاظ اور کلمات کا مرکب اگر اشعار ہوں تو پھر مصرعوں کے لکھنے کے کچھ خاص قواعد ہیں۔ مثلاً

الف: دو مصرعوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھنا ضروری ہے۔

ب: کشش مصرع کے آغاز میں خوبصورت نظر نہیں آتی البتہ درمیان میں یا آخر میں ہو تو مضائقہ نہیں۔

ج: اگر مصرعوں کو اوپر نیچے لکھنا ہو تو خوبی اس میں ہے کہ مصرعوں میں آمدہ کشش ایک ہی سیدھ میں آنی چاہئے۔ یہ باتیں خوش نویس کے حسن سلیقہ اور دیدہ وری پر منحصر ہیں۔

۲۔ کرسی

کرسی کا مطلب یہ ہے کہ حروف کو اپنی جگہ نشست پر بٹھانا بعض حروف مدوالے ہیں وہ سطح پر آتے ہیں۔ بعض دوسرے حروف دائرہ والے ہیں وہ سطح سے نیچے اتر جاتے ہیں، بعض دوسرے حروف کشش اور مرکز رکھتے ہیں۔ وہ سطح سے اوپر جاتے ہیں۔ اب ایک ماہر خطاط کا کام یہ ہے کہ وہ ان کے اندر یکسانیت اور موزونیت برقرار رکھے۔ دائرے تمام ایک خط کے اندر آئیں، مدات ایک خط میں آئیں، اور مرکز ایک خط کے اندر ہوں، جب ان تمام جزئیات کا اہتمام کیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ حروف کی کرسی کا اہتمام کیا گیا ہے۔

مصرعوں کی کرسی بھی اسی طرح ہوتی ہے۔ مصرع آمدہ تمام مدات اور دائروں کو ایک سیدھ میں لکھا جاتا ہے۔ کسی حرف کا اوپر سے نیچے اتر آنا عیب ہے۔ یہ نقص میں شمار ہوتا ہے۔ البتہ بعض دفعہ نیچے والے حروف اوپر جا سکتے ہیں۔ یہ نقص نہیں ہے، عام طور پر قوسی حروف د، و، ر، کو دائروں کے اوپر لکھنا بھلا نظر آتا ہے، بعض مرتبہ اگر جگہ ہو تو چھوٹے حرف کو بڑے حرف کی گود میں یا پیٹ میں بھی بٹھا دیتے ہیں۔ مصرعے لکھتے وقت تناسب کو پیش نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

۳۔ تناسب

تناسب کا مطلب یہ ہے کہ حروف کی ساخت، طول، حجم میں باہم صحیح نسبت قائم رہنی چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک حرف یا ایک جز قاعدے سے بڑا بنا ہوا ہو اور دوسرا جز چھوٹا۔ یہ ایسا ہی ہے کہ ایک شخص کی ایک آنکھ بڑی ہو اور دوسری چھوٹی، اس کی بد نمائی ظاہر ہے۔

۴۔ قوت

قوت سے مراد کاتب کے ہاتھ کی قوت اور زور ہے، مطلب یہ ہے کہ خواہ حرف کا آغاز ہو یا اختتام، کاتب کا زورِ قلم ہر جگہ اور حال میں یکساں ہو۔

۵۔ ضعف

ضعف کمزوری کو کہتے ہیں۔ بعض حروف کے آغاز سے اور اختتام سے ظاہر ہوتا ہے کہ کاتب کا قلم ضعف کا شکار ہو گیا۔ بلاشک باریک خط باریک ہی ہو مگر مدہم نہ ہو جو کمزوری کی علامت ہے۔ خط نستعلیق میں دائرے کا آخری حصہ باریک ہوتا ہے اس کو خاص احتیاط سے بنایا جاتا ہے۔ اس کو نوک پلک درست کرنا کہتے ہیں۔ یہاں کاتب کے قلم کا زور اور کمزوری دونوں ظاہر ہو جاتے ہیں۔

۶۔ سطح

کرسی کے وسط میں ایک خط فرض کر لیا جاتا ہے۔ اس پر عموماً حروف مد لکھے جاتے ہیں۔ اس خط کو سطح کہتے ہیں۔ ان حروف کو سطح دار حروف کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ صرف سطح کے اوپر لکھے جاتے ہیں۔

۷۔ دور

حرف کے دائرے کو یعنی لٹکتے ہوئے پیٹ کو دور کہتے ہیں۔ یہ دور خط سطح سے نیچے لکھا جاتا ہے۔
ابن مقلہ نے سطح سے اوپر آنے والے حروف کے لئے پیمانہ الف مقرر کیا ہے اور سطح سے نیچے دور کے لئے ن کا پیمانہ مقرر کیا ہے۔ خط نسخ میں الف کا طول چار قط ہے اور ن کا طول دو قط۔ اس طرح حروف کی ساخت کا پیمانہ چھ قط مقرر ہو گیا ہے۔ بعد میں آنے والے تمام خطاطوں نے یہ پیمانہ تسلیم کر لیا ہے۔ اب خواہ نستعلیق کی بات ہو یا رقاع یا شکستہ کی پیمانہ ہر حال میں یہ چھ قط رہتا ہے۔ البتہ سطح اور دور میں کمی یا بیشی ہوتی رہتی ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ سطح ۲ دانگ اور دور ۴ دانگ

ہے۔ اس کا مطلب بھی یہی پیمانہ ہے۔

۸۔ صعود

صعود چڑھنے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں جب کاتب قلم کو نیچے سے اوپر کی طرف لے جاتا ہے تو اس کو صعود کہتے ہیں۔ جیسے "بابا" لکھتے وقت الف بنایا جاتا ہے۔

۹۔ نزول

نزول نیچے اترنے کو کہتے ہیں، جب کاتب کا قلم اوپر سے نیچے اترتا ہے تو اس کو نزول کہتے ہیں جیسے جم،

۱۰۔ اصول

مندرجہ بالا نو امور حروف کی ساخت اور الفاظ کی بناوٹ کے لئے بمنزلہ جسم کے ہیں۔ گویا ان امور سے حروف کا اور لفظوں کا ڈھانچہ بن جاتا ہے، لیکن ڈھانچہ خواہ کتنا ہی اچھا ہو جب تک اس میں روح نہ ہو وہ بے کار ہے۔ یہاں اصول سے وہ خاص کیفیت مراد ہے جو ایک ماہر خطاط کے قلم میں پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے اس کی تحریر میں جان پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ خاص کیفیت نہ ہو تو ہر لفظ حروف کا بے جان ڈھانچہ نظر آتا ہے۔ پھر ان میں کوئی جاذبیت نہیں ہوتی ہے۔ یہ کیفیت طبع سلیم کے اندر مشق اور ذوق سے پیدا ہو جاتی ہے۔

۱۱۔ صفا

فن کار کے خط میں ایک عرصے کی مشق کے بعد ایک خاص انداز کی صفائی پیدا ہو جاتی ہے جو آنکھوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔

۱۲۔ شان

جس طرح ایک آدمی کے لئے صحت مند ہونا خوب ہے لیکن اگر صحت کے ساتھ حسن صورت بھی ہو تو پھر کیا کہنا یہ تو سونے پر سہاگہ ہے۔ اسی طرح ایک قلم کار کی تحریر میں اصول بھی ہے، صفائی بھی ہے۔ اگر اس میں جاذبیت کی خاص شان اور خاص ادا ہو تو پھر کیا بات ہے۔ تب ہی در حقیقت وہ ماہر اور ممتاز قلمکار بنتا ہے۔ اس کو شان اور ادا کہتے ہیں۔

صنائع بدائع

جس طرح اچھا شعر سامع نواز ہوتا ہے، اسی طرح اچھا خط باصرہ نواز ہوتا ہے۔ جس طرح شعر سن کر صاحب ذوق لوگ وجد میں آ جاتے ہیں اور سر دھننے لگتے ہیں۔ اسی طرح حسن خط کو دیکھ کر صاحب ذوق مسرور و نشاط انداز ہوتے ہیں۔ آج بھی ذوق سلیم سے بہرہ ور افراد حسین تحریر اور خوشخط کتابوں کے مشتاق نظر آتے ہیں۔

شعر کی خوبیاں اور جاذبیتیں بیان کرنے کے لئے ماہر فن نقادوں نے کتابیں تصنیف کر ڈالی ہیں۔ جس میں شعر کی ایک ایک خوبی کھول کر بیان کر دی ہے جن کو پڑھ کر مبتدی بھی صاحب نظر بن جاتے ہیں۔ پھر ان کی زبان بھی شعر کی تعریف میں گویا ہو جاتی ہے۔

مگر افسوس حسن تحریر اور حسن خط کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اشعار کی خوبیاں بیان کرنے والے شعراء کے تذکرے تو بے شمار ہیں، لیکن خطاطوں اور خوشنویسوں کے تذکرے ناپید ہیں۔ صرف تذکرہ خوشنویسان از غلام محمد دہلوی ہمارے ملک میں موجود ہے۔ اس میں بھی خطاطوں کے حالات جمع کرنے کی طرف زیادہ توجہ ہے، خط کی خوبیاں بیان کرنے کی طرف مطلق توجہ نہیں ہے۔ آج حالت یہ ہے کہ فطری ذوق جمالیات سے بہرہ ور افراد کسی خوبصورت تحریر کو دیکھتے ہیں، تو اس کی تعریف کرتے ہیں۔ عام طور پر زبان سے یہ جملے ادا کرتے ہیں۔ واہ واہ کیا خوب ہے۔ موتی پرو دیئے ہیں۔ واہ کیا زور قلم ہے مگر اس سے آگے کوئی فنی بات وہ نہیں بتا سکتے۔ اس لئے ذیل میں حسن تحریر اور حسن خط کی چند فنی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں۔

☆ لزوم مالا یلزم

شعر کی ایک خوبی لزوم مالا یلزم کہلاتی ہے۔ عام طور پر شعر کے لئے ایک قافیہ کافی ہوتا ہے مگر بعض قادر الکلام شاعر از خود اپنے اوپر دو بلکہ تین قافیے لازم کر لیتے ہیں۔ اس سے ان کی قدرت بیان کا اظہار ہوتا ہے اور شعر کے لئے مزید حسن ہے۔

وہ نکیلی ادائیں دھیان میں ہیں
وہ سریلی صدائیں کان میں ہیں

اس شعر میں نکیلی، ادائیں اور دھیان تین قافیے ہیں۔ ان کے مقابلے میں سریلی صدائیں اور کان تین قافیے ہیں۔
یہی صنعت ماہر خطاط تحریر میں بھی پیش کرتے ہیں۔ پیش نظر رہے

لال قلعہ دہلی میں ہے
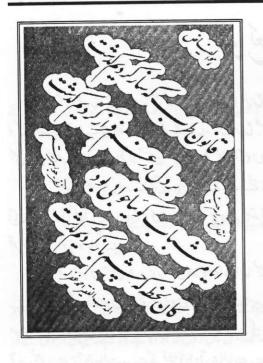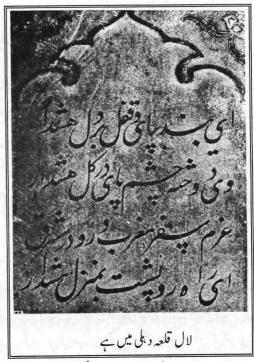
۱۔ یہاں خوش نویس پر لازم نہیں تھا کہ وہ ہر مصرعہ میں ایک کشش ضرور لاتا مگر حسن آفرینی کے لئے دو کشش لایا ہے۔

بیند سفر
چشم پشت

۲۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ نقطوں کی ہم آہنگی نے حسن کتابت میں اور اضافہ کر دیا ہے۔ تین تین نقطے عجب منظر پیش کر رہے ہیں۔ لفظ سفر کے نیچے کاتب نے تین نقطے زائد لکھ دیئے ہیں، محض حسن آفرینی کے لئے۔ اس طرح نقطوں کے ذریعے خوبصورتی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

۳۔ تیسری خوبی دائروں کی ہے۔ شعر کی ایک صنعت سیاقۃ الاعداد کہلاتی ہے۔ جس میں اشعار کے اندر گنتی لائی جاتی ہے۔ اس وصلی میں کاتب دائروں کو گنتی کے حساب سے لایا ہے۔ مصرعہ اول میں چار دائرے ہیں۔ مصرعہ ثانی میں تین دائرے ہیں۔ مصرعہ سوئم میں ایک دائرہ اور مصرعہ چہارم میں دو دائرے ہیں۔ سوم اور چہارم میں ایک اور دو دائرے ہیں گویا کاتب نے صنعت تضاد بھی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

علاوہ ازیں دائروں کے دور اور دامن کی ہم آہنگی، الفاظ کی کرسی اور نشست، کاتب کا زور قلم اور شان خط، ان تمام باتوں نے مل کر اس وصلی میں ایک خاص حسن پیدا کر دیا ہے جو بھی اس کو دیکھتا ہے وہ بے ساختہ اس کی تعریف کرتا ہے۔

خواہ وہ خوبصورتی کی وجوہات اور جاذبیت کے اسباب بیان نہ کر سکے۔

پیشِ نظر ہے وصلی نمبر ۵۲، صحیفہ خوش نویسان،

۱۔ لزوم مالا یلزم

خوش نویس نے ہر مصرعہ میں ایک مد اور ایک دائرے کا التزام کیا ہے۔ مد کو مد کے مقابلے پر لایا ہے اور کرسی کو کرسی کے وصلی میں دلکشی پیدا کر دی ہے۔

۲۔ مصرع اول اور دوئم میں دائروں کو ایک سیدھ میں اوپر نیچے لکھا ہے۔ مصرع سوئم اور چہارم میں دائروں کو سمت مخالف میں لایا ہے۔ شاعری میں اس کو صنعت عکس و طرد کہتے ہیں۔

۳۔ مصرع اول اور سوئم میں ایک ایک میم ہے اور دوئم اور چہارم میں دو دو میم ہیں۔ ان میموں کی یکسانیت نے دلکشی میں اضافہ کر دیا ہے۔

۴۔ مصرعوں کے اندر مرکزوں کا التزام مختلف انداز پر کیا گیا ہے۔ سوئم میں ایک، دوئم میں دو، اوّل میں تین اور چہارم میں چار مرکز آئے ہیں۔ اس طرح سیاقۃ الاعداد کی صنعت کا اظہار کیا ہے۔

یہاں کوئی شخص یہ بات کہہ سکتا ہے کہ اس رباعی میں اتفاق سے ایسے الفاظ آ گئے ہیں، جن میں مرکزوں کا اس طرح سے اہتمام کیا جا سکا۔ یہ بات ٹھیک ہے مگر کیا خوش نویس کی اس بصیرت سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے فنی کمال کے لئے ایسی رباعی کو منتخب کیا۔ اس لئے بہر کیف خوش نویس قابل داد ہے۔

ان صنائع بدائع کے علاوہ حروف کے جوڑ بند نہایت باقاعدہ، حسین اور مضبوط ہیں۔ ان تمام امور کی وجہ سے اس وصلی میں ایک خاص نوعیت کی دلکشی اور حسن پیدا ہو گیا ہے۔ آنکھ اس سے لطف حاصل کرتی ہے اور ذوق اس سے حظ حاصل کرتا ہے۔

اسی نمونے پر دوسری وصلیوں کی دلکشی اور جاذبیت کا فنی تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔
افسوس کمپیوٹر کتابت میں فن خوشخطی کی خوبیاں کماحقہا بیان نہیں کی جا سکتیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

وأن ليس للإنسان إلا ما سعى
اور یہ کہ اِنسان کو وھی ملتا ہے جس کی وہ کوشش
کرتا ہے - (سورۃ النجم آیت ۳۹)

باب ۴۴

مسلمانوں میں فن خطاطی کی قدر و منزلت

تین ہزار قبل مسیح سے دنیا میں بسنے والی بعض اقوام فن کتابت سے واقف ہیں۔ آج دنیا میں صدہا زبانیں ہیں اور کتابت کے لئے بیسیوں رسم الخط رائج ہیں۔ بعض خط بڑے قدیم ہیں- ہر قوم کو اپنا رسم الخط بڑا عزیز ہے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ تمام رسم الخط محض کتابت کا ایک ذریعہ ہیں۔ اس سے زائد کچھ نہیں۔

یہ شرف اور یہ فخر عربوں کو اور مسلمان اقوام کو حاصل ہے کہ انہوں نے عربی رسم الخط کو کتابت کے درجے سے آگے بڑھادیا۔ اس کو خوشنویسی اور خطاطی کے مرحلے میں داخل کر دیا۔ مسلمان فن کاروں نے عربی خط لکھنے کے کئی طریقے اختراع کئے۔(۱) انہوں نے حسن و کمال، رعنائی و لطافت، جمال و دلربائی کے وہ نمونے پیش کئے ہیں جن کو دیکھ کر آج بھی لوگ دنگ ہیں۔ مسلمانوں کی فن کارانہ خطاطی کے نمونے حسن آرائی اور زیبا نگاری کے میدان میں لاثانی ہیں- دنیا کی دوسری کوئی قوم اس میدان میں ان کی حریف نہیں ہے۔

☆ تقدس واحترام

مسلمانوں میں اوّل روز سے فن کتابت کو تقدس و احترام کا درجہ حاصل رہا ہے۔ کتابت میں مشغول شخص نفلی عبادت کے برابر ثواب کا حقدار سمجھا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں کتابت کی جانب ترغیب دلائی گئی ہے۔

۱۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ - (۱)

"اور زبور میں نصیحت کے بعد ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔"

۱۔ عرب فن کاروں نے عربی خط لکھنے کے لئے ۸۰ سے زائد قلم اختراع کئے ہیں۔ ڈاکٹر صلاح الدین منجد مقدمہ بر جامع محاسن، از طیبی، طبع بیروت، ۱۹۶۲ء ۲۔ سورۂ انبیاء، آیت ۱۰۵،

۲۔ ولیکتب بینکم کاتب بالعدل (۱)

"فریقین کے درمیان انصاف کے ساتھ ایک شخص دستاویز لکھے۔"

۳۔ نٓ- وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُونَ ○ (۲)

"ن۔ قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں۔"

احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کتابت کی ترغیب دلائی ہے۔

۱۔ قیدوا العلم بالکتابة (۳)

"علم کو تحریر کے ذریعے قلمبند کرلو۔"

۲۔ اذکتبت فضح قلمك علی اذنك فانه اذکرلك- (۴)

"جب تم بسم اللہ لکھو تو سین کے دندانے واضح لکھو۔"

۳۔ اذا کتبت بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم فبین السین فیه- (۵)

"جب تم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو تو سین کو واضح کرکے لکھو"۔

۴۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

"بہترین خط وہ ہے جو واضح ہو اور جو خط واضح ہوگا وہ خوبصورت ہوگا۔"(۶)

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے یا ان کی طرف منسوب ہے کہ!

علموا اولادکم الکتابة

"اپنی اولاد کو فن کتابت سکھاؤ"

۶۔ علیکم بحسن الخط فانه من مفاتیح الرزق

"حسن خط اختیار کرو یہ رزق کی کنجی ہے۔"

۷۔ حسن بن وہب نے خوبصورت تحریر کو دیکھ کر فرمایا۔

"یہ نگاہوں کو فریفتہ کرنے والی سیر گاہ ہے۔ یہ ایک باغ ہے مسرت آمیز الفاظ کا۔"(۷)

۸۔ خلیفہ مامون کا قول ہے!

"خط علم کا باغ ہے، عقل کا مرکز ہے، حکمت کی شاخ ہے اور بیان کا دیباچہ ہے۔"(۸)

۱۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۸۶، ۲۔ سورۂ قلم، آیت ۱، ۳۔ تفسیر قرطبی، ج ۱۰/ ص ۲۰۶، ۴۔ ابن عساکر فی تاریخہ، ج ۷/ ص ۵۲، ۵۔ البدایۃ والنہایہ، ابن کثیر، دار الفکر، ج ۱۰/ ص ۱۹۵، ۶۔ علم الکتابت، ابوحیان توحیدی، اردو ترجمہ، ص ۱۸، ۷۔ علم الکتابت، اردو ترجمہ، ص ۱۹، ۸۔ علم الکتابت، اردو ترجمہ، ص ۲۱،

۹۔ مامون کے کاتب احمد بن یوسف کاتب کا قول ہے!

"حسین عورتوں کے رخساروں پر آنسو کے قطرے اتنے خوبصورت نظر نہیں آتے جتنے کہ کاغذ کے صفحات پر قلم کے آنسو خوبصورت نظر آتے ہیں۔"(۱)

۱۰۔ جعفر بن یحییٰ برمکی کا قول ہے!

الخط خيط الحكمة ينظم فيه منشورها و يفصل فيها شذورها – (۲)

"خط حکمت کا دھاگہ ہے جس میں حکمت کے بکھرے ہوئے موتی پروئے جاتے ہیں، جس میں زرین دانے ممتاز رہتے ہیں۔"

۱۱۔ اسمٰعیل بن صبیح الثقفی کا قول ہے۔

"مردوں کی عقل ان کے قلم کی نوک کے نیچے ہوتی ہے۔"(۳)

یعنی مردوں کی فراست ان کی تحریر اور حسن خط سے ظاہر ہوتی ہے۔

مسلمانوں میں اور بھی بہت سے اقوال ضرب الامثال کی حد تک مقبول ہیں، مثلاً!

الخط نصف العلم – "خط نصف علم ہے۔"

الخط رياض العلم – "خط علم کا چمنستان ہے۔"

الخط حِلية الكاتب – "خط کاتب کا زیور ہے۔"

القلم سفير العقل – "قلم عقل کا سفیر ہے۔"

حسن الخط للفقير مال وللامير جمال وللغنى كمال

"خوبصورت خط فقیر کے لئے ذریعۂ روزگار ہے۔ امیر کے لئے حسن و خوبی ہے اور مالدار کے لئے ہنر اور کمال ہے۔"(۴)

☆ قدر دانی

مذکورہ بالا اقوال اور آراء سے یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے جانشین صحابہ کرامؓ نے تحسین خط اور تجوید خط کی طرف توجہ دی ہے۔ پھر ہر دور میں خلفاء اور امراء اس کی ہمت افزائی کرتے رہے اور مسلمان قلمکاروں کی قدر افزائی کرتے رہے۔ فن جمالیات میں قدر دانی بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ دوسری جانب قرآن مجید سے محبت، احترام اور عظمت نے مسلمان علماء اور فضلاء کو اس امر پر ترغیب دی کہ وہ اپنی

۱۔ ایضاً، ص ۱۹، ۲۔ ایضاً، ۳۔ ایضاً، ص ۱۸، ۴۔ مرقع خط، طارق مسعود، لاہور عجائب گھر، ص ۳،

محبت کے اظہار کے لئے بہتر سے بہتر اور خوبصورت سے خوبصورت خط میں قرآن مجید لکھ کر پیش کریں۔ اس جذبے سے رسم الخط اور فن خطاطی نے حیرت انگیز ترقی کی۔

مسلمان فن کار صرف تحریریں خوبصورت نہیں لکھتے تھے بلکہ روشنائی، جدولیں، نقش و نگار نہایت خوبصورت بناتے تھے۔ سونے کے پانی سے لکھتے تھے۔ جس کو مطلا اور مذہب کہتے تھے۔ اسی طرح کتابوں کی جلدیں نہایت خوبصورت، جاذب نظر اور طلا کار بناتے تھے۔ اندلس میں صلیبیوں نے کتب خانوں کو نذر آتش کیا اور تاتاریوں نے بغداد کے کتب خانوں میں آگ لگا دی۔ اس وقت منقش اور مطلا نسخے جل رہے تھے اور ان کا سونا پگھل پگھل کر بہہ رہا تھا۔ کتابوں کے جلانے اور سونے کے پگھلنے کا واقعہ مورخ کبیر حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے۔

خطاطی کے ان نادر نمونوں کی رعنائی اور لطافت کے قدردان صرف مسلمان ہی نہیں تھے بلکہ رومی دنیا میں بھی ان کی قدر و منزلت اسی طرح سے تھی۔

خلیفہ مامون عباسی کے زمانے میں مسلمانوں کا رومیوں کے ساتھ ایک صلح نامہ ہوا تھا۔ اس کو مشہور کاتب احمد بن ابی خالد نے لکھا تھا۔ قیصر روم کو وہ تحریر اس قدر پسند تھی کہ وہ اس کو اسباب زینت کے طور پر تہوار کے موقع پر نکالتا تھا اور اس کی نمائش کرتا تھا۔ (۱) ایک ایسا ہی صلح نامہ مشہور خطاط کبیر ابن مقلہ نے لکھا تھا۔ اس کو بھی شاہ روم خاص خاص موقعوں پر نمائش کے لئے پیش کرتا تھا۔ (۲)

قرون وسطیٰ میں اہل یورپ بھی عربی خط کی رعنائی سے بے حد متاثر تھے۔ اپنی مذہبی عبادت گاہوں میں آرائش کے طور پر عربی خط میں تحریر لکھتے تھے۔

کلیسائے اعظم سینٹ پیٹر روما کے دروازوں پر عربی خط میں آیات کندہ ہیں۔ (۳)

عربی خط سے تزئین و آرائش کی تحریر نے انگلستان اور فرانس میں بھی نفوذ کیا۔ کلیسا کی محرابوں اور طاقچوں میں عربی تحریر لکھتے تھے۔ حتیٰ کہ وسٹ منسٹر ابے West Minister Abey کے کلیسا میں بھی ایسی تحریریں موجود ہیں۔ (۴)

انگلستان کے ایک بادشاہ اوفا Offa (۷۵۶-۷۹۶ھ) نے تو اپنا سکہ بھی عربی طریقے پر مسکوک کرایا تھا۔ جس پر ایک جانب کلمہ کندہ تھا۔ آئرلینڈ میں ایک صلیب موجود ہے جس پر خط کوفی میں کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ (۵) مسلمان معاشرے

۱۔ علم الکتابت، ابوحیان توحیدی، ۴۱۴ھ، مترجم ص ۱۵، لاہور ۱۹۶۶ء، ۲۔ الصوابی اور ثعلبی نے اس واقع کا ذکر کیا ہے۔ ابوحیان توحیدی، ص ۱۵،

3- History of the Moorish Empire, III. P.29, By S.P. Scott.

4- Lagacy of Islam. P. 178, By Arnold Others.

۵- Lagacy of Islam P. 114,

بادشاہ اوفا مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کا نام ظاہر کر رہا ہے کہ وہ وفا تھا۔ اس کو درباریوں نے اس جرم میں مار ڈالا تھا۔ سلیم،

میں اور ہر سلطنت میں خطاطی کی قدر دانی عوام اور حکمران دونوں کرتے تھے۔ خطاطوں اور کاتبوں کو دربار میں ملازم رکھ کر ان سے خوبصورت کتابیں لکھوائی جاتی تھیں۔ سلطان بایسنغر مرزا کے دربار میں ۴۰ کاتب ملازم تھے۔ سلطان بنی عمار طرابلس افریقہ کے دربار میں ۱۸۰ کاتب ملازم تھے۔ یہ چھوٹی سی ریاست تھی، جو ۵۰۲ھ تک قائم تھی۔ ہندوستان میں مرزا عبدالرحیم خاں خاناں کے دربار سے کتنے کاتب وابستہ تھے۔ ان کا حال تو معلوم نہیں ہے۔ البتہ ان سب کی ماہانہ تنخواہ چار ہزار روپیہ بنتی تھی جو ہر ماہ خان خاناں ان کاتبوں کو ادا کرتا تھا۔

بعض کاتب غیر معمولی طور پر زود نویس ہوتے تھے۔ یحییٰ بن عدی کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک دن میں سو صفحات کی کتابت خوش خط طریقے پر کر سکتا تھا۔ معروف شیرازی اس سلسلے میں بڑا صاحب کمال تھا۔ وہ سلطان احمد جلائر بغداد کے دربار سے وابستہ تھا۔ پھر وہاں سے شیراز میں سلطان سکندر کے پاس آگیا تھا۔ سکندر نے اس پر شرط عائد کی تھی کہ روزانہ پانچ سو بیت لکھا کرے گا۔ ایک مدت تک اسی طرح لکھتا رہا۔ ایک بار عمداً کچھ نہ لکھا۔ شہزادہ سکندر نے حکم دیا کہ یا تو پندرہ سو بیت شام تک لکھ کر دو ورنہ تنخواہ نہیں ملے گی۔ مولانا معروف نے شاگردوں سے کہا کہ وہ قلم بنا کر دیتے جائیں اور انہوں نے خوش خط لکھنا شروع کیا۔ دن چھپنے سے پہلے پندرہ سو ابیات لکھ کر شہزادہ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔(۱)

مولانا سیمی نیشاپوری کا واقعہ بڑا عجیب ہے۔ ایک مرتبہ شہزادہ علاؤالدین ابن بایسنغر مرزا کے پاس مشہد چلا گیا تھا۔ مشہد میں جنگ ہو رہی تھی۔ ڈھول نقارے فوجی باجے بج رہے تھے۔ خون ریز جنگ ہو رہی تھی۔ ادھر مولانا پر شعر گوئی کا جذبہ طاری تھا۔ اشعار نازل ہو رہے تھے، چوبیس گھنٹے مسلسل نہ سوئے نہ کھانا کھایا۔ شعر کہتے رہے اور خوش خط لکھتے رہے۔ اس طرح دو ہزار اشعار کہے اور ان کو خوش خط لکھا۔ اس واقعے کے متعلق وہ خود کہتے ہیں ۔

یک روز بمدح شاہ پاکیزہ سرشت
سیمی دو ہزار بیت برگفت و نوشت(۲)

فن کاروں کی قدر دانی اور اہمیت کا واقعہ شاہ اسمٰعیل صفوی کی زندگی میں ملتا ہے۔ صفویوں (ایران) اور عثمانیوں (ترکی) کے درمیان ۹۲۰ھ میں چالدران کے مقام پر ایک زبردست جنگ ہوئی ہے۔ ایرانی لشکر میں جب شکست کے آثار نظر آنے لگے تو شاہ اسمٰعیل نے احتیاطی تدابیر کے طور پر سب سے پہلے جو اہم کام کیا وہ یہ تھا کہ بہزاد مصور اور شاہ محمود کاتب کو کسی دشوار گزار غار میں لے جا کر مخفی کر دیا تھا تاکہ ترک فاتحین ان دونوں کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شاہ کے دل میں کاتب اور نقاش کی کس قدر اہمیت تھی۔

بہر کیف مسلمان معاشرے میں خطاطی ایک مقبول عام شوق تھا۔ امراء اور نوابین کاتبوں پر اور فن کے نادر نمونوں پر بے دریغ روپیہ صرف کرتے تھے۔ عماد حسنی سے جب شاہ عباس صفوی ناراض ہو گیا اور اپنی عطا کردہ رقم (ستر اشرفیاں) واپس مانگی تو میر عماد نے ستر اشعار قینچی سے کاٹ کاٹ کر جدا کر دیئے۔ ایک شعر کو ایک اشرفی میں قدر دان شاگردوں نے

۱۔ صحیفہ خوش نویسی، ص ۱۷۰، ۲۔ صحیفہ خوش نویسی، ص ۱۱۶، خوش نویسان وہنر مندان، ۳۴۳،

خرید لیا اور رقم جمع کر کے شاہ کو بھجوا دی۔

لکھنؤ میں حافظ نور اللہ کی وصلیاں بھی ایک ایک اشرفی میں بکتی تھیں۔ خاتم الخطاطین امیر رضوی پنجہ کش مفرد حروف لکھ کر اپنے پاس رکھ لیتا تھا، جو فقیر در پر آیا اوپر بالا خانہ سے ایک حرف مکتوب اس کو پھینک دیا۔ قدر دان اس فقیر سے فوراً وہ حرف پانچ روپے میں خرید لیتے تھے۔ آج سے ایک صدی قبل پانچ روپے کی قدر بہت زیادہ تھی۔

امراء اور نوابین سے لے کر عامۃ الناس کے کمروں اور او طاقوں میں کتبے اور وصلیاں آویزاں ہوتی تھیں، جس طرح آج کل تصاویر اور فوٹو لٹکانے کا رواج ہے۔ کتبوں میں کوئی نہ کوئی اخلاقی نصیحت ہوتی تھی۔

☆ جلوہ جمال حقیقی

مسلمانوں کے نزدیک حسن و جمال ہو یا خیر و کمال سب ذات خداوندی کی صفات کا ظہور ہے۔ اسلام نے شبیہہ سازی اور صورت گری کی ممانعت کر کے اذہان کو رفعت بخش دی۔ ان کے سامنے عالم معنویت کا در کھول دیا ہے۔ جہاں کہیں حسن و جمال نظر آ رہا ہے وہاں دراصل صفات خداوندی متشکل ہو رہی ہیں۔ خطاط کتابت کرتے وقت اشکال کی مادی صفات حسن و کمال کا نظارہ کر رہا ہے۔ نظارہ جمال حقیقی سے حظ اندوز ہو رہا ہے۔ وہ تقدیس حسن کر رہا ہے۔ وہ عبادت میں مشغول ہے۔

علامہ ابوالفضل نے جہاں شاعر کو تلمیذ رحمان لکھا ہے۔ وہاں خطاط کو مکتب علم لدنی کا فیض یافتہ لکھا ہے۔ گویا شاعری کی طرح خطاطی بھی توفیق ایزدی کا فیضان ہے۔ مسلمانوں کے یہاں کتابت محض نقالی نہیں ہے۔ نام و نمود و نمائش ذات نہیں ہے نہ لذت نفس ہے بلکہ خطاطی نظارہ حسن حقیقی ہے۔ خطاطی قرب خداوندی سے لذت اندوزی ہے۔ مسلمانوں میں کتابت بلا مقصد نمائش خطوط نہیں ہے۔ نہ تجریدی فن کاری ہے۔ خطاطی ان سے بلند تر سطح پر کار عبادت ہے۔ محویت نظارہ جمال ہے۔

بابا شاہ اصفہانی متوفی ۹۹۴ھ نے اپنے رسالہ ''آداب المشق'' (مخزونہ جامعہ پنجاب لاہور) میں جمالیات کی اخلاقی اور روحانی قدروں کا ذکر کیا ہے۔ جس انداز سے اس نے ذکر کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب کیف و مستی کا قلم لکھ رہا ہے۔ دیدہ ہے شنیدہ نہیں ہے۔ اس کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں۔(۱)

☆ جمال شاہد حقیقی

> ایں فقیر ...... بحسب اتفاق بمطالعہ خط نسخ تعلیق مشغول بود و بجستجوئے انوار جمال شاہد حقیقی را تماشائے خط پیمود۔
>
> ''یہ فقیر حسن اتفاق سے خط نستعلیق کے مطالعہ میں مشغول تھا گویا مطالعہ خط کے دوران شاہد حقیقی کے جمال کے انوار کی تلاش و جستجو میں سرگرداں تھا۔''

۱۔ مقالات مولوی محمد شفیع، جلد اول، ص ۲۴۷، مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۶۷ء،

کسب صفات حمیدہ

کاتب باید کہ از صفات ذمیمہ بکلی منحرف گردد و کسب صفات حمیدہ کند تا آثار انوار ایں صفات مبارک از چہرہ شاہد خطش سر زند و مرغوب طبع ارباب ہوش افتد۔

"کاتب کے لئے ضروری ہے کہ بری صفات سے اجتناب کلی اختیار کرے اور اچھی صفات اپنے اندر پیدا کرے تاکہ اچھی صفات کا نور اس کی تحریر کے چہرے سے ظاہر ہو اور ہوشمند لوگوں کو پسندیدہ نظر آئے۔"

اس سلسلے میں سلطان علی مشہدی کا شعر ہے۔

خط نوشتن شعار پاکان است
ہرزہ گشتن نہ کار پاکان است

☆ تصفیہ قلب

آں۔ صفائے خط حالتے است کہ طبع را مسرور و مروح می سازد و چشم را نورانی می کند۔ و بے تصفیہ قلب تحصیل آں نتواں کرد۔ چنانکہ مولانا روم فرمودہ اند۔

کہ صفائے خط از صفائے دل

"یہ۔ صفائے خط۔ وہ کیفیت ہے جو طبیعت کو فرحت اور سرور بخشتی ہے۔ آنکھیں نورانی بنا دیتی ہے۔ قلب کی صفائی کے بغیر اس کیفیت کو حاصل کرنا دشوار ہے جیسا کہ مولانا روم فرماتے ہیں!

"تحریر میں صفائی دل کی صفائی سے پیدا ہوتی ہے۔"(۱)

☆ جذب و بے خودی

اماشان و آں حالتے است کہ چون در خط موجود شود کاتب از تماشائے آں مجذوب گردد۔ از خودی فارغ شود۔ وچوں قلم کاتب صاحب شان شود از لذات عالم مستغنی گشتہ روی دل بسوئے مشق کند و بے پرتو انوار جمال شاہد حقیقی در نظرش جلوہ نماید۔

ا۔ علامہ اقبال نے بھی اسی جانب اشارہ کیا ہے۔

ہے رگ ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لہو

”شانِ خط وہ حالت ہے کہ جب وہ تحریر میں پیدا ہو جاتی ہے تو کاتب اس کو دیکھ کر مجذوب بن جاتا ہے اور بے خود ہو جاتا ہے۔ جب کاتب کا قلم صاحب شان بن جاتا ہے تو پھر وہ دنیا کی لذتوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اپنی مشق میں مشغول ہو کر شاہد حقیقی کے جمال کے انوار کا نظارہ کرتا ہے۔“

جو شخص بھی ان اقتباسات پر غور کرے گا اس پر یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ ان بزرگوں کے پیش نظر جمال خط سے جمال شاہد حقیقی کا مشاہدہ کرنا تھا۔ ان کا مطمع نظر نام و نمود، جسم و جسمانیت سے بلند و ارفع تھا۔ اپنی تحریر کے حسن کو دیکھ کر وہ خود بے خود ہو جاتے تھے۔ ان پر جذب کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ ان کی خطاطی در حقیقت صفائے قلب و نظر کا ذریعہ تھی۔

باب ۴۵
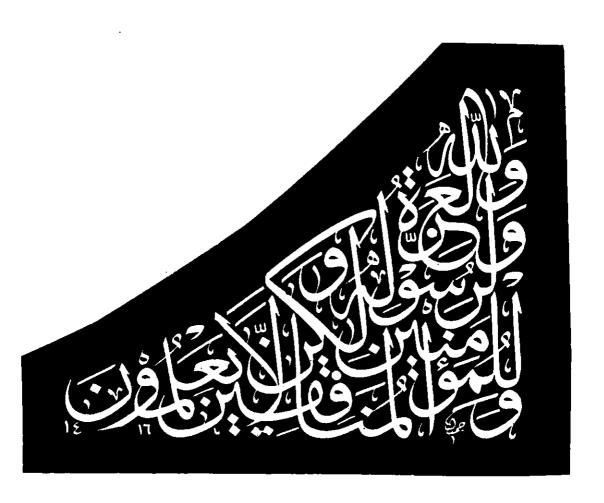
فن خطاطی پر متقدمین کی کتابیں

فن خطاطی سے مسلمانوں کو اول روز سے دلچسپی رہی ہے۔ اس فن سے متعلق انہوں نے سینکڑوں کتابیں لکھیں۔ یہ کتابیں عموماً دو قسم کی ہیں۔ ایک میں فن کی تعلیم دی گئی ہے۔ مبتدیوں کو خوش نویسی سکھائی گئی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں فن پر بحث کی گئی ہے۔ اس کے مختلف نمونے جمع کیے گئے ہیں۔ فن کاروں اور خطاطوں کے حالات جمع کیے گئے ہیں۔ ان کے حسن و قبح سے بحث کی گئی ہے۔ ایسی تمام کتابوں کا ذیل میں ہم تذکرہ کرتے ہیں تاکہ آج ناواقفیت اور ناقدری کے زمانے میں لوگوں کو معلوم ہو اکہ انقلابات سلطنت اور حکومت کے باوجود اس فن شریف کی مقبولیت میں کبھی کمی نہیں آئی۔ ہر دور میں اس فن کی تحسین اور تشریح کرنے والے مصنفین پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اپنے ذوق اور دلچسپی کی یادگار کتابوں کی صورت میں وہ آنے والی نسلوں کے لئے چھوڑ گئے ہیں۔

عربی کتب

تیسری صدی ہجری:

۱۔ رسالة فی مدح الكتاب، عمرو بن بحر الجاحظ (۱۵۹-۲۵۵ھ)

۲۔ رسالة فی ذم الكتاب، عمرو بن بحر الجاحظ

۳۔ رسالة فی القلم، عمرو بن بحر الجاحظ

۴۔ رسالة فی الوراقه، عمرو بن بحر الجاحظ

۵۔ رسالة فی الکتابة و الخط، ابو العباس احمد بن محمد بن ثوابہ

چوتھی صدی ہجری

۶۔ سوق المستهام الی معرفة رموز الاقلام، تالیف ابو بکر علی بن احمد بن وحشیہ نبطی متوفی ۳۲۲ھ موجود برٹش میوزیم لندن نمبر 440H17 نسخہ مکتوبہ ۱۱۶۶ھ مستشرقین نے اس خط کی مدد سے قدیم مصری خط پڑھا ہے۔

۷۔ تحفه رامق، اسحاق بن ابراہیم تمیمی، مؤدب خلیفہ مقتدر باللہ، (۳۲۰-۲۹۵ھ) قلمی۔

۸۔ اصناف الکتاب، ابو علی محمد بن مقلہ وزیر متوفی ۳۲۸ھ، قلمی موجود کتب خانہ عام، رباط، مراکش، نمبر ۱۷۲۳،

۹۔ رساله میزان الخط، محمد بن مقلہ وزیر، قلمی موجود مکتبہ العطار بن، تونس،

۱۰۔ رسالة فی علم الخط و القلم، محمد بن مقلہ وزیر، قلمی موجود خزانۃ الکتب قاہرہ، مصر،

۱۱۔ عمدة الکتاب و عدة ذوی الالباب، تالیف امیر معز بن بادیس (۳۶۵-۴۴۱ھ) قلمی، کتب خانہ وطنی، تیونس،

۱۲۔ ادب الکاتب، ابو بکر محمد بن یحییٰ صولی گورگانی ۳۳۶ھ،

۱۳۔ الکتاب، ابو عبداللہ بن جعفر مشہور بہ ابن درستویہ، سنائی (۲۵۸-۳۴۸ھ)

۱۴۔ کتاب الفهرست، محمد ابن اسحاق ابن ندیم ۳۸۰ھ مطبوعہ جرمنی ۱۸۷۱ء و قاہرہ ۱۳۴۸ھ،

۱۵۔ رسالة فی الکتابت المنسوبه، للمجریطی ف ۳۹۸ھ مجلّہ معہد الخطوط ۱/ ۱۲۳ سن ۱۳۷۳ھ

پانچویں صدی ہجری

۱۶۔ قصیدة الرائیه فی قواعد الخط، تالیف ابی الحسن علی بن ہلال معروف بابن بواب (۴۱۳ھ) طبع مجمع علمی بغداد ۱۳۷۷ھ،

۱۷۔ علم الکتابت، ابو حیان علی بن محمد توحیدی ۴۱۴ھ بعمر ۸۰ سال میں انتقال ہوا۔ امریکی مستشرق روزن تھال، نے آرٹ اسلامیکا میں ۱۹۱۸ء میں شائع کیا۔ اس کا عربی ترجمہ ابراہیم کیکرنی نے دمشق سے ۱۹۵۱ء میں شائع کیا۔ اس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے لاہور ۱۹۶۶ء میں شائع کیا۔

۱۸۔ المحکم فی نقط المصاحف، تالیف ابو عمر الدانی ف ۴۴۴ھ طبع دمشق ۱۳۷۹ھ،

چھٹی صدی ہجری

۱۹- شمس العلوم و دواء الکلوم للعرب من الکلام، لنشوان حمیری ف ۵۷۳ھ، طبع بریل لندن ۱۹۱۶ء، خط مسند اور حمیری کا بیان اس میں ہے۔

ساتویں صدی

۲۰- معالم الکتابة و مغانم الاصابة، عبد الرحمن القرشی، طبع بیروت، ۱۹۱۲ء،

آٹھویں صدی

۲۱- نفائس الفنون فی عرائس العیون، تالیف محمد آملی بعہد اولجاء تو سلطان محمد خدابندہ (۷۰۳-۷۱۶ھ)

۲۲- العنایة الربانیة فی الطریقة الشعبانیه (خط ثلث) زین الدین شعبان بن محمد در عہد ملک ظاہر بوق (۷۸۴-۸۰۳ھ)

نویں صدی

۲۳- صبح الاعشیٰ فی کتابة الانشاء، احمد بن علی شہاب شافعی قلقشندی (۷۵۶-۸۲۱ھ) تالیف ۸۱۴ھ، طبع قاہرہ ۱۳۳۱ء،

۲۴- تحفة اولی الالباب فی صناعة الخط و الکتاب، عبدالرحمٰن بن یوسف بن الصائغ (۷۶۵-۸۴۵ھ) طبع تیونس ۱۹۶۷ء،

دسویں صدی ہجری

۲۵- جامع محاسن کتابة الکتاب و نزهة اولی الابصار والا لباب، تالیف محمد بن حسن طیبی شافعی ۹۰۸ھ، مقدمہ صلاح الدین المنجد، مصحح ہلالی ناجی، طبع بیروت ۱۹۶۲ء،

۲۶- طبقة الخطاطین، عبدالرحمٰن السیوطی، ۹۱۱ھ،

چودھویں صدی

۲۷- رسالة الیقین فی معرفة بعض انوع الخطوط و الخطاطین، استاد سباعی حسینی، دمشق ۱۳۳۴ھ،

۲۸- انتشار الخط العربی، استاد عبدالفتاح عبادہ، طبع ۱۹۱۵ء،

۲۹- تاریخ الخط العربی و آدابہ، محمد طاہر بن عبدالقادر کردی مکی، طبع مصر ۱۳۵۸/ ۱۹۳۹ء،

۳۰- مصور الخط العربی ناجی زین الدین مہندس، بغداد ۱۳۸۸ھ،

۳۱- تحفة الحرمین فی بدائع الخطوط العربی، محمد طاہر بن عبدالقادر کردی مکی۔

۳۲- فن الخط العربی، سید ابراہیم خطاط مصری،

فارسی کتب

آٹھویں صدی ہجری

۳۳- رسالہ در قواعد ثلث، عبداللہ صیرافی معاصر سلطان اولجاء توخدابندہ موجود در کتب رضویہ مشہد، ایران،

نویں صدی ہجری

۳۴- رسالہ میر علی تبریزی (۸۵۰ھ) مرتبہ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی لاہور، ۱۹۴۱ء

۳۵- رسالہ خط، اصول شش قلم، میر محمد خوش مردان، ۸۹۸ھ

دسویں صدی ہجری

۳۶- رسم الخط، منظوم مجنون بن محمود رفیقی تالیف ۹۰۹ھ،

۳۷- قواعد الخطوط، مجنون بن کمال الدین محمود رفیقی ہروی ۹۴۱/ ۱۰۳۱ء

۳۸- خط و سواد، مجنون نے سلطان ابوالمظفر منصور بن سلطان حسین بایقرا کو پیش کیا اور پروفیسر مولوی محمد شفیع نے اورینٹل کالج میگزین لاہور، فروری ۱۹۳۵ء میں شائع کیا۔

۳۹- صراط السطور (صراط الخط) از سلطان علی مشہدی ۱۹۲۶ء اس کا نسخہ بقلم میر عماد اردبیل کے کتب خانے میں تھا۔ وہاں سے لینن گراڈ کے کتب خانے میں ۱۹۲۸ء میں پہنچ گیا۔ اس کا عکس روسی مستشرقہ گالینا کاستی نوا نے ۱۹۵۷ء میں طبع کرادیا۔ اس کا اردو ترجمہ کلیم شمس اللہ قادری نے حیدر آباد دکن سے شائع کر دیا ہے۔

۴۰- مدار الخطوط از میر علی ہروی ف ۹۵۱ھ، تالیف بخار ۹۲۶ھ، اس نے اپنے استاد کے رسالے صراط السطور کو بھی شامل کرالیا ہے۔

۴۱۔ حالات ہنروراں، دوست محمد ہروی کتاب دار ۹۷۳ء، یہ دراصل بہرام مرزا صفوی کے مرقع کا مقدمہ ہے۔
ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے اس کو جداکتابی شکل میں ۱۹۳۶ء میں لاہور سے شائع کرادیا ہے۔
فکری سلجوقی کابل نے اس پر مزید حاشیہ چڑھایا اور خوش نویسان و ہنرمندان کے نام سے اس کو کابل سے ۱۳۴۹ش میں شائع کردیا ہے۔

۴۲۔ مذکر احباب، از شیخ حسن متخلص بہ نثاری بخاری، تالیف ۹۷۴ھ، اس کا خوبصورت نسخہ میرک ہروی ۹۸۰ھ کا لکھاہوا ذخیرہ نواب حبیب الرحمان خان مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے، مطلاومذہب ہے۔

۴۳۔ ریحان نستعلیق، مکتوب ۹۸۹ھ مصحح ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، لاہور ۱۹۴۱ء،

۴۴۔ فوائد الخطوط، درویش محمد بن دوست محمد بخارائی، قلمی ۹۹۵ھ

۴۵۔ آداب المشق، باباشاہ اصفہانی ۹۹۶ھ، اس کتاب کا اصل نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس کو پروفیسر مولوی محمد شفیع نے اورینٹل میگزین میں شائع کردیا۔ (۱)

گیارہویں، بارہویں صدی

۴۶۔ تذکرہ خوش نویساں و نقاشاں، گلستان ہنر از قاضی احمد قمی، معاصر شاہ عباس اوّل (۹۹۶-۱۰۳۸ھ)

۴۷۔ تذکرہ خط و خطاطان، محمد صالح اصفہانی ۱۱۲۶ھ،

۴۸۔ امتحان الفضلاء، (تذکرۃ الخطاطین) دو جلد، میرزا سنگلاخ، مطبوعہ، تہران ۱۲۹۱ھ،

۴۹۔ احوال و آثار خوش نویسان نستعلیق، تین جلدیں ڈاکٹر مہدی بیانی، استاد دانش گاہ تہران، (۱۳۴۵-۱۳۵۴ھ) پیدائش ۱۳۲۶ھ، وفات ۱۳۸۷ھ - ۳۴ سال تک دنیا بھر کے عجائب خانوں کی سیر کی تب یہ کتاب لکھی۔ فن کا زبردست محقق اور نقاد۔

۵۰۔ مناقب ہنروراں، مصطفی علی آفندی مطبع امیری قسطنطیہ ۱۹۲۶ء،

۵۱۔ گلزار ثواب، نفیس زادہ ابراہیم آفندی ۱۹۳۹ء

۵۲۔ دوحۃ الکتاب، محمد نجیب آفندی، تصیر بق، ۱۹۳۲ء

۵۳۔ میزان الخط علی وضع استاد السلف از مصطفی حلمی آفندی،

۵۴۔ گلدستہ ریاض عرفان، سجلی عثمانی،

ا۔ مقالات پروفیسر محمد شفیع، ج ا/ص ۲۴۷، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۷ء

کتب ترکیہ

۵۵- تحفہ سامی، ابو النصر سام مرزا،

۵۶- تذکرہ الخطاطین، محمد یوسف لاہیجی،

۵۷- دستور العمل خطاطان (ترکی) قلمی عزت علی پاشا ۱۱۴۷ھ

۵۸- خط و خطاطان، میرزا حبیب آفندی ۱۳۲۹ھ طبع آستانہ ۱۳۰۶ھ

۵۹- مجموعہ خطوط عثمانی، از خطاط محمد عزت معلم حسن خط اور مدرسہ سلطانی استنبول ۱۳۰۶ھ

۶۰- تحفۃ الخطاطین، سلیمان مستقیم زادہ، طبع استنبول ۱۹۲۸ء

۶۱- سلسلۃ الخطاطین، سلیمان مستقیم زادہ، طبع استنبول ۸۱۹ھ

۶۲- مفتاح الکتابات القدیم، محمود یازیر بن نعمان آفندی (۱۳۱۱-۱۳۷۲ھ) ترکی بخط لاطینی طبع استنبول ۱۹۴۲ء

۶۳- الخطاط البغدادی، علی بن ہلال المشہور با بن البواب، تالیف ڈاکٹر سہیل انور (ترکی، طبع استنبول عربی ترجمہ محمد بہجت الاثرو عزیز سامی عراقی مع حاشیہ و تحقیقات، شائع کردہ مجمع علمی عراقی بغداد ۱۳۷۷ھ

۶۴- مناقب ہنروراں، مصطفی علی آفندی، مطبع امیری، قسطنطنیہ، ۱۹۲۶ء

۶۵- گلزار ثواب، نفیس زادہ ابراہیم آفندی، ۱۹۳۹ء

۶۶- دوحۃ الکتاب، محمد نجیب آفندی، نصیر بتی ۱۹۳۳ء

۶۷- میزان الخط علی وضع استاد السلف، از مصطفی حلمی آفندی،

۶۸- گلدستہ ریاض عرفاں، سجلی عثمانی،

افغانستان

۶۹- گنجینہ خطوط در افغانستان، محمد علی عطار ہروی، ۱۳۴۵ھ

۷۰- ہنر خط در افغانستان، عزیز الدین وکیلی، پوپلزئی، ۱۳۴۲ھ

۷۱- تذکرہ خطاطان ہرات، آقا محمد علی نعیمی، طبع کابل،

۷۲- خطاطان و نقاشان ہرات، آقا محمد علی نعیمی،

۷۳- تاریخ خط و نوشتہ ہائے کہن در افغانستان، پوہاند عبدالحئی حبیبی، کابل ۱۳۵۰ھ

۷۴- خوشنویسان و ہنرمندان، دیباچہ دوست محمد ہروی، تعلیقات فکری سلجوقی، کابل ۱۳۴۹ھ،

کتب متعلق خطاطینِ پاک و ہند

۷۵- آئین اکبری، از علامہ ابوالفضل، رائل ایشیاٹک سوسائٹی مرتب بلاقمان، کلکتہ ۱۸۶۸ء

۷۶- اقبال نامہ جہانگیری، معتمد خاں بخشی،

۷۷- مآثر رحیمی، عبدالباقی نہاوندی، تالیف ۱۰۲۵ھ طبع لکھنؤ ۱۹۱۰ء

۷۸- عمل صالح، محمد صالح کمبوہ،

۷۹- مراۃ العالم، بختاور خاں، تالیف ۱۰۷۸، طبع لاہور ۱۹۳۴ء

۸۰- خلاصۃ المکاتب، منشی سجان رائے بٹالوی ۱۱۱۰ھ،

۸۱- تاریخ محمد شاہی عرف نادر الزمانی، خوشحال چند جیون رام کائستھ ۱۱۵۴ھ،

۸۲- مراۃ الاصلاح، آنند رام مخلص ۱۱۵۸ھ،

۸۳- تحفۃ الکرام، میر علی شیر قانع نقوی ۱۱۹۱ھ،

۸۴- مراۃ آفتاب نما، شاہنواز خاں ہاشمی بنیانی ثم لاہوری ۱۲۱۸ھ،

۸۵- تذکرہ خوش نویساں، غلام محمد ہفت قلمی، دہلوی ۱۲۳۵ھ،

۸۶- آثار الصنادید، سر سید احمد خاں، دہلی ۱۲۴۷ھ،

۸۷- تذکرہ خوش نویسان، میرزا محمد علی حیدر آبادی (دکن)
صفحات ۷۶، تاریخ تصنیف ۲۵/ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ،

۸۸- تحقیقات ماہر، حکیم محمود علی خاں دہلوی، طبع دہلی ۱۹۳۴ء، ۱۳۵۳ھ، بموقع جشن تخت نشینی میر محبوب علی خان، قلمی موجود در کتب خانہ نواب سر سالار جنگ، فہرست ص ۸۳۴،

۸۹- فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی، مرتبہ ڈاکٹر سید عبداللہ،

۹۰- فہرست مخطوطات نیشنل میوزیم، کراچی ۱۹۵۷ء

۹۱- Specimen of Calligraphy in Delhi. Museum of Archaeology By Mohsin Hafar Zasan Khan.

۹۲- E.pigraphics Indo Muslimica New Delhi, 1955

○○○○○○○○○○○○○○○○○

مزید کتب

اس سلسلے میں محققین اور دلچسپی رکھنے والے حضرات کے استفادے کے لئے مزید کتب کی فہرست ذیل میں دی جارہی ہے۔(مرتب)

نمبر	کتاب	مصنف	مقام	سال
۱۔	ارژنگ چین	اشرف علی لکھنؤ		۱۹۵۱ء
۲۔	اصل الخط العربی و تطورہ حتی نہایۃ العصر الاموی	سہیلہ یاسین	بغداد	۱۹۷۷ء
۳۔	اصل الخط العربی و تاریخ تطورہ الی ما قبل الاسلام	دکتور قلیل یحییٰ نامی	قاہرہ	۱۹۳۵ء
۴۔	اعجاز رقم	شمس الدین اعجاز رقم	لکھنؤ	۱۹۱۵ء
۵۔	اصول النسخ	محمد حامد علی مرصع رقم	لکھنؤ	۱۹۱۷ء
۶۔	بدائع الخط العربی	ناجی زین الدین	بغداد	
۷۔	برصغیر پاک و ہند میں خطاطی	عجائب گھر	لاہور	
۸۔	پنجۂ نگاری		لکھنؤ	
۹۔	تحفۂ خطاطین	نور محمد، آرام باغ	کراچی	
۱۰۔	تطور کتابۃ العربیہ	السعید شربانی	قاہرہ	۱۹۴۶ء
۱۱۔	خطاطی بغداد المعاصرین		بغداد	
۱۲۔	خط الرقعہ	طاہر جعفر الآغا	ریاض	
۱۳۔	الخط الدیوانی	الغزلان	مصر	
۱۴۔	الخط العربی		دہران	
۱۵۔	الخط العربی، تاریخہ، وانواعہ	یحییٰ سلوم عباسی الخطاط	بغداد	
۱۶۔	الخط العربی، نشاتہ ومشکلۃ	دکتور انیس خریجہ	بیروت	۱۹۶۱ء
۱۷۔	الخط العربی و تطورہ فی العصوالعباسیہ فی العراق	سہیلہ یاسین	بغداد	۱۹۶۲ء
۱۸۔	الخط العربی من خلال المخطوطات		ریاض	
۱۹۔	خط العربی الکوفی	حسن قاسم حبش	بیروت	
۲۰۔	الخط العربی، ارقی الفنون وانبصلہا	احمد الزہب	طرابلس / لبنان	
۲۱۔	خط کی کہانی (مختصر تاریخ)	سید احمد رام پوری	رضا لائبریری / رام پور	

نمبر	کتاب	مصنف	مقام	سال
۲۲۔	الخط الفاروقی	الیاس عکاوی	قاہرہ	۱۹۳۸ء
۲۳۔	الخط البغدادی علی بن ہلال	دکتور سہیل احمد	بغداد	۱۹۵۸ء
۲۴۔	خط النسخ	طاہر جعفر آغا	ریاض	
۲۵۔	الخطوط العربیہ	عبدالرحمٰن صادق عیوش	قاہرہ	
۲۶۔	دراسات فی تاریخ الخط العربی		بیروت	۱۹۷۲ء
۲۷۔	دراسۃ فی تطور الکتابۃ الکوفیۃ علی الاحجار فی المصر		قاہرہ	۱۹۶۹ء
۲۸۔	رسالۃ الخط	احمد رضا حیدر		۱۹۱۴ء
۲۹۔	رسم الخط	بشیر الدین احمد	علی گڑھ	۱۹۱۹ء
۳۰۔	روح الخط العربی	کارل الباب	بیروت	
۳۱۔	رہنمائے خوش نویسی	محمد اعظم منور رقم	لاہور	
۳۲۔	سرگزشتِ نستعلیق	ڈاکٹر عبداللہ چغتائی	لاہور	
۳۳۔	صحیفۂ حافظ	حافظ انجم محمود	فیصل	
۳۴۔	فن خطاطی	خورشید عالم گوہر رقم	لاہور	
۳۵۔	فن الخط	اکمل الدین احسان اوغلی	استنبول، ترکی	
۳۶۔	فن الخط العربی	سید ابراہیم	قاہرہ	
۳۷۔	فن الخط العربی والزخرفۃ الاسلامیہ	حسن قاسم جش	بیروت	
۳۸۔	قعۃ الکتابۃ العربیہ	دکتور ابراہیم جمعہ	قاہرہ	۱۹۴۷ء
۳۹۔	قطعات امام دہروی		لندن	
۴۰۔	قطعاتِ عربیۃ	محمد عبداللہ	کوٹ وارث	۱۹۶۴ء
۴۱۔	قواعد الخط العربی	ہاشم محمد الخطاط	بیروت	
۴۲۔	کراسۃ فن الخط العربی	سید ابراہیم	قاہرہ	
۴۳۔	کراسۃ الخط العربی، قوعد خط التعلیق	الحاج کامل الزہاوی		
۴۴۔	کتاب العربی مخطوط	ڈاکٹر صلاح الدین المنجد	قاہرہ	۱۹۶۰ء
۴۵۔	گلدستۂ ریاحین		بمبئی	
۴۶۔	گلدستۂ نگارین	ایوب حسن اکبر بادی	آگرہ	۱۳۳۰ھ
۴۷۔	گلشنِ عطارد			

نمبر	کتاب	مصنف	مقام	سال
۴۸۔	مجموعۃ شوقی	استاد محمد شوقی	مدینہ منورہ	
۴۹۔	المحاسن الخطیہ		طائفہ	
۵۰۔	محمد طاہر کردی الخطاط		سعودی عرب	
۵۱۔	المحکم فی نقط المعاصف	ابو عمرو عثمان بن سعید الرانی	دمشق، شام	۱۹۶۰ء
۵۲۔	مرجع الخطوط العربیہ	فوزی سلم عفیفی	طنطا، مصر	
۵۳۔	مرقع خط	عجائب گھر	لاہور	
۵۴۔	مرقع خوش نویسی	عنایت اللہ وارثی	گجرات، پاکستان	
۵۵۔	مرقعٔ فیض		بمبئی	
۵۶۔	مرقع خوش نویسی	فضل الرحمٰن	لاہور	
۵۷۔	مرقع زریں	تاج الدین زریں رقم	لاہور	
۵۸۔	محنۃ الخط العربی	احمد عبدالحمید آغا	قاہرہ	۱۹۵۶ء
۵۹۔	مشق نستعلیق			۱۸۹۳ء
۶۰۔	مصور الخط العربی	ناجی زین الدین	بغداد	
۶۱۔	معالم الخط العربی	محی الدین نجیب	حلب، شام	
۶۲۔	موسوعۃ الخط العربی	القسم الفنی بدار الرشید	بیروت	
۶۳۔	نادر مجموعہ خوش نویسی	میر محمد کتب خانہ	کراچی	
۶۴۔	نشاۃ الکتابۃ الفنیہ فی الادب العربی		قاہرہ	۱۹۵۸ء
۶۵۔	نشاۃ و تطور الکتابۃ الخطیہ العربیہ	فوزی سالم عفیفی	کویت	
۶۶۔	نشاط الخط العربی	محمود شکر الجبوری	بغداد	۱۹۷۴ء
۶۷۔	نفائس الخط العربی	حسن قاسم حبش بیروت		
۶۸۔	نقط فوق الحروف	استاد محمد خداد	قاہرہ	
۶۹۔	نقش گوہر	خورشید عالم گوہر رقم	لاہور	
۷۰۔	نمونۂ خطاطی	سید انور حسین نفیس رقم	لاہور	

باب ۴۶

مَنْ ذَا الَّذِی یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَنًا ۔ (الحدید،۱۱)

سورۃ والضحیٰ، خط ثلث، حافظ یوسف سدیدی،

اور (اے نبی) تجھ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں اور جب مجھے پکارتے ہیں تو پکار سنتا ہوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین ۝ الرحمٰن الرحیم ۝ ملك یوم الدین ۝ إیاک نعبد وإیاك نستعین ۝ إهدنا الصراط المستقیم ۝ صراط الذین أنعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین ۝

اوپر خط ثلث میں محمد سالم عبدالباسط باجنید، نیچے خط کوفی میں محمد سالم باجنید اور آخر میں محمد سالم عبدالباسط باجنید، بہ خط یوسف سدیدی۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ؕ (الطلاق، ۳)

هو الله الذي لا إله إلا هو
عالم الغيب والشهادة هو الرحمن الرحيم

ما شاء الله

وإنك لعلى خلق عظيم
صدق الله العظيم
١٤٠٤

سورۂ اخلاص، خط ثلث، حافظ یوسف سدیدی

سعودی حکومت نے ۸۳ء میں خانہ کعبہ کے غلاف کا وہ حصہ جو بابِ کعبہ پر آتا ہے، اقوامِ متحدہ کو تحفے میں پیش کیا تھا اس ٹکڑے کے نیچے سونے کی تختی پر یہ عبارت حافظ یوسف سدیدی کے قلم سے کندہ تھی۔

الٰهی تا بود خورشید و ماهی
چراغِ چشتیاں را روشنائی

آ ب ت ج ذ ر ذ ر س ش ص ط ع ف
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد للہ رب العالمین
الرحمٰن الرحیم ملک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین
اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم و لا الضالین
کسب کمال کن
کہ عزیز جہاں شوی
بخدمت حضرۃ الاخ المکرم جناب بزاز احمد ملک صاحب زید مجدہ خطاط
منجانب: یوسف السدید، لاہور

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
بسم اللہ الرحمن الرحیم
ہر کہ ما را یار نبود ایزد او را یار باد
وانکہ ما رنجہ دارد در آتش بسیار باد
ہر کہ او خاری نہد در راہ ما از دشمنی
ہر گلی کز باغ عمرش بشگفد بی خار باد
۲۶ مارچ ۱۹۸۸ء
شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ

اللہ نور السمٰوات والارض

دیباچہ

مشامِ شمیم آشنایان را صلا و نہادِ انجمن نشینان را مژدہ کہ لختے از سامانِ مجمرہ گردانی آمادہ و دامنے از عودِ ہندی دست بہم دادہ است، نہ چوبہای سنگ روب خوردہ بہ ہنجارِ ناطبیعی شکستہ بے اندام تراشیدہ بلکہ بہ تبر شگافتہ بہ کارد ریز ریز کردہ بہ سوہان خراشیدہ۔

ایدون نفس گداختگیِ شوق بہ جستجوی آتشِ پارسی است، نہ آتشے کہ در گلخنہای ہند فسردہ و خاموش و از کفِ خاکستر بہ مرگ خودش سیہ پوشش بینی، چہ بوئے مسلم است از ناپاکی بہ استخوانِ مردہ نابار گسستن و از دیوانگی بہ رشتۂ شمع مزار گشتہ آویختن۔ ہر آئینہ بہ دل گداختن نیرزد و بزم افروختن را نشاید۔

رُخِ آتش بہ صنع برافروزندہ و آتش پرست را بہ بادافراہ ہم در آتش سوزندہ نیک میداند کہ پژوہندہ در ہوای آن رخشندہ آذر نسل در آتش است کہ بہ چشم روشنیِ ہوشنگ از سنگ برون تافتہ و در ایوانِ لہراسپ نشو و نما یافتہ۔ خس را فروغست و لالہ را رنگ و مُغ را چشم و کدہ را چراغ۔

بخشندہ یزدانِ درون بہ سخن برافروز را سپاسم کہ شرارے از آن آتشِ تابناک بہ خاکسترِ خویش یافتہ بہ کاو کاوِ سینہ شتافتم و از نفس دمہ بر آن نہادہ۔ بُو کہ در اندک مایہ روزگاران آن مایہ فراہم تواند آمد کہ مجمرہ را فرِ روشنائیِ چراغ و رایحۂ عود را بالِ شناسائیِ دماغ تواند بخشید۔

ہمانا نگارندۂ این نامہ را آن در سر است کہ پس از انتخابِ دیوانِ ریختہ بہ گرد آوردنِ سرمایۂ دیوانِ فارسی برخیزد و بہ استعانتِ کمالِ این فریورفن پس زانویِ خوشتن نشیند۔ امید کہ سخن سرایانِ سخنور ستای پراگندہ ابیاتے را کہ خارج ازین اوراق یابند از آثارِ تراوشِ رگِ کلکِ این نامہ سیاہ نشناسند و جامہ گرد آور را در ستایش و نکوہشِ آن اشعار ممنون و ماخوذ نسگالند۔

یارب این نوبیِ ہستیِ ناشنیدۂ از نیستی بہ پیدائی نارسیدہ یعنی نقشِ بہ ضمیر آمدۂ نقاش کہ بہ اسداللہ خان موسوم و بہ میرزا نوشہ معروف و بہ غالب متخلص است، چنانکہ اکبرآبادی مولد و دہلوی مسکن است، فرجامِ کار نجفی مدفن نیز باد، فقط۔

(بست و چہارمِ شہرِ ذیقعدہ سنہ ۱۲۴۸ھ)

لہ متداول نسخوں میں یہاں لفظ ژوب چھپا ہے جو کسی لغات میں نہیں ملا۔ پرفیسر عابدی کا خیال ہے کہ غالب نے لفظ تنگ ژوپ کے بجائے ژنگ شعب لکھا ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صلوا علیہ وآلہ

اُمیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی اُمید ہے یہ
کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار
جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینے کے مجھ کو مور و مار
اُڑا کے باد مری مُشتِ خاک کو پسِ مرگ
کرے حضور کے روضے کے آس پاس نثار

اقتباس قصیدۂ بہاریہ حجۃ الاسلام نانوتوی

ماخوذ فضائل درود شریف از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ
مدفون جنت البقیع المتوفی ۲۹ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ ۲۶ مئی ۱۹۸۲ء بروز دوشنبہ

کتبہ الفقیر نفیس الحسینی

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ
ترجمہ: اور حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا تاکہ تم پر رحم کیا جائے
وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ
ترجمہ: اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا حامی و مددگار نہیں
إِنَّ الصَّلَوٰةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ
ترجمہ: بیشک نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے
أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ
ترجمہ: اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے
إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ
(سورۃ الحجرات: ۱۰)
ترجمہ: بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں
سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو

حضرت سید انور حسین نفیس رقم

بیشک جو لوگ جنہیں کتاب دی گئی ہے خوب جانتے ہیں کہ وہ ان کے رب ہی کی طرف سے ہے اور برحق ہے

طرحِ نو می افگند اندر ضمیرِ کائنات
نالہ ہا کز سینۂ اہلِ نیاز آید برون

چنگ را گیرید از دستم کہ کار از دست رفت
نغمہ ام خوں گشت و از رگہائے ساز آید برون

غریبم یا رسول اللہ غریبم
ندارم در جہاں جز تو حبیبم
بریں نازم کہ ہستم امتِ تو
گنہگارم و لیکن خوش نصیبم

محمد اسم و حبیب الہ و خواجہ کل

محمد یوسف دہلوی

نوید رحمت و پیمان عفو یزدانی

الدنیا مزرعۃ الآخرۃ

یاد داری کہ وقت زادن تو

ہمہ خنداں بدند و تو گریاں

آنچناں زی کہ بعد رفتن تو

ہمہ گریاں بدند و تو خنداں

مرد آخر بین مبارک بندہ است

کتبہ یوسف دہلوی

ا ب ت ٹ ث ج چ ح خ د ڈ ذ ر ڑ ز ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک گ ل م ن و ہ ی ے

کتبہ یوسف دہلوی

طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة
علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے
نغمہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائیگا یہ ساز ہستی ایکدن
من ضحک ضحک
جو کسی پر بری نیت سے ہنسے گا
تو وہ خود بھی اسی طرح ہنسایا جائیگا
حدیث نبوی
یوسف

ادب گاہیست زیرِ آسماں، از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید، جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا زِ نورِ مصطفیٰ اورا بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

یوسف

عبدالمجید دہلوی کے قلم سے خط نستعلیق میں پہلے پارے کا ایک صفحہ

عبدالمجید دہلوی

عبد المجید دہلوی

بسم الله الرحمن الرحيم
المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده
مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے

بلغ العلى بكماله
كشف الدجى بجماله
حسنت جميع خصاله
صلوا عليه وآله
صلی اللہ علیہ وسلم

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجهک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مولانا جامیؒ

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

اقبالؒ

خالد یوسفی، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم
قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید
سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً
من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا
الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا انہ ھو السمیع البصیر
صدق اللہ العلی العظیم
وہ پاک ذات ہے جو لے گئی اپنے بندے (محمدؐ) کو شب کے وقت مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک جس کے گرد ہم نے برکتیں کر رکھی ہیں تاکہ ہم
ان کو اپنی نشانیوں میں سے دکھا دیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑے سُننے والے، دیکھنے والے ہیں۔ (سورۃ الاسراء۔۱)

خالد یوسفی، اسلام آباد
علم را ہنر گر نیابی تا نہ باشد شش خصال
حرص و فہم کامل جمع خاطر کُلّ حال
دور باشی از وطن ہم سبق باشد مدام
خدمت استاد باید تا شوی مرد کمال
صبغة الله ومن احسن من الله صبغة ونحن له عابدون
باسمہ سبحانہ
ساحل افتادہ گفت گرچہ بسی زیستم
ہیچ نہ معلوم شد آہ کہ من کیستم
موج ز خود رفتہ تیز خرامید و گفت
ہستم اگر میروم گر نروم نیستم
بسم الله الرحمن الرحيم
خالد یوسفی، اسلام آباد

الله

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله رب العالمين الرحمن
الرحيم مالك يوم الدين اياك
نعبد واياك نستعين اهدنا
الصراط المستقيم صراط
الذين انعمت عليهم غير
المغضوب عليهم ولا الضالين
صدق الله العظيم

إن الله عنده علم الساعة وينزل الغيث ويعلم ما في الأرحام وما تدري نفس ماذا تكسب غدا وما تدري نفس بأي أرض تموت إن الله عليم خبير

ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين وكان الله بكل شيء عليما

١٤١٠

محمد منصور المالك
نائب القنصل

سورۂ فتح آیت ۸،۹،۱۰

بہ قلم شفیق الزماں خاں

مشق استاد شفیق الزماں صاحب

ملک مختار احمد اعوان کے نام کی خط ثلث میں ابتدائی سیٹنگ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ رب العلمین الرحمن الرحیم
مالک یوم الدین ایاک نعبد
وایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم
صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب
علیھم ولا الضالین

دُعائے زبُور

یارب درونِ سینہ دلِ باخبر بدہ
در بادہ نشہ را نگرم آں نظر بدہ
ایں بندہ را کہ بانفسِ دیگراں نزیست
یک آہِ خانہ زاد مثالِ سحر بدہ
سیلم مرا بجوئے تنک مایہ مپیچ
جولانگہے بوادی کوہ و کمر بدہ
سازی اگر حریفِ یم بیکراں مرا
با اضطرابِ موج سکونِ گہر بدہ
شاہینِ من بصیدِ پلنگاں گذاشتی
ہمت بلند چنگل ازیں تیز تر بدہ
رفتم کہ طائرانِ حرم را کنم شکار
تیرے کہ نافگندہ فتد کارگر بدہ
خاکم بہ نورِ نغمۂ داوٗد بر فروز
ہر ذرہ مرا پر و بالِ شرر بدہ

خورشید رقم

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

لیس معی من فضیلۃ العلم الا علمی بانی لست اعلم

اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامانِ وجود
خورشید رقم
مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہانِ پیر دیکھ
اقبالؒ
خورشید رقم

بفرمائش محمد نسیم صدیقی ملری مجددی قادری — جمادی الاوّل ۱۴۱۲ ھ — طالبِ دعا، امداد احمد بن خورشید رقم لاہور پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ○ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ○

چلا دنیا سے لیکر خیر و برکت کی نکو نامی
عطا کی اسکو عشقِ سرورِ دیں نے سرافرازی
تھا مسکین پروری بیکس نوازی میں مثال اپنی
غلامِ مصطفٰے غازی غلامِ مصطفٰے غازی

شاعر: حافظ محمد افضل فقیر ○ خطاط: امداد احمد ابن خورشید رقم : شوال ۱۴۰۲ھ

صلوا علیہ و آلہ
الا بذکر اللہ
تطمئن القلوب
سید محمد رضی، کراچی

حلم (بُردباری) اخلاق کا سردار ہے
سید محمد رضی، کراچی

حسبی اللہ
توکلت علی اللہ
حافظ انجم محمود

حافظ انجم محمود

حافظ انجم محمود، فیصل آباد

وَرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُؤۡمِنُونَ ﴿٥٢﴾ هَلۡ يَنظُرُونَ إِلَّا تَأۡوِيلَهُۥۚ
يَوۡمَ يَأۡتِي تَأۡوِيلُهُۥ يَقُولُ ٱلَّذِينَ نَسُوهُ مِن قَبۡلُ قَدۡ
جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِٱلۡحَقِّ فَهَل لَّنَا مِن شُفَعَآءَ
فَيَشۡفَعُواْ لَنَآ أَوۡ نُرَدُّ فَنَعۡمَلَ غَيۡرَ ٱلَّذِي كُنَّا
نَعۡمَلُۚ قَدۡ خَسِرُوٓاْ أَنفُسَهُمۡ وَضَلَّ عَنۡهُم مَّا
كَانُواْ يَفۡتَرُونَ ﴿٥٣﴾ إِنَّ رَبَّكُمُ ٱللَّهُ ٱلَّذِي
خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٖ ثُمَّ
ٱسۡتَوَىٰ عَلَى ٱلۡعَرۡشِ يُغۡشِي ٱلَّيۡلَ ٱلنَّهَارَ يَطۡلُبُهُۥ
حَثِيثٗا وَٱلشَّمۡسَ وَٱلۡقَمَرَ وَٱلنُّجُومَ مُسَخَّرَٰتِۭ
بِأَمۡرِهِۦٓۗ أَلَا لَهُ ٱلۡخَلۡقُ وَٱلۡأَمۡرُۗ تَبَارَكَ ٱللَّهُ رَبُّ
ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴿٥٤﴾ ٱدۡعُواْ رَبَّكُمۡ تَضَرُّعٗا وَخُفۡيَةًۚ إِنَّهُۥ
لَا يُحِبُّ ٱلۡمُعۡتَدِينَ ﴿٥٥﴾ وَلَا تُفۡسِدُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ
بَعۡدَ إِصۡلَٰحِهَا وَٱدۡعُوهُ خَوۡفٗا وَطَمَعًاۚ إِنَّ رَحۡمَتَ
ٱللَّهِ قَرِيبٞ مِّنَ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَهُوَ ٱلَّذِي يُرۡسِلُ

محمد اسماعیل سلفی، کراچی

علی احمد صابر چشتی، لاہور

فَمَنْ اَظْلَمُ ۲۴ ۶۴۷ اَلْمُؤْمِن ۴۰

الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ ﴿۷۵﴾

(۴۰) سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ (۶۰) — اٰيَاتُهَا ۸۵ — رُكُوْعَاتُهَا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿۴﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۵﴾ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۶﴾ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ

منزل ۶

سید انیس الحسن ابن نفیس رقم، لاہور

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ
اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ
صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ

سید انیس الحسن ابن نفیس رقم، لاہور

سعید قمر تلمیذ رشید قمر صاحب

خورشید گوہر قلم

محمد علی زاہد

سُورۃ فاتحہ بخطِ دیوانی (جلی) خطاط محمد علی زاہد، لاہور

سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۶۴

بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے
محمد علی زاہد

ہمچنین پشتم بعشق حسنت محکم
ہو المعز
دارم ز دو رخ زرد و دل و روح دژم
بی تو من عاشق حریق پر غم
پیوستہ کند غمت لبی پشت بخم
یا ایہا الذین امنوا
اوفوا بالعقود
اے ایمان والو! اپنے قراروں کو پورا کرو۔ (المائدہ آیت۱)
محمد علی زاہد

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ
اے ایمان والو!
صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۳)
وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى
اور (دیکھو) نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے
کی مدد کیا کرو۔ (سورۃ المائدۃ آیت ۲)
هُوَ الْحَيُّ الْبَاقِي
فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ
سورۃ الرحمٰن آیت ۱۶
تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے
لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ
محمد علی زاہد

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاهِیْمَ
وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاهِیْمَ وَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ کَتَبَهُ الْفَقِیْر مُحَمَّدْ عَلِی زَاهِدْ

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ
لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ صدق الله العظيم

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً

۱۹۹۴ء نیشنل کونسل آف دی آرٹس کے زیر اہتمام دوسری قومی خطاطی نمائش میں اوّل انعام یافتہ فن پارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انک علی الحق المبین

سُوْرَةُ الْفَاتِحَة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

سید بابر علی فاؤنڈیشن لاہور کے زیر اہتمام مقابلہ حسن خطاطی ۱۹۹۵ء
میں اوّل انعام یافتہ فن پارہ

سید بابر علی فاؤنڈیشن لاہور کے زیر اہتمام مقابلہ حسن خطاطی ۱۹۹۵ء
میں اوّل انعام یافتہ فن پارہ

۱۹۹۳ء ترکی میں منعقدہ تیسرے بین الاقوامی مقابلہ خطاطی میں تیسری پوزیشن حاصل کرنے والا فن پارہ

سورۂ مومنون، آیت ۱۱۶

محمد علی زاہد

سورۂ فتح آیت ۲۹

محمد علی زاہد

الا بذکر الله تطمئن القلوب
سر رشته دولت ای برادر بکف آر
این عمر گرانمایه بغفلت مگذار
دائم همه جا با همه کس در همه کار
می دار نهفته چشم دل جانب یار

هو المصور
عاشق صنع خدا با فر بود
عاشق مصنوع او کافر بود

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارا نہ کیا
پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر
لیکن تیری رحمت نے گوارا نہ کیا
(عبدالمجید پرویں رقم)

واجد محمود یاقوت رقم

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ (احزاب، ۶۳)

یہ خط کوفی، تین مختلف انداز میں، زاہد اقبال، گوجرانوالہ

وَاَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ
بیاورید گر اینجا بود زباں دانے
غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد
امتیاز علی تلمیذ عبدالمجید دہلوی
احمد حسین سہیل رقم

عبدالرؤف، کراچی،

١٤١٨ھ
اے ہمنفسان محفل ما
رفتید ولے نہ از دل ما

جلوۂ حسن کہ ہے جس سے تمنا بیتاب
پالتا ہے جسے آغوشِ تخیل میں شباب
ابدی بنتا ہے یہ عالمِ فانی جس سے
ایک افسانۂ رنگیں ہے جوانی جس سے

الروم آیت ۴۱، احمد علی بھٹہ لاہور

محمد علی زاہد

الٰہی بخش مطیع

ہری پور ہزارہ

بسم الله الرحمن الرحيم
الله لا اله الا هو الحي القيوم
لا تأخذه سنة ولا نوم
جمیل حسن
له ما في السموات وما في الارض
من ذا الذي يشفع عنده الا باذنه يعلم ما بين ايديهم
وما خلفهم ولا يحيطون بشيء من علمه الا بما شاء
وسع كرسيه السموات والارض ولا يؤده حفظهما
وهو العلي العظيم

سورۂ فتح آیت ۲۹

سورۂ زمر آیت ۵۳ / ۱

قُل اِن لَّبِثتُم اِلَّا قَلِيلًا لَّو اَنَّكُم كُنتُم تَعلَمُونَ ۝ اَفَحَسِبتُم اَنَّمَا خَلَقنٰكُم عَبَثًا وَّاَنَّكُم اِلَينَا لَا تُرجَعُونَ ۝

وَمَن يَّدعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِندَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفلِحُ الكٰفِرُونَ ۝

وقل رب اغفر وارحم وانت خير الراحمين

مِن روائع الخطاط محمد جميل حسن تلميذ فضيلة الشيخ السيد نفيس الحسيني الخطاط الدولي الباكستاني

جمیل حسن، تلمیذ سید انور حسین نفیس رقم

وَاتَّبِعْ مَا یُوحیٰ اِلَیْکَ وَاصْبِرْ حَتّٰی یَحْکُمَ اللّٰہُ وَھُوَ خَیْرُ الْحَاکِمِیْنَ

اور آپ اسکی اتباع کرتے رہیے جو کچھ آپکے پاس وحی بھیجی جاتی ہے اور
صبر کیجیے یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کردے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں اچھا ہے

[illegible]

بروز حشر الٰہی چو نامۂ عملم
کنند باز کہ آں روز باز خواہ من ست
بکن مقابلہ آں را ز سر نوشت ازل
اگر زیادہ و کم باشد آں گناہ من ست

غالب کتبہ عبدالرحمن

کی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
خطاطی عبدالرحمان
علامہ محمد اقبال
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند
کتبہ عبدالرحمن
۱۴۱۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رأس الحکمۃ مخافۃ اللہ

حدیث شریف

اکرام الحق

سنہ ۱۹۹۹ء

ماہ اکتوبر

بہترین حکمت اور دانائی یہ ہے کہ انسان کے دل میں اللہ کا خوف ہر وقت موجود رہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم
والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا
وعملوا الصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر
صدق اللہ العظیم
خالد محمود صدیقی

خالد محمود صدیقی
سید خالد محمود عثمانی، لاہور

محمد احمد شفیقی، کراچی

بہار مصطفیٰ، بن حافظ محمد یوسف سدیدی، تلمیذ صوفی خورشید عالم خورشید رقم، لاہور

بلغ العلی بکمالہ
کشف الدجی بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ

سلیم اختر

خویشتن را وانمودن زندگی است
خود کو ظاہر کرنا ہی زندگی ہے
ضرب خود را آزمودن زندگی است
ریاض
اپنی ضرب کو آزمانا ہی زندگی ہے
ریاض احمد، کراچی

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ط

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ

ذرّہ ام مہر منیر آں من است

ریاض

صد سحر در گریبان من است

شعر اقبال

غلام مرتضیٰ، کراچی،

نور علی نور
۱۴۰۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ ﴿۲﴾ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۳﴾ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿۴﴾

کتبہ رئیس نذیر احمد رحیم یار خان

۱۹ جمادی الاول ۱۴۲۲ھ بروز جمعۃ المبارک ۱۰ اگست ۲۰۰۱ء

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا

اللہ تکبر کرنے والے بڑائی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔

احمد انور، کراچی،

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو تمام جہان کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

رشید شاہد، کراچی،

مکلی قبرستان ٹھٹھہ

ماٰخذ و مصادر

کتب عربی

۱۔ ادب الکاتب، ابن قتیبہ، بیروت

۲۔ بدائع الخط العربی، ناجی زین الدین، المصر وزارۃ اعلام مدیریۃ الثقافۃ العامۃ، بغداد، ۷۲ء

۳۔ البدایۃ والنہایہ، ابن کثیر، بیروت،

۴۔ تاریخ الخط العربی و آدبہ، محمد طاہر بن عبدالقادر الکردی والملکی، طبع مصر، ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء

۵۔ التاریخ لابن عساکر، بیروت،

۶۔ تفسیر قرطبی، بیروت،

۷۔ جامع المحاسن، طبی، بیروت، ۱۹۶۲ء، مقدمہ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد،

۸۔ الدارسات فی تاریخ الخط العربی، ڈاکٹر، صلاح الدین المنجد، دار الکتب الجدید، بیروت ۱۹۷۹ء

۹۔ الصبح الاعشیٰ فی کتابۃ الانشاء، قلقشندی، بیروت،

۱۰۔ صحیح، مسلم، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۱۱۔ فن الخط، مرتبہ مصطفیٰ اوغرومان

۱۲۔ محاضرات الموسم الثقافی، مطبوعہ حکومت البو ظبی، ۷۲ء

۱۳۔ مسند احمد، تخریج شاکر، بیروت

۱۴۔ مصور الخط العربی، ناجی زین الدین المہندس، مکتبۃ النہضہ، بغداد، ۱۹۷۲ء

۱۵۔ المعارف، ابن قیتبہ، بیروت،

۱۶۔ نشاۃ الخط العربی و تطورہ، محمود شکوالجبوری، منشورات مکتبۃ الشوق الجدید، بغداد، ۱۹۷۴ء

۱۷۔ النشر فی قرأت العشر، طبع مصر،

کتب فارسی

۱۸۔ اطلس الخط، حبیب اللہ فضائلی، نشریہ آثار ملی اصفہان، بموقعہ جشن سیمیں شہنشاہ ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء
۱۹۔ تاریخ خط و نوشتہ ہائے کہن افغانستان، تالیف پوہاند عبدالحی حبیبی، ناشر انجمن تاریخ و آداب، افغانستان اکادیمی، کابل ۱۳۵۰ش / ۱۹۷۱ء
۲۰۔ خطاطان و نقاشان ہرات، حصہ اوّل از علی احمد نعیمی حصہ دوم از میر عبدالعلی شائق، مطبع دولتی ہرات ۱۳۵۲ش،
۲۱۔ خوش نویسان و ہنرمندان، فکری سلجوقی، انجمن تاریخ و آداب، افغانستان اکادیمی، کابل ۱۳۴۹ش / ۱۹۷۲ء
۲۲۔ رسالہ میر علی تبریزی، مصحح ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، کتاب خانہ نورس، کبیر سٹریٹ، لاہور ۱۹۶۹ء،
۲۳۔ گنجینہ خطوط در افغانستان، از محمد علی اختر ہروی مطبع دولتی کابل ۱۹۶۷ء
۲۴۔ ہنر خط در افغانستان، عزیزالدین وکیلی پوپلزئی مطبع دولتی کابل ۱۳۸۳ھ

کتب اردو

۲۵۔ ارمغانِ علمی، بخدمت ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، مرتب ایس، اے، رحمان، لاہور، ۱۹۵۵ء
۲۶۔ اسلامی آرٹ، اور فن تعمیر (اردو) آرٹس کونسل، ترجمہ مولانا غلام طیب، فیروز اینڈ سنز، لاہور ۱۹۷۱ء
۲۷۔ پاک و ہند میں اسلامی خطاطی، ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی کتاب خانہ نورس، لاہور، ۱۹۷۶ء
۲۸۔ پاک و ہند میں خطِ نستعلیق، ایضاً،
۲۹۔ تاریخ نقش و نگار، ایضاً
۳۰۔ تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، لاہور
۳۱۔ تدریس خط نسخ، عبدالقیوم، محکمہ تعلیم حکومتِ مغربی پاکستان، اردو بازار، لاہور، ۱۹۶۷ء،
۳۲۔ ترجمان القرآن، ابوالکلام آزاد، لاہور
۳۳۔ تذکرۂ خطاطین، محمد راشد شیخ، ادارہ علم و فن، کراچی، ۱۹۹۹ء
۳۴۔ تذکرہ شعرائے جے پور، انجمن ترقی، اردو، علی گڑھ، ۱۹۵۸ء
۳۵۔ تفسیر صادی علی الجلالین،
۳۶۔ تفسیر ماجدی، عبدالماجد دریابادی، کراچی
۳۷۔ تمدن عرب، گستاوَلیبان، اردو ترجمہ، سید علی بلگرامی، لاہور
۳۸۔ ثقافتِ پاکستان شیخ محمد اکرام، ادارہ مطبوعات پاکستان، لاہور، ۱۹۶۷ء

۳۹۔ جرنل رائل ایشاٹک سوسائٹی، مشرقی پاکستان، ۱۹۶۱ء
۴۰۔ خطاطی اور ہمارا رسم الخط، سید محمد یوسف بخاری دہلوی، کراچی ۱۹۵۹ء
۴۱۔ خطوط ہادیٔ اعظم ﷺ، سید فضل الرحمٰن، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی ۱۹۹۶ء
۴۲۔ دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۵، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۷۹ء
۴۳۔ دبستان خط، شیخ محمد اکرام الحق خطاط، ایوانِ خطاطانِ پاکستان، لاہور
۴۴۔ سرگزشت خط نستعلیق، ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، کتاب خانہ نورس، لاہور، ۱۹۷۰ء
۴۵۔ صحیفۂ خوش نویساں، مولوی احترام الدین شاغل جے پوری، انجمن ترقی اردو، علی گڑھ، ہند، ۱۹۶۳ء
۴۶۔ علم الکتابۃ، ابوحیان توحیدی، (۴۱۴ھ) ترجمہ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی کتاب خانہ نورس، لاہور، ۱۹۶۶ء
۴۷۔ فہرست کتب خانہ سالار جنگ، حیدرآباد دکن
۴۸۔ قصص الانبیاء، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، کراچی
۴۹۔ گزشتہ لکھنو، مولانا عبدالحلیم شرر، کراچی
۵۰۔ مرقع خط، طارق مسعود، لاہور عجائب گھر، لاہور، ۱۹۸۱ء
۵۱۔ مفاتیح الحروف، مولوی شاہ محمد حسین بن حسن بن سعید علوی، نقشبندی، قادری، (۱۳۱۱ھ) مطبع مفید دکن، حیدرآباد،
۵۲۔ مقالات مولوی محمد شفیع، ج اوّل، و چہارم، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۲ء
۵۳۔ نذر رحمان، مرتب غلام حسین ذوالفقار، لاہور، ۱۹۶۶ء
۵۴۔ نقاش القلم، سید انور حسین نفیس رحم، مکتبہ نفس، لاہور، ۱۹۷۱ء
۵۵۔ ہادیٔ ہریانہ، منظور الحق صدیق، آئینہ ادب لاہور، ۱۹۶۴ء
۵۶۔ ید بیضا، ایم، ایم شریف آرٹسٹ، پشاور، ۱۹۶۰ء

❐ رسائل، جرائد، اخبارات، اردو

۵۷۔ روزنامہ جنگ، کراچی
۵۸۔ روزنامہ حریت، کراچی، ۱۹۷۷ء
۵۹۔ ماہنامہ الزبیر، کتب خانہ نمبر، مسعود حسین شہاب، اردو اکیڈمی، بہاولپور، ۱۹۶۷ء
۶۰۔ سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر، کراچی
۶۱۔ ہفت روزہ لیل و نہار، لاہور ۱۹۶۲ء

۶۲۔ ماہ نو، کراچی، ۱۹۶۷ء

❑ کتب گجراتی

۶۳۔ المعات الثقافیۃ الفاطمۃ (عربی رسم الخط) یادگار سیدنا طاہر سیف الدین عبدذھبی، کراچی،

❑ کتب انگریزی،

64. The calligraphers of thatta by M.A. Ghaffor -- Institute of Centraland west Assian Studies Universty of Karachi. 1978.
65. Maslem Calligraphy -- By Liaudd in Al-Beruni Publication. Lahore. 1974.
66. The splendour of Inamic calligraphy by Abdul Kaliq Khatibi and Moummend Sijal Massi. London. 1974.
67. The Quranic art of calligraphy and illmination, By Mastin Lingo. world Islamic. festival trout, London 1976.
68. The Quran - A British library gchibition, world islamic festival, London. 1976. by - Martin Lingo, Yasin Hamir Safar.
69. The Muclim World Karachi.
70. Calligrapy in the arts of the muslim world.
71. The Splendour of Islamic calligraphy London 1976.

Islamic calligraphy, Noon-Wal-Qalam

By Aftab Ahmed, Rawalpindi Pakistan

نورٌ علیٰ نور

نغمہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائیگا یہ سازِ ہستی ایکدن

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز
اے ۴/۱۷، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی نمبر ۱۸، پوسٹ کوڈ ۷۴۶۰۰